

سہیلی ساحرہ

صادق حسین صدیقی



نہایت دلچسپ حیرت انگیز اسلامی تاریخی ناول

سُسل کی سَاحرہ

صادق حسین صدیقی

مکتبۃ القرآن قذافی باریٹ اردو بازار لاہور

ایک چھوٹا قافلہ اس ناہموار اور دشوار گزار راستہ کو طے کر رہا تھا جو قسریانہ (کیسٹروگیانی) کی طرف جاتا تھا۔ اس قافلے میں سو آدمی تھے۔ ان کا لباس عربی تھا، سفید عربی لباس میں میر قافلہ ایک نو عمر نوجوان تھے نہایت ہی خوبصورت اور شاندار نوجوان ان میں مردانہ حسن کی تمام خصوصیات موجود تھیں تمام قافلے والے ان کا بڑا ادب و لحاظ کرتے تھے۔ ان کا لباس انکے ساتھیوں سے بہت اچھا تھا، وہ ایک عربی نسل گھوڑے پر سوار تھے۔ انکے ہمراہیوں کے پاس بربری نسل کے گھوڑے تھے ان کے ساتھ بہت سے فخر تھے جن پر اسباب بار تھا۔

یہ قافلہ اس علاقے سے آگے بڑھ گیا تھا جس میں عیسائی آباد تھے پادریوں نے گرجے اور خانقاہیں پہاڑ کی کھوؤں اور چٹانوں پر کثرت سے بنائی تھیں۔ اور چونکہ ہر گرجے اور خانقاہ میں کوئی نہ کوئی متبرک چیز موجود تھی اس لئے زائرین سال کے سال زیارت کرنے آتے تھے اور پادریوں و راہبوں کو کافی نذرانے اور تحفے دیتے تھے، اس دولت سے تمام خانقاہوں میں عیش و عشرت کے جملہ سامان موجود رہتے تھے۔

یہ قافلہ پہاڑی راستہ کو عبور کر رہا تھا۔ اس قافلے کے ساتھ ایک رہنما تھا۔ اس کا لباس پرانی رومی قوم کا سا تھا۔ اس رومی قوم کا جو بت پرست تھی۔ رہنما ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کے چہرہ سے اضطراب اور انتشار ظاہر تھا۔ وہ بھی ایک ٹوپر سوار تھا۔ اب یہ قافلہ اس پہاڑی علاقہ میں سے گزر رہا تھا جس میں بت پرست آباد تھے۔ اور جو جادگروں کا مسکن کہلاتا تھا۔

یہ قافلہ ظہر کے وقت ایک مقام پر ٹھہر گیا۔ کئی آدمی خیمے نصب کرنے لگے ایک شخص نے وضو کر کے اذان دی۔ اللہ اکبر کی آواز اس پہاڑ پر گونج گئی جس نے کبھی اللہ کا نام نہیں سنا تھا اور جو صدیوں سے بت پرستی کا مرکز بنی ہوئی تھی جس پر عیسائیت کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا حالانکہ عرصہ دراز سے یہ علاقہ عیسائیوں کے زیر نگیں تھا۔

تمام قافلہ والوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ رہنما حیرت اور حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ نماز پڑھ کر کچھ مسلمان کھانا تیار کرنے لگے۔ کچھ لکڑیاں کاٹنے چلے گئے کچھ اور کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت میر قافلہ ایک پتھر پر آ بیٹھے رہنما بھی ان کے قریب آ بیٹھا۔ میر قافلہ نے کہا اب کتنا فاصلہ اور طے کرنا باقی رہ گیا ہے۔

رہنما نے عرض کیا دو منزل اور ہے۔

میر قافلہ۔ یقین ہے کہ ہم وقت پر پہنچ جائیں گے۔

رہنما۔ مجھے اس میں شبہ ہی ہے۔

میر قافلہ۔ قربانی کا کون سا دن مقرر ہے؟

رہنما۔ اتوار کا۔

میر قافلہ۔ کس وقت قربانی دی جائے گی؟

رہنما۔ عین دوپہر کے وقت۔

میر قافلہ۔ تب واقعی فکر کی بات ہے۔ مگر اندیشہ نہ کرو۔ ہم اور تیزی سے سفر کریں گے۔

رہنما۔ یہ ناممکن ہے۔

میر قافلہ۔ کیوں۔۔۔؟

رہنما۔ اس لئے کہ جو راستہ شروع ہو گا وہ نہایت ہی دشوار گزار ہے۔

پھاڑ کی چڑھائی شروع ہو گئی ہے۔ رہنما نے عاجزی سے کہا۔

”میرے آقا جلدی کیجئے۔ اگر ہم دیر کر کے پہنچے تو سفر کی کلفت اور

ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ اگر مظلوم روز لیا قربان کر دی گئی تو میں اور اسکی

سربل خود کشی کر لیں گے۔“

میر قافلہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اطمینان رکھو۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم

وقت پر پہنچیں گے۔ اور اس نازنین کو بچالیں گے۔“

رہنما۔ سیریس مجھ پر اور میرے خاندان پر رحم کرے۔“

میر قافلہ۔ یہ سیریس کون ہے؟

رہنما۔ سیریس وہ مقدس دیوی ہے جس کی ہمارا قبیلہ پوجا کرتا ہے۔ ہم سب اس کے بندے اور غلام ہیں۔ اس کا باپ مشتری نبوتن اس جزیرہ کا خدا ہے۔

ہم جزیرہ مقلہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس جزیرہ کو سسلی بھی کہتے ہیں یہ جزیرہ بحر روم میں واقع ہے اور بحر روم کے تمام جزیروں میں سب سے بڑا ہے یہ سب سے زیادہ آباد اور سب سے زیادہ زرخیز بھی ہے۔ جزیرہ مقلہ (سسلی) کو خلیج مینینا اٹلی سے جدا کرتی ہے۔ اس جزیرے کی شکل کچھ مثلث سی ہے۔ جزیرہ مقلہ کا اگر نقشہ دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہو گا جیسے پہاڑوں کا جال پھیلا ہوا ہے ان پہاڑوں سے بڑے بڑے دریا نکل کر سطح زمین اور میدانوں کو سیراب کرتے ہیں۔ اس جزیرہ کے مشرقی ساحل پر ائینا نامی کوہ آتش فشاں ہے جو یورپ کا سب سے بڑا آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ سے لاوا نکل نکل کر مشرق کی طرف بہتا ہے۔ ائینا کوہ آتش فشاں کا مشرقی حصہ روم سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سمت کا ساحل ”قربا“ تیس میل اسی آتش فشاں پہاڑ سے نکلے ہوئے لاوے سے بنا ہے۔

اس جزیرہ مقلہ میں یونانی آکر آباد ہوئے ان کے بعد رومی آئے اور رفتہ رفتہ رومی تمام جزیرہ پر چھا گئے۔ یہ دونوں یونانی اور رومی سیریس دیوی کی پوجا

رہے یونانی اور رومی سیریس کو دیوی سمجھتے تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ سیریس مشتری نبوتن کی بیٹی ہے۔ مشتری نبوتن کو وہ ایک سیارہ مانتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ سمندر کا خدا ہے۔ مشتری نبوتن کے کئی بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں ایک بیٹا جو نوتھا اور ایک بیٹی سیریس تھی ایک روز سمندر کے خدا یعنی مشتری نبوتن نے اپنی تمام اولاد یعنی بیٹا بیٹیوں کو نکل لیا مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر اگل دیا سیریس اپنے بھائی جو نوتے حاملہ ہو گئی اس کے بطن سے سربل نامی ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کو ایک اور دیوتا پلوٹو نامی بھگا کر لے گیا۔ سیریس اس کی تلاش میں کوہ ابان میں پھری۔ اس کے قہے نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں۔ یورپ میں یہ قہے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ جزیرہ مقلہ میں اس دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ از تاریخ اخبار اندلس جلد دوم۔

ہے۔ وہ تنہا ہے اکیلا ہے بے ہمتا ہے اس کا ثانی نہیں ہے۔ ہمارے بزرگوں کو ان پیغمبر کا نعرہ اللہ اکبر بڑا شاق گزرا۔ انہوں نے سخت سے سخت تکلیفیں دیں۔ انہیں مار ڈالنے کی بھی کوشش کی لیکن خدا ان کا مددگار تھا کوئی بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکا۔ اور آخر کار وہی لوگ جو ان کے درپے آزار رہتے تھے۔ ان کے پیرو ہو گئے۔ ان کے پیرو مسلمان کہلاتے ہیں۔ آج تمام عربستان میں ایک بھی بت نہیں۔ سارے حجاز میں صرف ایک خدا کی پرستش کی جاتی ہے۔

رہنما۔ مجھے ان میں سے بہت سی باتیں معلوم ہیں۔ ہم سیریس دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔ ہمیں کسی کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہم کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا چاہتے ہیں۔“

میر قافلہ۔ مگر تمہاری بیٹی کو قربانی کے لئے کیوں منتخب کیا گیا؟“

رہنما۔ اسلئے کہ وہ اس زمانہ میں اس تمام جزیرہ میں سب سے زیادہ خوبصورت اور نازنین ہے۔ ہمارے پیشواؤں کا خیال ہے کہ اگر روزلیا کی قربانی دی گئی تو زلزلے بند ہو جائیں گے۔ ورنہ یہ تمام جزیرہ تباہ ہو جائے گا۔ میر قافلہ۔ اگر تمہارا بھی یہی عقیدہ ہے تو تم اسے بچانے کی کیوں کوشش کر رہے ہو؟“

رہنما۔ اسلئے کہ ہمیں اس سے بے پناہ محبت ہے۔ اولاد کی محبت مذہبی اعتقادات سے بالاتر ہوتی ہے۔“

میر قافلہ۔ مگر تمہارے اعتقاد کے مطابق یہ زلزلے کیسے بند ہوں گے۔“ رہنما۔ نہ ہوں۔ اگر ہم سب تباہ ہو جائیں مارے جائیں یا مرجائیں تو کسی کو کسی کے مرنے کا غم نہ ہوگا۔

اس وقت ایک خادم نے کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی۔ میر قافلہ اٹھ کر چلے رہنما بھی چل دیا۔ میر قافلہ نے اپنے خیمے پر پہنچ کر کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر مسلح ہو کر شکار کھیلنے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔

اس پہاڑ پر عجیب خوفناک جانور تھے۔ ایسے جانور جنہیں عربوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بعض وہ جانور تھے جنہیں وہ جانتے تھے اور ان کا

کرتے تھے۔ اس دیوی پر گائے بیل اور سور کی قربانی کی جاتی تھی۔ شہد چڑھایا جاتا تھا۔ کبھی کبھی جس سال زلزلے کثرت سے آتے تھے تو قوم کی سب سے زیادہ حسین دوشیزہ کی قربانی کی جاتی تھی۔ اہل مقلید کا یہ عقیدہ تھا کہ جب سیریس دیوی ناراض ہو جاتی تو زلزلے آتے ہیں اور جب کسی حسین لڑکی کی قربانی دیدی جاتی ہے تو سیریس دیوی خوش ہو جاتی ہے اور زلزلے بند ہو جاتے ہیں۔“

مگر ایک طبقہ کا خیال تھا کہ جو نو ایک سیارہ ہے جسے مقلید والے دیوتا مانتے تھے۔ سیریس کو پکڑ کر کوہ آتش فشاں پہاڑ پر لے جاتا ہے جس سے آتش فشاں پہاڑ آگ پھینکنے اور شعلے برسانے لگتا ہے اور جو نو کے غضبناک ہونے کی وجہ سے ہی گڑگڑاہٹ بڑھ جاتی ہے اور زلزلے آنے لگتے ہیں۔ جب سیریس دیوی پر کوئی حسین اور نازنین لڑکی بھیجتا چڑھا دی جاتی ہے تو جو نو سیریس کو چھوڑ دیتا ہے اور لڑکی کو لیکر چلا جاتا ہے۔ زلزلے بند ہو جاتے ہیں۔

ہم ۲۶۰ھ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس سال بھی کئی زلزلے آچکے تھے۔ ایک جھٹکا تو اس زور کا آیا تھا کہ زمین تو زمین پہاڑ بھی لرز گئے تھے۔

میر قافلہ نے کہا ہم تمہارے مذہب اور مذہبی اعتقادات کے متعلق بحث کرنا نہیں چاہتے مگر ایک بات ضرور کہتے ہیں کہ ہم عرب ہیں۔ عربستان کے رہنے والے ہیں۔ ایک زمانے میں ہمارے بزرگ بھی بت پرست تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے، بتوں کو خدا کہتے تھے۔ ہمارے ہر قبیلہ کا بت یعنی خدا الگ الگ تھا۔ اور یہ خدا عجیب عجیب شکل کے تھے۔ کوئی مرد کی صورت کا تھا۔ کوئی عورت کی صورت کا۔ کوئی گاوہ کی شکل کا تھا۔ کوئی گائے کی شکل کا۔ کوئی گھوڑا تھا اور کوئی خوفناک صورت کا تھا۔ غرض ہمارے بت عجیب تھے ہمارے اعتقادات بھی عجیب تھے۔ ہم ان پر اونٹوں گھوڑوں اور بکروں کی قربانی چڑھاتے تھے۔

لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا۔ اس خدا نے جو مختار کل اور خالق مطلق ہے جس نے زمین پیدا کی اور آسمان کو بغیر ستونوں کے قائم کیا۔ اس نے ہم میں ہماری ہی قوم کا ایک پیغمبر بھیجا۔ اس پیغمبر نے بتایا کہ بت خدا نہیں ہیں۔ خدا وہ ہے جسے کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ نہ ہی انسان میں اس کے دیکھنے کی قوت

شکار کرتے تھے۔ میر قافلہ تنہا روانہ ہوئے تھے۔ وہ اس پہاڑ سے بالکل واقف نہ تھے۔ دروں اور گھاٹیوں میں گھومنے لگے۔ انہیں ایک پہاڑی بکرا نظر آیا۔ وہ پتھروں کی آڑ میں اس کی طرف بڑھے۔ بکرا نہایت اطمینان سے چر رہا تھا۔ میر قافلہ اس کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے تیر کمان میں رکھ کر چلہ کھینچا۔ اور پوری قوت سے چھوڑا۔ تیر سناٹے بھرتا لپکا۔ اور بکرے کی گردن میں ترازو ہو گیا۔ بکرا لڑھکتا ہوا نیچے کی طرف چلا۔ وہ ایک چٹان پر تھا۔ اسی وقت ایک ہلکی چیخ کی آواز آئی۔ میر قافلہ اپنے شکار کی طرف بڑھے وہ بھی ایک اونچے پتھر پر کھڑے تھے۔ وہاں سے کود کر جھپٹے۔ جب وہ ایک نشیب میں پہنچے تو

انہوں نے وہاں ایک لڑکی کو دیکھا۔ اس لڑکی کے قریب بکرا پڑا تڑپ رہا تھا اور ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بھی بیٹھا تھا۔ یہ لڑکی بہت زیادہ حسین اور نازنین تھی۔ گلشن فردوس کی دلفریب کلی اس نے اپنی حسین اور مورتی گول آنکھیں اٹھا کر میر قافلہ کو دیکھا ان کے جسم میں تھر تھری سی بڑگئی۔ نازنین نے اپنی حسین پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔ ”تم نے اس غریب بکرے کو تیر کا نشانہ بنایا۔ بے رحم کہیں کے۔“ اور وہ اٹھ کر چل دی۔ مرد بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ میر قافلہ نے ہر چند چاہا کہ اس نازنین سے کچھ کہیں، اسے روکیں، اس سے پوچھیں کہ وہ کون ہے۔ مگر زبان نے یاری نہ دی۔ خاموش کھڑے رہ گئے۔ ایسے جیسے ان پر جادو کر دیا گیا ہو۔

لڑکی کے چلے جانے کے بعد میر قافلہ کے حواس درست ہوئے۔ انہیں افسوس ہوا کہ ان کی وجہ سے ایک نازنین کا دل دکھا۔ انہوں نے جلدی سے بکرے کی گردن سے تیر نکالا۔ خوش قسمتی سے تیر سے گمراہ زخم نہیں آیا تھا۔ بکرا خوفزدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے بکرے کو کھڑا کر دیا۔ وہ اسی طرف دوڑا جس طرف نازنین گئی تھی۔ میر قافلہ بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔

یہ پہاڑی گھائی گھوم در گھوم تھی۔ بکرا اور میر قافلہ دونوں چند ہی قدم کے فاصلے سے آگے پیچھے جارہے تھے۔ چند گھوم طے کرنے کے بعد ایک چشمہ ملا۔ اس چشمہ کے کنارے پر نازنین اور اس کا ساتھی مرد دونوں بیٹھے تھے۔ نازنین منہ دھو رہی تھی۔ میر قافلہ نے جھپٹ کر بکرے کو پکڑ لیا۔ اور چشمہ کے کنارے لے جا کر اس

کا زخم دھونے لگے۔ لڑکی نے ان کی طرف دیکھا اس کے گلابی رخساروں پر پانی کی بوندیں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے گلاب کے پھولوں پر سچے موتی بکھیر دیئے ہوں۔ میر قافلہ نے بکرے کو نازنین کی طرف بڑھا کر کہا۔ ”جاؤ قدم چومو۔“

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ نازنین کے لبوں پر خفیف تبسم پھیل گیا۔ بکرا بھاگ کھڑا ہوا۔ میر قافلہ بڑھ کر نازنین کے قریب پہنچے اور بولے۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میری نازیبا حرکت سے تمہارے ننھے سے دل کو تکلیف پہنچی۔ میں نے بکھے کو چھوڑ دیا ہے۔“

نازنین نے دلفریب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”گویا آپ احسان جتانے آئے ہیں۔“

میر قافلہ۔۔۔ بالکل نہیں، احسان کی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں معذرت کرنے آیا ہوں۔

نازنین نے نظریں جھکا لیں۔ میر قافلہ نے کہا۔ کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کس گلشن کا پھول ہیں۔“

مرد نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ آپ عرب ہیں، آپ کے لباس سے ہم دونوں نے سمجھ لیا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ عرب مذہب ہوتے ہیں۔ آپ کو اس قسم کے سوال پوچھنے نہیں چاہئیں۔“

میر قافلہ۔۔۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔“ اس وقت نازنین اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے ساتھی مرد سے کہا۔ ”اب چلنا چاہئے۔“

مرد بھی کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا چلو۔ اور دونوں چشمے کے کنارے کنارے چل پڑے۔ میر قافلہ نے ان کے ساتھ چلنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ واپس لوٹے پہلے انہیں اگر یہ افسوس ہوا تھا کہ انہوں نے نازنین کا دل دکھایا تو اب یہ افسوس ہوا کہ انہیں نازنین کا نام اور اس کا مسکن معلوم نہ ہو سکے۔

وہ واپس لوٹ کر اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ وہ کچھ پریشان و مغموم تھے قافلہ میں سے کسی کو ان کے غمگین ہونے کی وجہ معلوم کرنے کی جرات نہیں ہوئی تھوڑی دیر میں انہوں نے جماعت کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔ اور ایک پتھر پر سرنگوں ہو کر بیٹھ گئے۔ اتفاق سے رہنما وہاں آگیا۔ کچھ دیر تو وہ کھڑا ان کی

کیفیت دیکھتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”عالیجاہ! طبیعت کیسی ہے؟“

میر قافلہ نے چونک کر رہنما کو دیکھا اور کہا، ”تم نے رازداری کا وعدہ کیا تھا
 فے نس ”رہنما کا نام فے نس تھا۔ وہ سخت پشیمان ہوا۔ اس نے کہا، ”معاف کیجئے
 مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔“

میر قافلہ۔۔ ایسی غلطی بعض اوقات بڑی خطرناک ہو جاتی ہے۔“
 فے نس۔۔ جانتا ہوں اب کان پکڑتا ہوں آئندہ ایسی غلطی ہرگز نہ
 کروں گا۔“

میر قافلہ۔۔ کان کھول کر سن لو کسی کو یہ نہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کون
 ہیں؟“

فے نس۔۔ ”میری زبان سے کسی کو معلوم نہ ہوگا۔“

میر قافلہ۔۔ کیا پوچھ رہے تھے تم۔۔؟“

فے نس۔۔ میں پوچھ رہا تھا نصیب دشمنان طبیعت کیسی ہے؟“

میر قافلہ۔ کیا بات معلوم ہوئی تمہیں۔“

فے نس۔ آئینہ میرے پاس نہیں ہے۔ ورنہ میں دکھاتا اور آپ خود ہی بتا دیتے
 کہ طبیعت درست نہیں ہے۔

میر قافلہ۔ ہم شکار کو گئے تھے اسلئے کچھ کسل مندی ہے۔“

فے نس۔ تب یہ سمجھئے کہ میرے بڑھاپے کا تجربہ غلط ہو رہا ہے۔

میر قافلہ۔ کیا مطلب ہے اس سے تمہارا۔

فے نس۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس وقت بہت پریشان اور غمزدہ ہیں۔“ میر

قافلہ خاموش ہو گئے فے نس نے کہا۔ کیا یہ بات نہیں ہے؟“

میر قافلہ۔ بات یہی ہے۔“

فے نس۔ کس وجہ سے غمگینی ہے۔“

میر قافلہ۔ کیا کرو گے سن کر۔“

فے نس۔ شاید میں کسی کام آسکوں۔“

میر قافلہ۔ مشکل ہے۔“

فے نس۔ امتحان کر لیجئے۔“

میر قافلہ۔ آج ہم سے ایک غلطی ہو گئی ہے فے نس۔“

فے نس۔ کیا؟“

میر قافلہ۔ ہم شکار کھیلنے قریب کی پہاڑی پر چلے گئے۔ ایک پہاڑی بکرے پر ہم
 نے تیر چلایا۔ وہ زخمی ہو کر گرا۔ اسی وقت ایک ہلکی چیخ کی آواز آئی۔ ہم دوڑے
 ہم نے دیکھا کہ بکرا پڑا تڑپ رہا ہے۔ اور اس کے پاس ہی ایک نہایت ہی
 خوبصورت لڑکی بیٹھی اسے غم بھری نظروں سے دیکھ رہی ہے۔۔۔۔۔ فے نس نے
 قطع کلام کر کے کہا۔ معاف کیجئے مجھے قطع کلام کرنا پڑا۔ کیا وہ لڑکی تنہا تھی؟“

میر قافلہ۔ نہیں اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا مرد بھی تھا۔“

فے نس۔ اچھا اب کہئے۔“

میر قافلہ۔ مجھے دیکھتے ہی اس حسین لڑکی کی روشن پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے
 بڑے ترش لہجہ میں کہا۔ تم نے اس غریب بکرے کو تیر کا نشانہ بنایا ہے۔ میر حم
 کہیں کے۔ اور وہ خفا ہو کر اٹھی اور چلی گئی۔ مجھے بڑا افسوس ہوا۔“

فے نس۔ بس اتنا ہی واقعہ پیش آیا۔“

میر قافلہ۔ نہیں۔ کچھ اور باتیں رہ گئی ہیں۔“

فے نس۔ مہربانی کر کے سب سنا ڈالئے۔“

میر قافلہ۔ میں نے بکرے کی گردن سے تیر نکالا۔ اور اسے چھوڑ دیا۔ وہ بھی اسی
 طرف روانہ ہوا۔ جس طرف نازنین گئی تھی۔ میں بھی اسکے پیچھے چل پڑا۔۔۔۔۔
 فے نس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ دیکھئے کوئی بات نہ چھوڑ دیجئے گا۔ میں
 نتیجہ پر پہنچتا جاتا ہوں۔“

میر قافلہ۔ کوئی بات نہیں چھوڑیں گے۔“

فے نس۔ سنائے۔“

میر قافلہ۔ میں اور بکرا دونوں چند قدم کے فاصلے سے آگے پیچھے رہے تھے۔“

فے نس۔ گویا بکرا بھاگا نہیں۔“

میر قافلہ۔ بالکل نہیں بڑے اطمینان اور بے خونی سے چلتا رہا۔

فے نس۔ میرا جی ایسا ہی خیال تھا۔

میر قافلہ۔ تمہارا ایسا خیال تھا..... کیوں؟“

فے نس۔ میں عرض کروں گا۔ آپ تمام واقعہ سنا دیجئے۔ میر قافلہ نے کتنا شروع کیا۔ ”تھوڑی دور چل کر ہم چشمے کے کنارے پہنچے۔ نازنین اور اسکا ساتھی دونوں وہاں بیٹھے تھے۔ نازنین منہ دھو رہی تھی۔“

فے نس۔ ضرور ایسا ہوا ہوگا۔ اچھا بکرا کہاں گیا.....؟“

میر قافلہ۔ میں نے بکرا پھر پکڑ لیا۔ اور چشمہ کے پانی سے اسکا زخم دھو کر اسے نازنین کی طرف چھوڑ دیا۔ وہ بھاگ گیا۔

فے نس۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ میں سب کچھ سمجھ گیا۔

میر قافلہ بہت حیران ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ ”تم کیا سمجھ گئے۔“

فے نس۔ ابھی عرض کروں گا۔ مگر یہ بتائیے اس میں غمگین ہونے کی کیا بات ہے۔“

میر قافلہ۔ یہ غم ہے کہ ایک نازنین کے دل کو ہم نے صدمہ پہنچایا۔“

فے نس نے قہقہہ لگایا۔ اس نے کہا غم نہ کیجئے غلطی میری ہے کہ میں نے ایک بات سے آپ کو آگاہ نہیں کیا تھا۔“

میر قافلہ کو اس کے قہقہہ لگانے سے بڑا تعجب ہوا انہوں نے کہا۔ تم ہنسے کیوں؟“

فے نس نے کہا یہ بھی مجھ سے غلطی ہوئی مجھے ہنسنا بھی نہیں چاہئے تھا۔ معاف کر دیجئے۔“

میر قافلہ۔ معاف کر دیا۔ اب بتاؤ تم سے کیا غلطی ہوئی۔“

فے نس۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اس علاقہ کا چپہ چپہ عجوبہ روزگار ہے۔ یہاں قدم قدم پر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔“

میر قافلہ۔ تم کیا کہہ رہے ہو۔“

فے نس۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ اس پہاڑ پر حسین ساحرہ کثرت سے رہتی ہیں انہیں پہاڑی جادوگریاں کہتے ہیں۔ جو بوڑھی بد صورت اور خوفناک شکل والی ہوتی ہیں۔ وہ تنہا ملتی ہیں۔ اور جو حسین و نوجوان ہوتی ہیں وہ کسی مرد کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ وہ بکرا بھی ان کا ساتھی ہی تھا۔“

میر قافلہ کو بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا۔ ”تم کیا کہہ رہے ہو؟“

فے نس۔ میں سچ عرض کر رہا ہوں۔ یہاں کے تمام لوگ ان جادوگریوں کو جانتے ہیں اور انہیں دیکھتے ہی سمجھ جاتے ہیں۔“

میر قافلہ۔ میں کیسے کہہ دوں۔ اس نے مجھ سے باتیں کیں۔“

فے نس۔ وہ موہنی صورت والی ہوتی ہیں۔ اور بڑی شیریں بیان۔ لوگ ان پر دیوانے ہو جاتے ہیں۔ اور آخر اپنی جان کھودیتے ہیں۔“

میر قافلہ۔ عجیب بات کہہ رہے ہو۔“

فے نس۔ میں سچ عرض کر رہا ہوں اس جزیرہ سسلی میں ایک دلربا جادوگرنی سر سے گزری ہے۔ اور اکثر حسین عورتوں کی شکل میں وہی نظر آتی ہے۔ وہ بے حد حسین تھی۔ آپ اس کا خیال مطلق نہ کریں۔“

میر قافلہ بڑے حیران ہوئے ان کی عقل اس بات کو قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ انہوں نے فے نس سے پوچھا۔ سر سے جادوگرنی اس جزیرہ میں کب تھی؟“

فے نس۔ بہت عرصہ گزرا..... سینکڑوں برس ہوئے۔“

میر قافلہ۔ کیا وہ مری نہیں تھی.....؟“

فے نس۔ نہیں وہ غائب ہو گئی تھی۔“

میر قافلہ۔ میں نہیں مانتا۔ کہ وہ اب تک زندہ ہو اور ایسی حسین بھی ہو۔“

فے نس۔ میں اس کے کچھ حالات عرض کرتا ہوں۔“

اس وقت مغرب کی اذان ہوئی۔ میر قافلہ نے کہا۔ نماز پڑھ لیں پہلے۔ پھر سنانا اور وہ نماز پڑھنے کیلئے روانہ ہوئے۔

نس کی بیٹی ہے۔ یہ حسین ساحر ہے۔ اس کی پوجا کرتے ہیں۔
میر قافلہ نے کہا۔ تم کسی کو خدا سمجھتے ہو۔ کسی کو دیوی اور کسی کو دیوتا اور

ان سب کو ہی پوجتے ہو کیا یہ درست ہے؟
فے نس۔ کیوں نہیں حضور۔ اگر ہم ان میں سے کسی کو نہ پوچھیں تو وہ خفا ہو
کر ہمیں لمبی بیماری میں مبتلا کر دے یا مار ڈالے۔

میر قافلہ۔ مگر ہم مسلمان تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں پوجتے تو ہمیں یہ
تمہارے دیوی دیوتا کیوں نقصان نہیں پہنچاتے؟ فے نس لاجواب سا ہو گیا۔
اس نے کہا۔

”اس چکر میں میں بھی ہوں۔ اس جزیرے میں مسلمانوں سے پہلے عیسائی
آئے ہیں اور عیسائی بھی ہمارے دیوی دیوتاؤں کو نہیں پوجتے مگر انہیں بھی یہ
ہمارے خدا کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔۔۔؟“

میر قافلہ۔ حقیقت اگر پوچھو تو یہ ہے کہ خدا ایک ہے اسی نے تمام دنیا دنیا کے
دیوی دیوتاؤں بنی اور پیغمبروں کو پیدا کیا ہے۔ پوجا اور عبادت اسی کی کرنی
چاہئے۔ جو مر گئے ان کی پوجا کیا وہ تو فنا ہونے والے تھے ہی اور جو فنا ہو جائے
وہ خدا نہیں۔

خدا وہ ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جو پیدا کرتا ہے اور موت دیتا
ہے ہمارے محترم بنی فخر آدم۔ حضرت محمد الرسول اللہ صلعم پر خدا کا کلام نازل
ہوا ہے۔ اس کا نام قرآن شریف ہے۔ اس میں خدا فرماتا ہے۔

ان الله لخلق الحب والنوى بخرج الحي من الميت و مخرج الميت من الحي
ذالكم الله لئن توع لكونكم (انعام)

ترجمہ۔ یعنی اللہ دانوں اور گھلیوں کا پھاڑنے والا ہے (دانے) اور گھلیاں
پھنکران سے پودے نکلتے ہیں (زندہ کو موت دے سکتا ہے اور مردہ کو زندہ کر سکتا
ہے۔) یہی اللہ ہے۔ کہاں سے پھرے جاتے ہو۔ یعنی موت اور زندگی اس کے
قبضہ میں ہے۔ وہ زندہ کو موت دے سکتا ہے اور مردے کو زندہ کر سکتا ہے۔

دانوں اور گھلیوں کو پھاڑ کر پودے بنا دیتا ہے اور پھر پودے بڑے ہو کر
پھول اور پھل دیتے ہیں۔

نماز پڑھ کر سب نے کھانا کھایا۔ اور کھانا کھا کر میر قافلہ نے سوچنا شروع کیا۔
کیا جس نازنین کو آج میں نے دیکھا وہ سر سے جادوگرنی ہے؟۔ سینکڑوں برس کی
بوڑھی عورت جس کی بابت فے نس کا خیال ہے کہ مری نہیں غائب ہو گئی
ہے۔ ”کچھ دیر تک وہ غور کرتے رہے انکی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ سحر کے
زور سے وہ اس وقت تک زندہ رہی ہو۔ اور پھر اس کا حسن اور شباب دونوں
قائم ہوں ان کا دل اس بات کے ماننے کیلئے تیار نہیں تھا۔ کہ جس دوشیزہ کو
انہوں نے دیکھا ہے وہ جادوگرنی تھی انکے خیال میں اس نازنین کی عمر سترہ اٹھارہ
سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ سینکڑوں برس کی سر سے جادوگرنی نہیں ہو سکتی۔
انہیں افسوس آیا کہ اگر وہ وہاں رک گئے تو فے نس کی بیٹی روزلیا قربان کر دی
جائے گی۔ انہوں نے طے کیا کہ وہ واپسی میں اس پہاڑ پر ٹھہر کر اس نازنین کو
تلاش کریں گے انہوں نے سر سے جادوگرنی کے حالات معلوم کرنے کے لئے
فے نس کو بلوایا۔ جب وہ آگیا اور سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گیا تو اس نے کہا۔
کیا حکم ہے سرکار۔“

میر قافلہ نے کہا تمہاری باتوں نے ہمیں عجب الجھن میں ڈال دیا ہے۔“
فے نس۔ آپ اس لئے الجھن محسوس کر رہے ہیں۔ کہ جزیرہ سسلی کے اس
علاقے کے حالات آپ کو معلوم نہیں ہیں۔ یہ خطہ سحر اور جادو کا گڑھ ہے اس
خطہ میں جو یونانی اور رومی آباد ہیں وہ سحر اور جادو جانتے ہیں۔ اس جزیرے کی
یہ پرانی قومیں ہیں اور یہ قومیں دیوی اور دیوتاؤں کو پوجتی ہیں۔ میں بھی یونانی
ہوں اور ان دیوی دیوتاؤں کو میں بھی پوجتا ہوں۔ ہم سب سے بڑا دیوتا آئے
نس کو جو عقل کل کہلاتا ہے مانتے ہیں۔ مشتری نبوتن سمندر کا سیارہ ہے۔ اسے
خدا کہتے ہیں۔ جو ’نو‘ مشتری نبوتن کا بیٹا ہے۔ وہ بھی ہمارا دیوتا ہے۔ پلوٹو بھی
ایک دیوتا ہے۔ وہ سیریس دیوی کی بیٹی کو بھگالے گیا تھا۔

سورج دیوتا کو بھی ہم پوجتے ہیں۔ سیریس دیوی مشتری نبوتن کی بیٹی ہے۔
اس کی بڑی قوت ہے اس کی پوجا لازمی کرتے ہیں۔ ”سرے“ عقل کل آئے

اللہ! یہ ہے۔ اس سے انکار کیوں کرتے ہو۔“

فے نس۔ کیا آپ اپنے مذہب کے مبلغ ہیں۔

میر قافلہ۔ ہر مسلمان مبلغ ہے۔ ہم سپاہی بھی ہیں۔ مجاہد بھی ہیں عالم بھی ہیں

اور مبلغ بھی ہیں فرمانروا بھی ہیں اور رہنما بھی ہیں۔“

فے نس۔ درست ہے اسی لئے۔

میر قافلہ۔ ہمارے مذہب میں توحید ہے۔ خدا پرستی ہے۔ ہم خدا کی عبادت

کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں ساری دنیا مسلمان ہو کر توحید کے دامن میں آجائے۔

چونکہ اسلام میں صداقت ہے روحانیت ہے اور توحید ہے۔ اس لئے یہ مذہب

ترقی کر رہا ہے۔“

فے نس۔ ”یہی بات ہو گی۔“

میر قافلہ۔ ”تم نے سر سے جادو گرنی“ کے حالات سنانے کا وعدہ کیا تھا۔

فے نس۔ ”جی ہاں وہ میں عرض کرتا ہوں۔ ہماری قوم میں کسی کو یہ جرات

نہیں ہے کہ ”سر سے“ سے پہلے دلربا کا لفظ استعمال نہ کریں۔ وہ ”دلربا سر

سے“ جادو گرنی کہلاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہایت نازک اندام دلربا اور

حسین مہ جبین نازنین تھی۔ چونکہ وہ عقل کل آئے لٹ کی بیٹی تھی اس لئے

بڑی سمجھ دار ہوشیار اور چالاک تھی۔ اس نے اپنے باپ سے جادو سیکھا تھا۔

اس کا قیام اسی حلقہ کے ایریا میں تھا۔ اس کا محل نہایت شاندار تھا۔ وہ

شاہزادیوں سے زیادہ شان کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ ایسی حسین تھی کہ جو اسے

ایک نظر دیکھ لیتا تھا وہی اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور اس پر فریفتہ ہو جاتا تھا

اس کے محل کے قریب ہی رہنے لگتا تھا۔ جب اس کے چاہنے والوں کی تعداد

زیادہ بڑھ گئی تو اس نے جادو کے اور دواؤں کے اثر سے شیر اور بھیڑیے بنا دیا۔

اس کا ایک متوالا اے سس تھا۔ اس کے ساتھ بائیس آدمی تھے۔ اے سس

اور اس کے ساتھی بھی اس پر مفتون ہو گئے اس نے ان پر جادو شروع کر دیا اور

انہیں بھی مسخ کرنا چاہا تو اے سس سمجھ گیا۔ وہ بھاگ کر مرغ (سیارہ) کے پاس

پہنچا اور اس سے ایسے منتر اور دوائیں سیکھ کر آیا جن سے ان پر جادو کا اثر نہ

ہو اور دلربا سر سے اس پر مہربان ہو جائے۔ اس عرصہ میں دلربا سر سے نے

اے سس کے بائیس ہمراہیوں کو سور بنا دیا تھا جب اے سس واپس آیا تو دلربا

سر سے اس پر مہربان ہو گئی۔ اس کے ساتھیوں کو سور سے پھر انسان بنا دیا اور

ایک سال تک اے سس کو اپنے پاس رکھا۔ اس کی ایک لڑکی رقیب ہو گئی تھی

اس نے ایک روز اس حوض میں جس میں وہ نہایا کرتی تھی۔ ایک دوا ڈال کر پانی

بھروا دیا اور اپنی رقیب کو اس میں دھکا دے دیا ساتھ ہی اس نے اس پر جادو کرنا

شروع کر دیا۔ چند ہی لمحہ میں اس کی رقیب ساپن بن گئی۔

میر قافلہ۔ ”کیا تم ان باتوں پر یقین رکھتے ہو۔“

فے نس۔ اگر یقین نہ کریں تو ہمیں بھی گدھا سور شیر بھیڑیا بنا دے اب بھی

اس میں یہ طاقت ہے۔“

میر قافلہ۔ ”اچھا پھر کیا ہوا؟“

فے نس۔ ”ایک عرصہ دراز تک وہ جادو کرتی رہی۔ ایک روز اس نے کہا۔

”اب میں غسل کروں گی۔ میری جوانی پر بڑھاپا چھانے لگا ہے مجھے چو بدلنا ہے۔

چنانچہ آگ روشن کی گئی۔ اس نے خود جادو سے آگ پیدا کی لوگوں کا اثر دھام

جمع ہو گیا۔ جب شعلے بھڑکنے لگے تب دلربا سر سے اس آگ میں کود پڑی لوگ

دیکھ رہے تھے اور افسوس کر رہے تھے کہ ایک نازنین اور حسین مہ جمال جلنے

والی ہے۔ مجمع نے دیکھا کہ وہ مست شباب آگ سے پکھلنے لگی اس کی کھال چڑ

گئی ہڈیاں پچک گئیں گوشت اور چربی گھل گئی۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئیں

رخساروں کی ہڈیاں باہر کو نکل آئیں۔ اس کی صورت نہایت مہیب اور خوفناک

ہو گئی۔ بہت سے لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دلربا سر سے

آگ میں نہاتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں پھولنے لگیں ہڈیوں پر گوشت

اور چربی چڑھنے لگی۔ کھال کی تہہ بھنے لگی۔ رخسارے پر گوشت ہو گئے اور

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ دلفریب اور دلکش ہو گئی۔ وہ آگ

میں سے باہر نکل آئی اور اس نے اس حوض میں غوطہ لگایا جس میں وہ روزانہ نہایا

کرتی تھی دیر تک غائب رہی جب باہر نکلی تو اور بھی دلربا معلوم ہونے لگی۔ اس

کا حسن ایسا بے پناہ ہو گیا کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنا مشکل ہو گیا۔ اسے

دیکھتے ہی تمام مجمع اس کے سامنے سجدہ میں گر گیا اور اس کی تعریفیں کرنا شروع کر

اس نے اشارہ کیا اور سب لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دلربا سر سے نے کہا۔۔۔ اے مردو! اور عورتو! تم نے اس آگ سے فائدہ نہ اٹھایا یہ آگ نہ تھی میرے بھائی سورج کی تجلی تھی اس تجلی کا یہ خاصہ ہے کہ جو مرد یا عورت اس آگ میں نہالے وہ زیادہ سے زیادہ حسین ہو جائے اور ہمیشہ زندہ رہے میں سو برس کے بعد اس آگ میں نہائی ہوں اب سو برس تک میرا حسن اور میرا شباب باقی رہیں گے پھر سو برس کے بعد میں اس آگ میں نہاؤں گی میں اپنے باپ اور بھائیوں کی طرح امر ہوں مروں گی نہیں اب تک میں تمہارے سامنے تھی اب میرا مسکن پہاڑ ہوں گے۔ میں پہاڑوں پر رہوں گی۔ تم لوگ میرا جمال دیکھ کر قابو میں نہیں رہ سکو گے اس لئے میں تم سے الگ ہو جاؤں گی۔۔۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئی اور اب وہ پہاڑوں میں دیکھی جاتی ہے۔ ”فے نس سے دلربا سر سے کے حالات سن کر میرا قافلہ بہت حیران ہوئے اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

۴

میرا قافلہ نے کہا ”دلربا سر سے کے جو حالات تم نے بیان کئے وہ میری سمجھ میں نہیں آئے۔“

فے نس:- ”اس میں سمجھ میں آنے کی کیا بات ہے۔ اس علاقہ میں بننے والے تمام مرد اور خواتین دلربا سر سے کے یہ حالات جانتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو اپنے پرانے مذہب پر قائم ہیں اور وہ بھی جو عیسائی ہو گئے ہیں۔“

میرا قافلہ:- ”یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عورت آگ میں جل کر اور خوشحال ہو جائے۔“

فے نس:- ”وہ آگ نہیں تھی سورج کی تجلی تھی۔ اس میں دلربا سر سے جل نہیں سکتی تھی۔ وہ جلی نہیں۔ اس نے اس تجلی میں اگلے غسل کیا کہ اس پر بڑھاپا غالب آنے لگا تھا۔ وہ اس میں نہا کر پھر جوان ہو گئی۔“

میرا قافلہ:- ”یہ کیسے ممکن ہے؟“

فے نس:- ”سورج دیوتا میں بڑی قوت ہے۔ وہ ہر سو سال کے بعد اپنی بہن کو جوان اور پہلے سے زیادہ حسین بنا دیتے ہیں۔ تھوڑے ہی عرصہ کا ذکر ہے کہ جب آئو قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے ملا تھا۔ اس نے عجیب و غریب حالات بیان کئے تھے۔“

میرا قافلہ:- ”یاد ہیں تمہیں وہ حالات۔۔۔۔۔۔“

فے نس:- ”جی ہاں۔ میں عرض کرتا ہوں۔“

اس نے بیان کرنا شروع کیا۔۔۔ اس شخص کا نام ارشمیدس تھا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ مجھ پر بڑا مہربان تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ معہ اپنے قبیلہ کے پہاڑ پر مقیم تھا۔ اس قبیلہ کا ارادہ سیریس دیوی کی زیارت کرنے کا تھا۔۔۔۔۔ ایک روز صبح کے وقت جب قافلہ کے لوگ کوچ کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک دلربا سر سے نمودار ہوئی۔ وہ بہت زیادہ حسین تھی۔ اس کے ساتھ ایک پہاڑی بکرا تھا اور ایک ادھیڑ عمر کا شخص دلربا سر سے کے قریب بیٹھا تھا۔ دلربا سر سے کچھ تھکی ہوئی معلوم ہوتی تھی وہ ایک پتھر پر شاہزادیوں کی طرح بیٹھ گئی۔ ارشمیدس اور اس کے قبیلہ کے تمام مردوزن اس حوش کو غنکلی لگا کر دیکھنے لگے۔ ارشمیدس دلربا سر سے کے قریب تھا وہ کہتا ہے کہ میں اس دلربا کو دیکھ کر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بے تحاشا سے دیکھنے لگا۔ دلربا کے حسین ہونٹوں پر تبسم تھا وہ اپنی آنکھوں سے جادو کر رہی تھی۔ بکرا اس کے پیروں میں بیٹھا تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد دلربا سر سے نے ارشمیدس سے کہا۔ ”نوجوان ہوش میں آؤ۔“ اس وقت جب ارشمیدس نے دلربا سر سے کو دیکھا تو وہ جوان تھا وہ چونک پڑا اور دلربا کے سامنے جا کر سجدہ ریز ہو گیا۔ دلربا مسکرائی اس نے کہا یہ تمہارے قبیلہ کی کیا حالت ہو گئی ہے۔“

ارشمیدس نے کہا ہماری جو حالت ہو گئی ہے وہ تم پر ظاہر ہے ہم اپنے حوش و حواس کھو بیٹھے ہیں۔“

دلربا سر سے:- اسی لئے جزیرہ والوں سے الگ ہو کر پہاڑ پر آ گئی ہوں میرا بھائی سورج دیوتا مجھے ہر سو سال کے بعد پہلے سے زیادہ حسین اور خوشحال بنا دیتا

دلربا سر سے نے پھر کہا۔ ”میں اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر سے آئی ہوں۔ پانی فیمس سائیکلوپ وہاں مل گیا تھا۔ وہ غالباً میری تلاش میں گیا تھا مجھے دیکھتے ہی آغوش پھیلا کر میری طرف جھپٹا۔ جب میرے قریب آیا تو میں نے اسے ڈانٹا۔ مگر وہ نہ مانا اس نے مجھے دلوچ لیا۔ میں بے بس ہو گئی میں نے اس پر جادو شروع کیا تو اسکی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں لمبکی آغوش سے نکل آئی مجھے غصہ آرہا تھا میں نے اسکو تھپڑ کھینچ مارا اور وہ دانت پیس کر رہ گیا۔ میں وہاں سے بھاگ کر آ رہی ہوں اسلئے تھک گئی ہوں۔ آج میں نے غسل نہ کیا تو بڑھاپا ایک دم

ہے۔ پہلے میں خوش ہوتی تھی کیونکہ مجھے حسن پسند تھا۔ اور میں دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت تھی۔ لیکن اب۔۔۔ اب میرا حسن میرے لئے وبال جان ہو گیا ہے۔ پانی فیمس سائیکلوپ میرے پیچھے لگ گیا ہے۔۔۔ وہ اس قدر کہہ کر خاموش ہو گئی اور ارشمیدس کو تنکنے لگی پھر کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ میں تم سے یہ باتیں اسلئے کہہ رہی ہوں تاکہ تم اس جزیرہ کے لوگوں کو یہ حالات سناؤ۔ اس جزیرہ میں ایک زبردست انقلاب آنے والا ہے اس انقلاب کی نظریہ سارا جزیرہ اور اس جزیرہ کی ہر چیز ہو جائیگی۔ اگر پانی فیمس سائیکلوپ نے جو کاٹا ہے اور جس کے ماتھے پر صرف ایک آنکھ ہے میرا پیچھا نہ چھوڑا تو مجھے پرس سے شکایت کرنی پڑے گی۔ تم جانتے ہو کہ پرس میری بہن ہے اور سمندر نے اسے بیٹی بنا رکھا ہے وہ سمندر سے کہے گی میں عقل کل آئے ٹس اپنے باپ اور اپنے بھائی سورج سے بھی شکایت کروں گی۔ یہ تینوں (آئے ٹس سورج اور سمندر) پانی فیمس سائیکلوپ کے خلاف برسرِ جنگ ہو جائیں گے۔ اسے یعنی پانی فیمس کو یہ زعم ہے کہ وہ آرام و آسائش کا دیوتا ہے۔ وہ ٹی ٹن نسل سے ہے اور اس نے کرسونوس کو آسمانی بادشاہت حاصل کرنے میں مدد دی ہے۔ کرسونوس اسکی مدد کرے گا۔ اگر واقعی کرسونوس نے اسکی مدد کی تو آئے ٹس (عقل کل) سورج اور سمندر تینوں ہی اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں گے۔ ان کی لڑائی کا اثر اس جزیرہ پر پڑیگا اور یہ جزیرہ تباہ ہو جائے گا مجھے اس جزیرہ سے محبت ہے میں نہیں چاہتی کہ یہ جزیرہ جو میرا وطن ہے جہاں میں پیدا ہوئی تباہ ہو جائے۔

اس لئے لوگوں سے کہند کہ وہ سیریس دیوی سے عرض کریں کہ وہ اپنے باپ

ایمبس یونانی خرافات الامنام میں ایک وحشی قوم سے تعلق رکھتا ہے یہ اور اس کا قبیلہ بڑا قوی ہیکل تھا۔
ایمبس کے دو بھائی اور تھے یہ تینوں بھائی یورے نس اور گیا کے بیٹے تھے کہتے ہیں یہ تینوں کانے تھے ان
تھوں پر ایک ایک آنکھ تھی۔ یہ نی ن نسل سے تھے ان کے باپ یورے نس اور گیا نے انہیں دریا میں
دیا تھا۔ ان کی ماں نے انہیں بچا لیا تھا وہ تینوں بڑے شد زور تھے۔ انہوں نے کروئوس کو آسانی
میں حاصل کرنے میں مدد دی تھی۔ پانی ایمبس آرام و اساکش کا دیوتا تھا۔ جزیرہ سسلی کے یونانی اس کی
پستل کرتے تھے از تاریخ اخبار اندلس پر بھی یہ دلربا سر سے کی بہن تھی۔ اسے سمندر نے اپنی بیٹی بنالیا
بھی خاصی خوبصورت تھی یونانی اس کے اہلیت کی بھی پوجا کرتے تھے

مجھ پر جھپٹا مارے گا اور پھر میں جس قدر خوبصورت اور خوشحال ہوں اس سے زیادہ کرمہ المنظر اور بد صورت ہو جاؤں گی۔" کچھ وقفہ کے بعد دلربا سر سے نے کہا میں اس وادی میں اسلئے غسل کرنے آئی ہوں کہ یہ جگہ سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور خوش منظر ہے۔ مجھے تمہارے قبیلہ کے یہاں ہونے کا گمان بھی نہ تھا۔

دلربا سر سے نے جادو جگانا شروع کیا وہ زیر لب کچھ پڑھتی رہی۔ دفعتاً پتھروں سے آگ کے شعلے پھوٹ نکلے مگر ان شعلوں میں آگ کی سی سرخی نہیں تھی۔ سفید شعلے تھے دلربا سر سے ان شعلوں میں پھلانگ گئی۔ وہ غسل کرنے لگی شعلے اسکے ہاتھوں میں آجاتے تھے۔ وہ انہیں اپنے جسم پر اس طرح ملتی تھی جیسے ہم پانی ملتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دلربا سر سے کا جسم سمٹنے لگا۔ اس کے سارے بدن اور چہرہ پر جھریاں پڑ گئیں۔ کھال کی موٹی موٹی سلوٹیں ہو گئیں اس کے خوبصورت دانت جھڑ گئے وہ پوپلی ہو گئی آنکھیں دھنس گئیں۔ چہرہ بھدا ہو گیا۔ اور بہت ہی بد صورت و بدنما ہو گئی۔ ارشمیدس کتنا تھا کہ وہ اسکی خوفناک صورت دیکھ کر ڈر گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ وقفہ کے بعد کھولیں۔ آگ پہلے سے زیادہ تیز تر ہو گئی تھی۔ سر سے نہار ہی تھی تھوڑی دیر میں اسکے جسم پر گوشت چڑھنے لگا۔ جھریاں اور سلوٹیں دور ہونے لگیں خوبصورت دانت نکل آئے۔ آنکھیں دلفریب ہو گئیں اور وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین و مہ جبین بن گئی۔ وہ آگ میں سے نکل آئی اب ایسی شعلہ رو ہو گئی تھی کہ اسکی طرف دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے پھر جادو جگایا پھر کچھ زیر لب پڑھا۔ ایک چٹان شق ہو گئی اور اس میں ایک حوض بن گیا اس حوض میں دودھ جیسا پانی بھر گیا۔ دلربا سر سے نے اس حوض میں غوطہ لگایا اب وہ غسل کرنے لگی۔ اس عرصہ میں بکرا اور ادھیڑ عمر کا ساتھی آگ میں کود گئے انکی کھالیں بھی چڑ گئیں اور تھوڑی دیر میں وہ اپنی اصلی حالت پر آگئے۔ اب دلربا سر سے حوض میں سے نکل آئی اسکی صورت اور بھی دلفریب ہو گئی تھی۔ اسکے سامنے بکرا اور ادھیڑ عمر کا آدمی آگ میں سے نکلے۔ وہ مسکرائی اور اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر چلی گئی۔ ارشمیدس نے مجھے بتایا کہ اس دلربا سر سے کا پیغام بہت سے قبیلوں تک

پہنچادیا لوگوں نے سیریس دیوی سے عرض معروض کیا غالباً دیوی نے مداخلت کی۔ اور معاملہ طے ہو گیا۔ کیونکہ اس جزیرہ پر تباہی نہیں آئی۔

میر قافلہ حیرت سے ان باتوں کو سن رہے تھے۔ فے نس نے کہا آپ نے آج دلربا سر سے اس کے بکرے اور اس کے ساتھی کو دیکھا ہے اس کا خیال دل سے نکال ڈالئے۔ میر قافلہ کچھ تذبذب میں پڑ گئے۔ ان کی عقل ان باتوں کو باور نہیں کرتی تھی۔ اس وقت عشاء کی اذان ہوئی۔ اور وہ نماز پڑھنے چلے گئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر اپنے خیمے پر جا کر آرام کرنے لگے۔

میر قافلہ سو گئے۔ مگر انہیں خواب میں کئی مرتبہ وہ نازنین نظر آئی جیسے کہ انہوں نے دیکھا جس کے ساتھ بکرا اور ادھیڑ عمر کا آدمی دونوں تھے۔ ان کی آنکھ کھل گئی۔ انہیں فے نس کی اس داستان کا خیال آگیا۔ جو اس نے دلربا سر سے کی سنائی تھی۔ آج پہلا روز تھا کہ انہوں نے اس حسین ساحرہ کے حالات سنے تھے مگر وہ اس داستان کو سچ باور نہیں کرتے تھے۔ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ جزیرہ سسلی کے باشندے بڑے ضعیف الاعتقاد ہیں۔ وہ بے شمار دیویوں اور دیوتاؤں کو پوجتے ہیں۔ ان دیوی دیوتاؤں کے متعلق عجیب و غریب قصے اور کہانیاں مشہور ہیں۔ انہوں نے جس نازنین کو دیکھا تھا اسے دلربا سر سے جادوگرنی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے مگر فے نس کو بھی جانتے تھے کہ وہ جھوٹا آدمی نہیں ہے۔ اگر انہیں فے نس اس نازنین کے ملنے سے پہلے یہ قصے سنا دیتا تو وہ ضرور اس سے باتیں کرتے اور یہ معلوم کر لیتے کہ وہ کون ہے۔۔۔؟" انہوں نے سوچا اگر وہ واقعی کوہ و صحرا میں پھرنے والی جادوگرنی ہے تو اسے یہ معلوم ہو گا کہ وہ یعنی امیر قافلہ کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانے کا قصد ہے مگر اب ان باتوں کے سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ انہوں نے کروٹیں لیتے ہی لیتے بقیہ رات گزار دی۔ جب سپیدہ سحر نمودار ہوا تو ایک شخص نے اذان دی۔ وہ اٹھے ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی نماز پڑھ کر انہوں نے اپنے

مراہیوں سے کہا۔ فاصلہ زیادہ ہے اور وقت بہت کم ہے اس لئے آج تمام دن سفر جاری رہے گا کھانا تیار کر کے ہمراہ لیلو۔ راستہ میں کسی مقام پر کھا لینا۔“
لوگوں نے کھانا تیار کرنا شروع کیا امیر قافلہ شکار کے ارادہ سے چلے فے نس انہیں راستے میں ملا۔ اس نے کہا۔ آقا آپ تما شکار کھیلنے نہ جائیے۔“
امیر قافلہ نے کہا۔ تم اندیشہ نہ کرو ہم بہت جلد واپس آجائیں گے۔
فے نس۔ میں نے عرض کیا کہ اس جزیرے میں بہت کچھ عجائبات ہیں۔ عجیب الخلق اور خوفناک جانور ہیں۔ دلربا سر سے اور اس کی بہن پرس گھومتی رہتی ہیں۔ دلربا سر سے اگرچہ جادوگرئی ہے لیکن وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتی مگر پرس اس سے خدا محفوظ رکھے۔ اگر آپ شکار کھیلنا ہی جانا چاہتے ہیں تو چلے میں ساتھ چلوں۔“

میر قافلہ۔ اگر تم اس لئے چلتے ہو کہ ہمیں اپنے ملک کی جادوگریوں سے بچاؤ تو بالکل نہ جاؤ کیونکہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان ایسی خرافاتوں کو نہیں مانتے اور جنہیں ہم نہیں مانتے وہ ہمیں نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے اور اگر تم شکار کی سیر دیکھنا چاہتے ہو تو ضرور چلو۔“

فے نس۔ چلے شکار کی سیر ہی کروں گا۔“ دونوں چل پڑے۔ چلتے چلتے فے نس نے کہا۔ ابھی کوئی سال بھر کا عرصہ گزرا جب ایک شخص ہے ملکار نامی اس پہاڑ سے گزرا وہ فوج میں سپہ سالار رہ چکا تھا۔ اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا۔ شکار کا بڑا دھنی تھا اس کے ساتھ کئی طور بھی تھے اسے پہاڑ کا یہ حصہ کچھ زیادہ بھلا اور دلچسپ معلوم ہوا اس نے یہاں قیام کر دیا وہ اپنے ساتھ دو چار آدمیوں کو لے کر شکار کھیلنے جایا کرتا تھا مگر ایک روز دلیری کے زعم میں تنہا روانہ ہو گیا۔ گھومتا پھرتا ایک چٹان پر چڑھ گیا وہاں اس نے ایک نہایت ہی مہیب شکل کا جانور دیکھا اس نے کبھی ایسا خوفناک جانور نہ دیکھا تھا ہاتھی کے برابر بڑا تھا ہاتھی ہی جیسے ہاتھ پاؤں تھے لیکن گردن سر اور چہرہ رچھ کا سا تھا اس کی دم اتنی بڑی تھی کہ اس نے اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اس کا گچھا اپنے سر پر ڈال رکھا تھا ہے ملکار اس جانور کو دیکھ کر کچھ ڈر گیا۔ جانور نے اسے دیکھا اس نے یعنی ہے ملکار نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی جھڑنے لگیں۔ وہ

نہایت تیزی سے میری طرف چھپنا میں نے اس کے تیر کھینچ مارا تیر اس کے جسم سے ایسا اچٹ گیا جیسے کسی دھات پر پڑا ہو ہے ملکار کے ہوش خطا ہو گئے وہ بھاگ پڑا جانور اس کے پیچھے دوڑا ہے ملکار ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ جانور قریب آ گیا ہے ملکار نے سمجھ لیا کہ اس کی موت آگئی جانور اسے کچل ڈالے گا اس نے آنکھیں بند کر لیں یا موت کے خوف سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں ڈرتے ڈرتے اس نے جب آنکھ کھولی تو جانور اس کے اوپر تھا وہ لمبی لمبی ڈگیں رکھتا چلا آ رہا تھا ہے ملکار اس کے پیروں کے بیچ میں آ گیا جانور اپنے زور میں نکلا چلا گیا ہے ملکار بیچ گیا اسے کوئی گزند بھی نہیں پہنچا وہ جلدی سے اٹھ کر ایک چھوٹی چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔

میر قافلہ نے کہا۔ شاید وہ کرگدن ہو گا۔“

فے نس۔ ”اس جانور کا نام کوئی نہیں جانتا۔ سنا یہ ہے کہ جب اس پر کوئی ملہ کرتا ہے تو وہ غضبناک ہو جاتا ہے اور جھپٹ کر حملہ آور کو مار ڈالتا ہے۔ اس پر کوئی حربہ اثر نہیں کرتا۔“

میر قافلہ۔ ”ہو سکتا ہے کہ ایسا کوئی جانور ہو۔“

فے نس۔ ”عجیب بات یہ ہے کہ اتنا بھاری بھر کم ہوتے ہوئے وہ بڑا سبک رفتار ہے گھوڑے سوار کو مشکل ہی سے بیچ کر جانے دیتا ہے۔“

میر قافلہ۔ یہ بھی کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ راستہ ناہموار ہوتا ہے۔ گھوڑا تیز نہیں دوڑ سکتا۔“

فے نس۔ ”یہ بات نہیں ہے۔“

میر قافلہ۔ ”اور کیا بات ہے؟“

فے نس۔ ”وہ جانور پرس کی سواری میں رہتا ہے۔ جس جگہ وہ جانور ملے سمجھ لیجئے کہ پرس کہیں قریب ہی ہے۔“

میر قافلہ۔ کون پرس؟ کیا دلربا سر سے کی بہن.....؟“

فے نس۔ یہ بات میں نے سنی تو پہلے بھی تھی۔ لیکن ہے ملکار نے اس کی تصدیق کی۔“

میر قافلہ۔ کیا ہے ملکار سے پرس ملی تھی۔“

سے ایک شخص نے جواب دیا۔ ”ہم نے دلربا سر سے کو دیکھا ہے۔“

فے نس :- ”کہاں دیکھا ہے....؟“

وہی شخص :- ”یہاں سے قریب ہی ایک چٹان پر۔“

فے نس :- ”کیا تنہا تھی وہ؟“

وہی شخص :- ”نہیں اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔“

فے نس :- ”اور بکرا.....؟“

وہی شخص :- ”ہم نے بکرا نہیں دیکھا۔“

فے نس :- ”اگر بکرا اس کے ساتھ نہیں تھا تب وہ دلربا سر سے نہیں ہو سکتی۔“

وہی شخص :- ”ضرور دلربا سر سے تھی۔ ایسی حسین لڑکی آج تک میری نظروں

سے نہیں گزری۔ ایک وہی ایسی لڑکی ہے جو ہر سو برس کے بعد سورج دیوتا کی

مہربانی سے پہلے سے بھی زیادہ حسین اور مست شباب ہو جاتی ہے۔“

فے نس :- ”مگر تم ڈر کر کیوں بھاگے....؟“

وہی شخص :- ”اس کے ساتھ مرد نے ہمیں ڈرا دیا۔ اگر ہم چلے نہ آتے تو وہ

ضرور ہمیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتے۔“

فے نس :- ”اچھا تم جاؤ۔“

اور وہ لوگ چلے گئے۔ اب فے نس نے میر قافلہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

کوچ کا وقت ہو گیا ہے۔ سرکار اب واپس چلے۔“

میر قافلہ :- ”مگر میں دلربا سر سے کو ضرور دیکھوں گا۔“

فے نس نے خوفزدہ ہو کر کہا۔ ”نہیں میرے آقا! ایسا ارادہ نہ کیجئے۔“ وہ

آپ سے خفا ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ بکرے کو تکلیف پہنچائی ہے۔ کہیں

آپ کو دیکھ کر اسے غصہ نہ آجائے۔ چلے واپس چلے۔“

میر قافلہ کچھ سوچنے لگے فے نس نے کہا۔ ”میرے حضور میری رُکی کی جان

خطرہ میں ہے۔ اگر ہم وقت پر نہ پہنچے تو وہ قربان کر دی جائیگی۔“ میر قافلہ نے

کہا اچھا چلو۔ اور دونوں اس جگہ سے لوٹ آئے۔ راستہ میں انہیں وہ چھوٹا

قافلہ ملا۔ جو دلربا سر سے کے خوف سے بھاگا جا رہا تھا۔ وہ ایک درہ میں داخل ہو

کر غائب ہو گیا اور یہ دونوں اب اپنے قافلے کی طرف تشریف لے رہے۔

فے نس۔ جی ہاں۔ ہے ملکار نے اپنا باقی حال مجھے اس طرح بتایا کہ جب وہ ایک چھوٹی چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔ تو اس نے دلفریب قہقہہ کی آواز سنی۔ آواز زنانہ تھی۔ وہ سخت متعجب ہوا اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے چند ہی قدم کے فاصلہ پر ایک نازنین کھڑی نظر آئی وہ بہت حیران ہوا کہ یہ حسینہ یہاں کہاں سے آئی.... وہ نازنین بڑی مہ جمال تھی ہے ملکار اسے ٹکٹلی باندھ کر دیکھنے لگا یا تو وہ ہنس رہی تھی یا ایک دم غضبناک ہو گئی اور اس نے گرج کر کہا۔ گستاخ! اس سے پہلے کہ میں تجھ پر اپنا غضب نازل کروں تجھے حکم دیتی ہوں کہ اپنی نظریں جھکا لے۔“

ہے ملکار نے گویا سنا ہی نہیں وہ برابر اسے تکتا رہا۔ اس نے غصہ میں آکر کہا۔ ”تیری یہ جرات کہ پرس کو گھور کر دیکھے۔ ہے ملکار کا بیان ہے کہ خوف سے اس کے جسم میں تھر تھری پڑ گئی۔ اس کی چیخیں نکلنے کو رہ گئیں وہ بے اوسان ہو کر وہاں سے بھاگا اور گرتا پڑتا اپنے ساتھیوں میں آیا۔ اس نے اسی وقت اپنے ساتھیوں کو بلا کر وہاں سے کوچ کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ میری زندگی تھی جو بچ گیا میر قافلہ نے کہا کہ تم نے جتنی کہانیاں سنائی سب عجیب و غریب ہیں۔ لیکن قابل یقین نہیں۔“

فے نس :- ”ایسا نہ کہئے حضور۔ دلربا سر سے اور پرس اس علاقے میں گھومتی رہتی ہیں۔ کہیں ان میں سے کسی کا مقابلہ نہ ہو جائے۔“

میر قافلہ :- ”میری تمنا ہے کہ میں ان میں سے کسی کو دیکھوں۔ ملوں اور باتیں کروں۔“

فے نس :- ”ایسی تمنا نہ کیجئے، میرے سرکار۔ دونوں بہنیں غضب کی ہیں ان سے تو مشتری بنتوں بچائے ہی رکھے۔“

یہ دونوں چلے جا رہے تھے جب ایک گھوم پر پہنچے تو انہیں اس طرف سے ایک چھوٹا سا قافلہ آتا ہوا ملا۔ اس قافلہ کے تمام لوگ پریشان اور بدحواس تھے۔ فینس نے انہیں روک کر پوچھا۔ ”تم گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔“ ان میں

فے نے جو قصے پانی نمس سائیکلوپ جو آرام و آسائش کا دیوتا تھا۔ دلربا سے جو حسین ساحرہ تھی۔ اور پرس جو دلربا سر سے کی بہن اور سمندر کی منہ بولی بیٹی تھی۔ ان کے سنائے تھے۔ وہ عجیب و غریب تھے مگر ایسے جن سے شریر بچوں کو ڈرایا جائے یا ناسمجھ لوگوں کو حیران بنایا جائے۔ میر قافلہ نے انہیں سچ نہیں سمجھا۔ انہیں ہی بات معلوم تھی کہ جزیرہ سسلی میں خرافات الاصنام بہت ہیں یونانی اور رومی دونوں بت پرست ہیں یہ روایتیں پشت ہا پشت سے سینہ سینہ چلی آتی تھیں..... لیکن انہوں نے ایک ایسی حسین لڑکی دیکھی تھی جو اپنی نظر آپ ہی تھی۔ ایک دلفریب حسینہ۔ فروسی مور اس کے ساتھ ایک بکرا اور ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔ فے نے جو قصے دلربا سر سے کے سنائے ان میں بھی حسین ساحرہ سر سے کے ساتھ بکرے اور ادھیڑ عمر کے شخص کا تذکرہ آیا ان قصوں کو سن کر انہیں خیال ہوا کہ کہیں وہ واقعی دلربا سر سے ہی سے تو نہیں ہے۔ مگر ان کا دل اس بات کو ماننے سے انکار کرتا تھا کہ سیکلوپوں برس کی عمر والی بوڑھی جوان اور حسین ہو اور ہر سو برس کے بعد سورج اسے پھر نازنین و نہ جبین اور مست شباب بنا دیتا ہو۔

وہ مسلمان تھے انہیں یہ معلوم تھا کہ چاند اور سورج خدا کے قبضہ میں ہیں۔ وہ دیوتا نہیں ہیں نہ سورج میں یہ قوت ہے کہ وہ کسی کو حسن و جمال اور شباب و جوانی بخش سکے۔ وہ خود خدا کا محتاج ہے۔ اور جو خود محتاج اور مجبور ہو وہ کچھ نہیں کر سکتا.... یہی سوچتے ہوئے وہ اپنے قافلے میں پہنچ گئے۔ قافلہ والوں نے کھانا تیار کر لیا تھا۔ وہ کوچ کرنے پر آمادہ تھے۔ خیمے اور سامان خجروں پر بار کر دیئے گئے تھے۔ انہوں نے کوچ کا اعلان کیا۔ گھوڑوں پر زین رکھے گئے سب لوگ سوار ہوئے پھر فے نے اس اور میر قافلہ بھی سوار ہوئے۔ اور یہ قافلہ قصریانہ (کیسٹرو گیوانی) کی طرف روانہ ہوا۔ قصریانہ جو سسلی کے صوبہ قطانیہ میں ایک بڑا اور مشہور شہر ہے۔ یہ شہر یعنی قصریانہ شہر انیا کے کھنڈرات پر آباد ہوا تھا نیز شہر انیا کسی زمانہ میں کافی بڑا اور مشہور تھا۔ تمام جزیرہ میں اس شہر کی بڑی شہرت تھی۔ رفتہ رفتہ یہ شہر اجڑنے لگا اور کچھ عرصہ بعد ایسا اجڑا کہ معمولی بستی

بن کر رہ گیا۔ ایناکی شہر سیریس دیوی کے مندر کی وجہ سے زیادہ تھی.... اسی شہر انیا کے کھنڈرات پر قصریانہ (کیسٹرو گیوانی) کی تعمیر شروع ہوئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ ایک عظیم الشان شہر ہو گیا اور سیریس دیوی کے مندر کی مرمت ہو گئی اور شہر کی شہرت کے ساتھ سیریس دیوی کی بھی شہرت ہو گئی۔ یہ قافلہ قصریانہ کی طرف بڑی تیزی سے سفر کرنے لگا۔ چونکہ راستہ ناہموار تھا اور اس میں بے شمار نشیب و فراز تھے۔ اس لئے زیادہ تیزی سے یہ لوگ نہیں چل سکتے تھے۔ فے نے اس کو قصریانہ پہنچنے کی بڑی جلدی تھی۔ اگر اس کے پر ہوتے تو وہ اڑ کر پہنچ جاتا۔ میر قافلہ بھی جلد وہاں پر پہنچ جانا چاہتے تھے۔ وہ فے نے اس کی بیٹی روزلیا کو دیکھنا چاہتے تھے۔ جو تمام جزیرہ مقلیہ میں حسین و نازنین تسلیم کی گئی تھی اور جسے اندھے اور جاہل جزیرہ والے بھیٹ چٹھانا چاہتے تھے۔

انہوں نے کبھی شہر قصریانہ نہیں دیکھا تھا۔ البتہ اس شہر کی شہرت سنی تھی۔ سیریس دیوی اس دیوی کے مندر کا حال بھی سنا تھا۔ اس مندر کو دیکھنے کی بھی آرزو تھی کیونکہ یہ بتایا جاتا تھا کہ وہ مندر ہزاروں برس پرانا ہے۔ اس روز وہ تمام دن سفر کرتے رہے۔ صرف تھوڑی دیر کے لئے یا تو دوپہر کا کھانا کھانے یا نماز پڑھنے کے لئے رکے۔ اس روز انہوں نے کافی فاصلہ طے کر لیا۔ رات کو انہوں نے قیام کیا۔ صبح اٹھ کر نماز پڑھی اور کھانا تیار کرنے لگے۔ فے نے آج سخت مضطرب اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے میر قافلہ کے پاس آکر کہا۔ ”میرے آقا جلدی کیجئے اب بھی وقت کم اور فاصلہ زیادہ ہے۔“ میر قافلہ نے پوچھا یہاں سے قصریانہ کتنی دور ہے؟

فے نے جواب دیا۔ چار فرسخ کا فاصلہ ہے۔ مگر میرے آقا سیریس مندر کے پجاریوں اور قصریانہ کے باشندوں کو یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ میں عیسائیوں یا مسلمانوں سے فریاد کرنے جا رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ وقت بدل کر صبح ہی اسے بھیٹ چڑھا دیں۔ اور میری دوڑ دھوپ اور آپکی مہربانی اور سفر کی کلفت سب بے کار ہو جائیں۔“

میر قافلہ :- ”تم ٹھیک کہتے ہو۔“

میرے حضور۔“

میر قافلہ نے اپنے گھوڑے کی باگ ڈھیلی کردی۔ اور سب لوگ بھی گھوڑے دوڑا کر پیچھے چلے۔ یہ سب دم کے دم میں احاطہ کے سامنے پہنچ گئے اور لوگوں نے انہیں آتے دیکھا۔ انہوں نے کچھ عجیب قسم کا شور کیا۔ تمام مجمع ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ احاطہ کے قریب پہنچ کر یہ لوگ گھوڑوں سے اترے۔ میر قافلہ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ عبائیں اتار ڈالو۔“

سب نے اپنی عبائیں اتار ڈالیں ورویاں نظر آنے لگیں وہ فوجی تھے اور ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ میر قافلہ نے بھی عبائے ڈالی وہ بھی وردی پہنے ہوئے تھے۔ ان کی وردی بہت اچھی تھی۔ وہ افسر تھے انکے ہتھیار مجتہد و مصفا تھے۔ وہ اپنا دستہ لیکر صدر دروازہ سے احاطہ میں داخل ہوئے۔ لوگ انہیں دیکھتے ہی دب گئے اور انہیں حیرت اور خوف بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

مجمع میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی سب اچھا لباس پہنے ہوئے تھے۔ نیز عورتیں نہایت خوبصورت تھیں ان کے خدو خال نہایت دلکش تھے۔ وہ مردوں میں بن چل تھیں۔ اس فوجی دستہ کے احاطہ میں داخل ہوتے ہی باجہ بند ہو گیا تھا۔ چونکہ سیریس دیوی پر قربانی دی جانے والی تھی۔ اس لئے مندر خوب سجایا گیا تھا۔ میر قافلہ فوجی افسر تھے۔ اس لئے اب ہم انہیں افسر ہی لکھیں گے انہوں نے فے نس سے کہا۔ جاؤ اور اپنی بیٹی روزلیا کو ہمارے سامنے لاؤ۔

فے نس نے عرض کیا۔ ”حضور والا میری یہ مجال نہیں ہے۔ آپ بڑے پجاری کو طلب کیجئے۔ اور اس سے کہئے وہ روزلیا کو آپ کے سامنے پیش کرے گا۔“

نوجوان افسر نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”ہم تمہارے بڑے پجاری سے باتیں کرنا چاہتے ہیں انہیں بلاؤ۔“

کئی لوگ دوڑ گئے۔ ایک بوڑھا شخص جس کی داڑھی سفید تھی اور جو نیم برہنہ تھا، آیا، یہی بڑا پجاری تھا۔ اس کے چہرے سے خشونت و سختی کے آثار ظاہر تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے کہا۔

انہوں نے اسی وقت پکار دیا کہ کوچ کی تیاری کی جائے۔ کچھ لوگوں نے جلدی جلدی تھوڑا بہت کھانا تیار کر لیا تھا۔ کچھ تیاری میں مصروف تھے۔ انہوں نے پھرتی سے تیار کر لیا۔ اور سامان وغیرہ لا کر سب روانہ ہو گئے اور دو گھنٹے سفر کرنے کے بعد انہیں سیریس دیوی کے مندر کا عکس نظر آیا فے نس خوش ہو گیا۔ اس نے میر قافلہ سے کہا۔ ذرا اور تیزی سے چلئے۔ وہ اور تیزی سے چلے جب کبھی وہ کسی اونچی چٹان پر چڑھ جاتے تو سیریس دیوی کا مندر اور دوسری اونچی عمارتیں نظر آ جاتیں اور جب وہ نشیب میں پہنچ جاتے تو کچھ بھی نظر نہ آتا۔۔۔ ایک مرتبہ ایک اونچے ٹیلے پر جانکے۔ وہاں سے مندر اور مندر کا احاطہ صاف نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ احاطہ لوگوں سے کچھ کچھ بھرا ہوا ہے فے نس تڑپ گیا۔ اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ”او سمندر کے خدا اور سیریس دیوی مجھ پر رحم کرو۔ میری بچی کو بچالو۔“

وہ فوراً ہی میر قافلہ کی طرف مخاطب ہوا اور بولا۔ ”لوگ جمع ہو رہے ہیں میرا قیاس ٹھیک نکلا۔ وہ وقت سے پہلے روزلیا کو بھیٹ چڑھاؤ پاتے ہیں۔ میرے آقا جلدی کیجئے۔ جلدی۔“

یہ کہتے ہی اس نے اپنے ٹٹو کی باگ اٹھا دی اور تیزی سے چلا۔ میر قافلہ نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ غلطی نہ کرو فے نس راستہ ڈھلوان ہے اور راستہ کے دونوں طرف مہیب غار ہیں۔ اگر ذرا بھی بے احتیاطی کی تو معہ گھوڑے کے کسی غار میں جا پڑو گے۔“

وہ سنبھل گیا۔ راستہ واقعی خطرناک تھا۔ اس کے دونوں طرف گہرے غار تھے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ یہ سب ٹیلے سے نیچے اترے اور گھوم کھا کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگے۔ اب وہ اس سطح میدان میں آگئے۔ جو شہر قصرانہ کے سامنے تھا۔ وہاں سے شہر کی عمارتیں اور سیریس دیوی کا مندر اور اس کا احاطہ سب صاف نظر آنے لگے تھے۔ لوگ احاطہ میں کثرت سے جمع تھے۔ باجے بج رہے تھے اور ان کی سریلی آوازیں ان تک پہنچ رہی تھیں۔ فے نس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اس نے کہا۔ ”مشرقی نبوتوں کا شکر ہے ہم وقت پر پہنچ گئے۔ قربانی کی ابتدائی رسمیں شاید شروع کر دی گئی ہیں۔ اب گھوڑے دوڑا دیجئے

میں آگیا ہوں۔ کیا کہنا ہے آپ کو.....؟“

افسر:- روزلیا کہاں ہے؟“

پجاری:- آپ کیوں پوچھتے ہیں۔“

افسر:- اس لئے کہ اعلیٰ حضرت نے حکم دیا ہے کہ روزلیا کی قربانی نہ کی جائے۔“

پجاری:- لیکن یہ زلزلے کیسے رکیں گے۔ یہ جزیرہ تباہی سے کیسے بچے گا؟“

افسر:- ”خدا بچائے گا۔“

خدا پجاری نے کانپتے ہوئے کہا۔ افسر نے کہا ہاں خدا وہ خدا جس کے حکم کے بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ جو ہر چیز کا خالق اور ہر بات پر قادر ہے۔ روزلیا کو ہمارے سامنے پیش کرو۔“

پجاری:- مگر وہ ہے کہاں؟

افسر:- کہاں گئی.....“

پجاری:- اس کی ماں سرپی نے اسے بھگا دیا ہے۔“

فے نس نے کہا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

پجاری نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ اپنی بیوی سے پوچھو۔ ایسا ہی ہوا ہے وہ گرفتار ہے۔“

فے نس وہاں سے بھیڑ کو چیرتا ہوا دوڑا۔ وہ مندر کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا اس کی بیوی سرپی رسیوں میں بندھی کھڑی تھی۔ اس نے آواز دی۔ ”سرپی“ سرپی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا ”تم آگئے خوب وقت پر آئے۔“ افسر روزلیا کو بچانے آئے تھے۔ جزیرہ سسلی کی سب سے حسین دوشیزہ کو مگر وہ نہیں ملی۔ تھی گم کر دی گئی۔ انہیں بڑا افسوس ہوا۔

۷

فے نس کے پیچھے ہی افسر بھی چل پڑے تھے اور افسر کے پیچھے پانچ سپاہی

بھی۔ افسر مندر کے دروازہ پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے سیریس دیوی کے بت کو دیکھا سنگ مرمر کا خوبصورت مجسمہ تھا۔ نہایت حسین عورت کا سنگ مرمر ہی کا اس کا تاج تھا۔ تاج میں سچے موتی جھملا رہے تھے۔ دیوی کا بت انہوں نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا۔ انہوں نے سرپی کو بھی رسیوں میں جکڑی ہوئی دیکھا فے نس کو اس نے کہا۔

”سرپی“ روزلیا کہاں ہے۔

سرپی نے جواب دیا۔ سیریس دیوی ہی خوب جانتی ہیں۔“

فے نس:- مگر پجاری کہتے ہیں تم نے اسے بھگا دیا ہے۔“

سرپی:- وہ پجاری ہے۔ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔“

اس وقت پجاری بھی افسر کے برابر آکھڑا ہوا۔ اس نے تیز نظروں سے سرپی کو دیکھ کر کہا۔ ”او بد بخت عورت پاک دیوی کے سامنے جھوٹ بول رہی ہے۔ بھسم ہو جائے گی۔“

سرپی:- اگر میں دیوی کے سامنے جھوٹ بول رہی ہوں تو دیوی مجھے غارت کر دے۔ سائیکلوپ مجھے اٹھا کر لے جائے۔ سمندر مجھے کھینچ لے۔ اور سورج دیوتا مجھے جھلس ڈالے۔

فے نس جلدی سے پجاری کی طرف بڑھا اور بولا۔ کہتے اب آپ کیا کہتے ہیں۔

پجاری:- ”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ اب فے نس پجاری کے سامنے گھٹنوں پر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”میری بچی پچا دیجئے۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔“

پجاری:- کیا تم مجھ پر شک کرتے ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اسے غائب کر دیا ہے.....؟“

فے نس:- آخر پھر روزلیا کیا ہوئی۔ کہاں گئی.....؟

پجاری:- مجھے کچھ خبر نہیں ہے۔

اب فے نس سرپی کی طرف مخاطب ہوا۔ اس نے کہا۔

سرپی، تم نے روزلیا کی حفاظت کیوں نہیں کی.....؟“

سرپی :- جہاں تک میں حفاظت کر سکتی تھی میں نے کی، مگر.....؟
 فے نس :- مگر کیا.....؟

سرپی :- میں اپنی بچی کو کھو بیٹھی۔ یہ کہتے ہی وہ سسکیاں لے لیکر رونے لگی۔
 افسر کو بڑا افسوس ہوا کہ جس روز لیا کے لئے انہوں نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں وہ ان کے آنے سے پہلے ہی غائب کر دی گئی۔

اب فے نس افسر کی طرف مخاطب ہوا اس نے عرض کیا۔ میرے آقا! میں تباہ ہو گیا۔ میری بیٹی غائب کر دی گئی۔ بتائیے اب میں کیا کروں۔

افسر سخت حیرت میں تھے۔ جب وہ بیماری کی طرف دیکھتے تھے تو اس کے تقدس کی وجہ سے اس پر برگمانی نہیں کر سکتے تھے اور جب سرپی کو دیکھتے تھے تو اس کے آنسو دیکھ کر اس پر شک نہیں کر سکتے تھے نیز افسر نے یہ بھی دیکھ لیا کہ لوگوں میں سخت اشتعال ہے اور وہ غصہ بھری نظروں سے سرپی کو دیکھ رہے تھے۔ اب افسر نے سرپی سے کہا۔ روز لیا تمہارے پاس ہی رہتی تھی۔

سرپی :- جی ہاں!

افسر :- وہ کس وقت تک تمہارے پاس رہی.....؟

سرپی :- کل شام تک۔ میں ساری ہی باتیں عرض کئے دیتی ہوں اب اس نے بیان کرنا شروع کیا۔

روز لیا کو معلوم تھا کہ اس کی قربانی دی جائے گی۔ جب ان پانچ آدمیوں نے جو جزیرہ کی سب سے زیادہ حسین لڑکی تلاش کر رہے تھے اور کئی دیہات اور شہروں کا دورہ کر کے آئے تھے روز لیا کو دیکھا اور انہوں نے اسے جزیرہ کی حسین ترین لڑکی قرار دیا تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اس معصوم کو معلوم نہیں تھا کہ اس کا حسن اس کے لئے وبال جان ہو گیا ہے اس کی زندگی کے بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ میں رونے لگی تو اسے بڑا تعجب ہوا جب انتخاب کرنے والے چلے گئے تب اس بھولی بھالی لڑکی نے کہا۔ ”ماں تم اس بات سے خوش نہیں ہوئیں کہ ان لوگوں نے مجھے جزیرہ کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی قرار دیا ہے۔“

میں نے کہا بچی! اگر حسن کا مقابلہ ہوتا تو میں بہت خوش ہوتی مگر تجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ حسن کا مقابلہ نہیں تھا انہوں نے تجھے قربانی کے لئے منتخب کیا ہے۔

روز لیا حیران رہ گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ اس سال جزیرہ میں زلزلے زیادہ آرہے ہیں جب اس جزیرہ کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی کو سیریس دیوی کی بھیٹ چڑھا دیا جائے گا تب یہ زلزلے بند ہوں گے۔

یہ سن کر روز لیا غمزہ ہو گئی۔ اس نے کہا ماں یہ بات سچ ہے کہ ہو تو دیوتا سیریس دیوی کو چھوڑنے کو تیار تھے اور نہ روز لیا کو خانقاہ میں داخل کرنے پر آمادہ تھے....

پادریوں نے ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ اب انہوں نے مسلمانوں کا سہارا لیا اور ان سے مداخلت کی درخواست کرنے کے لئے روانہ ہو گئے جب وہ چلے گئے تو ایک روز مارے بس جو اب علاقے کا سب سے بڑا جادوگر ہے اور جس کی بابت مشہور ہے کہ وہ سیاروں سے باتیں کیا کرتا ہے اور ان کے ذریعے سے لوگوں کی قسمتوں کا حال جان لیا کرتا ہے آ نکلا۔ روز لیا سامنے ہی بیٹھی تھی۔ وہ خوش تھی اور میں اس کی وجہ سے غمزہ تھی۔ میں نے مارے بس کی تعظیم کی۔ اس کے بیٹھنے کے لئے چوکی بچھا دی اس نے روز لیا کو اپنے قریب بلایا کچھ دیر تک تو وہ اس کی حسین صورت دیکھتا رہا پھر اس نے اس کے ہاتھ دیکھے اور اپنی جھولی میں سے ہاتھی دانت کے پانسے نکالے۔ انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا کچھ دیر کے بعد بولا۔

”بیٹی! تو بڑی خوش قسمت ہے۔ اس جزیرہ پر حکومت کرے گی۔“ روز لیا خوش ہو گئی اور چہرہ اور بھی چمکنے لگا۔

میں نے کہا۔ ”اے عظیم جادوگر! کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ اس بچی کو قربانی کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔“

مارے بس نے پہلے میری طرف اور پھر روز لیا کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے پانسوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اطمینان کے لہجہ میں کہا۔

آئے۔

روزلیا دوپہر بعد میرے پاس آئی اور ضد کرنے لگی کہ اس کے سب سے زیادہ اچھے کپڑے اور گھنے پہننے دوں۔ مگر میں مجبور تھی اب وہ سیریس دیوی کی داسی بن چکی تھی۔ مندر ہی کے کپڑے اور زیور پہن سکتی تھی۔ میں نے انکار کیا۔ لیکن اس نے اس قدر اصرار کیا کہ میں مجبور ہو گئی۔ میں نے مندر کے کپڑے اور زیور اتار لئے اور اس کے وہ کپڑے جنہیں وہ بہت پسند کرتی تھی اور زیور پہننے کو دیدیئے۔ اس نے غسل کیا کپڑے بدلے سنگھار کیا اور زیور پہنے۔ دو گھڑی دن باقی رہا تھا کہ اس نے مجھ سے سامنے والی پہاڑی تک جانے کی اجازت چاہی۔ میں نے دل نہ چاہنے پر بھی اسے اجازت دیدی اور وہ چلی گئی۔ اور پھر وہ رات تک واپس نہیں آئی۔

دن چھپتے ہی پجاری اور داسیاں مندر کے لوگوں کے مجمع کے ساتھ آئے۔ روزلیا کو دلہن بنانے کے لئے۔ مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ میں نے ان سے سب حالات سنائے۔ پجاری بگڑ گیا اور انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا اور روزلیا کو تلاش کرنے لگے۔ مجھے مندر میں لے آئے۔ یہ ہے روزلیا کی گمشدگی کا واقعہ۔ ”اور یہ باتیں سچ ہیں۔“ ایک آواز آئی۔ افسر نے پجاری نے۔ سرپی نے۔ اور جو لوگ وہاں کھڑے تھے سب نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ایک ادھیڑ عمر کا شخص مجمع کو چیرتا ہوا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ پجاری نے کہا۔ ”مار سے بس جاوگر۔“ یہ شخص مار سے بس جاوگر ہی تھا۔ اس کی طرف دیکھنے لگے مار سے بس افسر کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ اس نے پجاری کی طرف دیکھ کر کہا مقدس پجاری! اب باقی حالات تم بیان کرو۔“

”میں کیا حالات بیان کروں۔“ پجاری نے کچھ گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا مار سے بس کڑی نظروں سے پجاری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا جس طرح سرپی نے سب ”ات سادیئے اسی طرح تم بھی سادو۔“

پجاری نے۔ کچھ حالات ہوں تو سناؤں۔ مجھ سے متعلق جو حالات ہیں وہ سرپی نے بیان کر ہی دیئے ہیں۔

”قربانی....؟“ دلربا سر سے میری مدد کرے میرا علم اور سیارے کہتے ہیں کہ روزلیا قربان نہیں کی جائے گی یہ اس جزیرہ کی ملکہ بنے گی۔“

میں بہت خوش ہوئی مجھے خیال ہوا کہ شاید مسلمان میزبان اس خوبصورت بچی کو بچالیں گے۔ اور ممکن ہے کہ وہ کسی وقت ایسی قوت حاصل کر لے کہ اس جزیرہ سے عیسائی اور مسلمان دونوں قوموں کو نکال دے۔ اور یہاں کی ملکہ بن جائے۔

مار سے بس چلا گیا۔ اس کی باتوں سے میرے دل کو کچھ تسلی سی ہوئی۔ لیکن جوں جوں قربانی کے دن قریب آتے گئے۔ میری بے چینی بڑھتی گئی۔ میں روزانہ فے نس کے آنے کا انتظار کرتی۔ جب رات زیادہ گزر جاتی تو مایوس ہو کر سونے کی کوشش کرتی۔ لیکن آدھی رات تک نیند نہ آتی جب صرف دو دن باقی رہ گئے تو میرا اضطراب اور بھی بڑھ گیا دل ڈوبنے لگا۔ اب کوئی امید باقی نہ رہی۔ ایک روز شام کے وقت مقدس پجاری مندر کے کئی لوگوں کو ساتھ لے کر ابتدائی رسمیں ادا کرنے کے لئے گھر آئے انہوں نے کہا یہ مار سے بس کی عیاشی گوئی کی کیا شہرت ہے۔“

غالبا ”مار سے بس نے کچھ لوگوں سے اپنی عیاشی گوئی کا ذکر کر دیا تھا اور پجاری جی نے سن لیا تھا میں نے انہیں سب باتیں بتائیں وہ ہنس پڑے۔“

اور روزلیا اس وقت نہائی تھی۔ اسے مندر کے کپڑے اور زیور پہنائے گئے کئی داسیوں نے آکر روزلیا کا سنگھار کیا۔ پجاری کے سامنے بن سنور کر جب روزلیا گئی تو یہ مہسوت رہ گئے۔ میں نے مناسب موقع سمجھ کر کہا۔ ”اے سیریس دیوی کے پاک پجاری روزلیا بچ لےجیئے۔“

پجاری چونک پڑے۔ انہوں نے کہا نہیں، جونو دیوتا کے غصہ کو ہم برداشت نہ کر سکیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ روزلیا بہت خوبصورت ہے بہت ہی خوبصورت۔ اس کی قربانی سے دکھ ہوگا۔ مگر اہل جزیرہ کی سلامتی کے لئے قربانی دینی ہی پڑے گی۔“

پجاری داسیاں اور مندر کے سب لوگ واپس چلے گئے۔ اس رات کو مجھے بالکل نیند نہیں آئی۔ میں نے فے نس کے آنے کی دعائیں مانگیں لیکن یہ نہیں

مار سے بس :- تم بھی اپنی زبان سے بیان کرو۔

پجاری :- تمہیں اصرار ہے تو سنو۔

اور پجاری نے بیان کرنا شروع کیا۔

اس سال اس جزیرہ میں کثرت سے بھونچال آئے کہ تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ ایک روز ایسا سخت جھٹکا آیا کہ یہ مندر لرز گیا اور دیوی سیریس اپنی جگہ سے ہل گئیں۔ میں یہ منظر دیکھ کر کانپ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ دیوی سیریس پر قربانی کرنی ہوگی۔ اگر قربانی نہ کی گئی تو جزیرہ ضرور تباہ ہو جائے گا۔

چنانچہ اس جزیرہ میں یہ رسم قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے کہ جس سال بھونچال زیادہ آتے ہیں تو جزیرہ کی سب سے زیادہ حسین لڑکی کو دیوی سیریس پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ اس قربانی کے بعد زلزلے فوراً بند ہو جاتے ہیں نیز اس جزیرے کی پرانی قوموں کا جس میں یونانی اور رومی دونوں ہی ہیں۔ یہ عقیدہ ہے کہ جو نو دیوتا سیریس دیوی کو پکڑ کر کوہ آتش فشاں، جوالا مکھی میں کود پڑتے ہیں۔ اس سے پہاڑ، آگ اور لاوا زیادہ پھینکنے لگتا ہے اور گڑگڑاہٹ اس قدر بڑھ جاتی ہے جیسے ہزاروں بادل کڑکنے اور گرجنے لگے ہوں۔ اس کی گڑگڑاہٹ کے شور سے کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں۔ زمین اور آسمان لرز اٹھتے ہیں اور زلزلے کثرت سے آنے لگتے ہیں۔

جب کبھی ایسا ہوتا ہے تو اس جزیرہ کی سب سے زیادہ حسین اور مہ جبین لڑکی کو تلاش کیا جاتا ہے اور اسے سیریس دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ اس سے جو نو دیوتا خوش ہو کر سیریس دیوی کو چھوڑ دیتے ہیں جوالا مکھی پہاڑ اپنے معمول پر آجاتا ہے گڑگڑاہٹ بند ہو جاتی ہے اور زلزلے رک جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے کئی شر کے پجاریوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سب کی ہی رائے ہوئی کہ دیوی سیریس پر قربانی کی جائے اور ایسے پانچ مبصروں کی جو ایک سینہ کی جانچ کا پورا سلیقہ رکھتے تھے۔ کمیٹی مقرر کی گئی اور انہیں علاقہ کے دورے پر بھیجا گیا ان لوگوں نے لمبا سفر کیا۔ تمام دیہات اور شہروں میں گھومے مگر ان کی نگاہوں میں کوئی سینہ نہ چڑھی۔ انہوں نے کیسٹرو گیانی (قصریانہ) میں

بھی دیکھا اور جوئی ان کی نگاہ روزلیا پر پڑی ان کے دل کی کلی کھل گئی انہوں نے اسے منتخب کر لیا اور اس سے کہا۔ اے وہ ماہر! جو اس جزیرہ میں سب سے زیادہ حسین اور مہ جبین ہے۔ تجھے اس زمانہ کی حسینہ بننا مبارک ہو۔ تو سیریس دیوی کے قابل ہے۔“

اور ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ تلاش میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ انہیں ایسی حسینہ مل گئی ہے جس کا جواب اس جزیرہ ہی میں نہیں بلکہ اٹلی اور رومہ میں بھی نہیں۔ اور اس روز روزلیا کا انتخاب کا اعلان کر دیا گیا۔

میرا یہ فرض تھا کہ میں خود بھی روزلیا کو دیکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ایک روز اس کے گھر جا کر اسے دیکھا۔ واقعی وہ آسمانی حور تھی میں نے ایسی حسین لڑکی مدت العمر میں نہیں دیکھی تھی۔ میں چلا آیا اور خوش تھا کہ جو نو دیوتا اس کی قربانی سے خوش ہو جائیں گے اور سیریس دیوی کو چھوڑ دیں گے۔

جب رسموں کی ادائیگی کا وقت آیا تو میں ہستوں اور واسیوں کے ساتھ مندر کی طرف سے نہایت فاخرہ لباس اور بیش بہا زیورات لے کر روزلیا کے مکان پر پہنچا۔ واسیوں نے اسے غسل کرایا اس کے پھول سے بدن پر خوشبوئیات ملیں اور ریشمی کپڑے پہنائے اس کا سنگھار کیا اور زیورات پہنا کر اسے آسمانی حور بنادیا۔ جب روزلیا میرے سامنے آئی تو میں اس کا حسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ مجھے بھی افسوس ہوا کہ گلشن حسن کی یہ اچھوتی کلی چند ہی روز کی مہمان ہے اور میں وہاں سے چلا آیا۔

اور کل جب میں روزلیا کو مندر میں لانے کے لئے اس کے گھر پہنچا تو وہ غائب کر دی گئی تھی۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کیونکہ یہ بات دیوتا کے غصہ کو اور بھڑکا دینے والی تھی اور اس سے جزیرہ کا تباہ ہو جانا یقینی تھا۔ میں نے سربے سے اس کے متعلق پوچھا وہ کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکی۔ میرے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ میں اسے گرفتار کر کے مذہبی کونسل کے سامنے پیش کروں۔

لہذا میں اسے گرفتار کر لایا۔ رات کو مذہبی کونسل کا اجلاس ہوا اس اجلاس میں میں نے تمام واقعات جو آپ کو سنائے بیان کئے۔

کونسل کے ممبروں پر روزلیا کی گمشدگی کی وجہ سے خوف و ہراس طاری ہو گیا اور کچھ دیر بحث و مباحثہ کے بعد کونسل نے یہ طے کیا کہ سرپی نے روزلیا کو بھگا کر دیوتا جونو کو ناخوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیوتا کا غصہ اور عوام کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سرپی کو بھینٹ چڑھا دیا جائے اور روزلیا کو ڈھونڈا جائے۔

آدھی رات کو یہ کونسل برخاست ہوئی۔ مجھے اور اس مندر کے تمام ہستوں اور واسیوں کو فکر تھی کہ صبح کو جب عوام قربانی کا منظر دیکھنے کے لئے آویٹگئے اور روزلیا کو نہ پاویں گے تو ممکن ہے کہ وہ جوش و غضب میں دیوانے ہو جائیں اور کوئی ایسی حرکت کر بیٹھیں جو تہذیب و اخلاق کے خلاف ہو۔ ان کے جوش اور غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ انہیں تمام حال سے آگاہ کرنے کے بعد یہ خبر سنا دی جائے کہ مجرمہ کو کونسل نے کیا سزا دی ہے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو مندر کو حسب معمول سجایا گیا۔ اور دوپہر کے وقت جب عوام جمع ہو گئے تو میں نے مجمع کو تمام حالات سے خبردار کر کے مذہبی کونسل کی کارروائی کی اطلاع کردی اور یہ بتا دیا کہ کونسل نے مجرمہ کو قربانی کی سزا دی ہے۔ اگرچہ مجمع کو جوش و غصہ تو بہت آیا۔ مگر مذہبی کونسل کے فیصلہ پر راضی ہو گیا اور کسی نے نازیبا حرکت نہیں کی۔ اب سرپی کو قربان کیا جائیگا۔

مارسے بس :- مجھے معلوم ہیں اور میں بیان کروں گا۔ تمہیں یہ یقین ہے کہ سرپی نے روزلیا کو غائب کیا ہے؟ پجاری :- بالکل یقین ہے۔ تم مشہور جادوگر ہو تمہیں اگر اپنے علم سے کچھ اور حالات معلوم ہوں تو مارسے بس :- اچھا یہ ہے کہ تم خود ہی اس مسلمان افسر کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف کر لیتے۔

”میں اپنے قصور کا اقرار کر لوں“ پجاری نے بظاہر سخت متعجب ہو کر کہا۔ لیکن اس کی آنکھوں سے کچھ فکر اور پریشانی کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ مارسے بس نے سختی کے ساتھ کہا۔

”ہاں اپنے جرم کا اس جرم کا جسے تم تقدس کے پردے میں چھپانا چاہتے ہو۔“

پجاری :- مارسے بس تم جانتے ہو کس سے ہم کلام ہو رہے ہو۔“
مارسے بس :- جانتا ہوں۔ تم دیوی سیریس کے مندر کے پجاری ہو۔
پجاری :- اور میری قوت سے بھی واقف ہو۔
مارسے بس :- اچھی طرح ہے۔

پجاری :- تب تمہیں سوچ سمجھ کر باتیں کرنی چاہئیں۔
مارسے بس :- میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر باتیں کر رہا ہوں۔
پجاری :- اب کہو کیا کہتے ہو.....؟

مارسے بس :- میں کہہ چکا ہوں اور تم نے سن لیا ہے۔
پجاری :- صاف صاف کہو۔

مارسے بس :- صاف صاف ہی کہہ رہا ہوں۔

پجاری :- تم کیا چاہتے ہو۔

مارسے بس :- صرف یہ کہ تم اپنے جرم کا اقرار کر لو۔

پجاری :- کس جرم کا.....؟

مارسے بس :- جو جرم تم نے کیا ہے اور جس جرم کو اپنے تقدس کے پردے

میں چھپانا چاہتے ہو۔ ایک بے گناہ کو ملزم ٹھہرا رہے ہو۔

پجاری :- میں نے بہت سنا۔ اب سننے کی تاب نہیں ہے۔

مارسے بس :- کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے جرم کا ڈھنڈورہ عوام کے سامنے

پیٹ دیا جائے۔

پجاری :- سنو مارسے بس! کبھی کبھی علم غلطی بھی کر جاتا ہے۔ اگر تمہیں اپنے

علم سے کوئی بات معلوم ہوئی ہو تو پہلے اس کی تصدیق کر لو۔ پھر اپنی زبان سے

نکالو۔

مارسے بس :- میں نے تصدیق کر لی ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ میں کوئی بات

جس کی تصدیق نہ کر لوں۔ نہیں کہا کرتا میں ایک موقع اور دیتا ہوں تم اپنے جرم

کا اقبال ان مسلمان افسر کے سامنے کر لو۔ یہ بات عوام میں نہ پھیلے گی یہ عوام کو

مطمئن کر دیں گے تمہارا تقدس اور تمہاری زندگی دونوں بچ جائیں گے۔

پجاری :- میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔

بہت اچھا مار سے بس نے ترش روئی سے کہا اور مجمع کو مخاطب کر کے بلند آواز سے چلایا۔ لوگوں روزلیا کے متعلق میں واقعات بیان کرتا ہوں خاموش ہو کر سنو۔

اب لوگ مار سے بس کی طرف متوجہ ہو کر بالکل خاموش ہو گئے۔

۹

اور مار سے بس نے کہنا شروع کیا۔

اے اہل سسلی، اور اے سیریس دیوی کے پجاریو! زمانہ سلف سے آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جو حسینہ دیوی پر بھیٹ چڑھانے کے لئے منتخب کر لی گئی تھی وہ غائب ہو گئی ہے یا غائب کر دی گئی ہے کیونکہ اس منتخب لڑکی کو سب دیوی کی طرح قابل احترام سمجھتے لگتے ہیں۔ اور وہ لڑکی بھی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی تھی۔ اور یہ ہے بھی بڑی خوش قسمتی کی بات۔ جس لڑکی کی قربانی کی جاتی ہے وہ دیوتا جو نو کی منظور نظر اور سیریس دیوی کی سہیلی بن جاتی ہے۔ آسمانی بادشاہت میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ بڑی خوش قسمتی اور بڑے فخر کی بات ہے۔

اب اس سال روزلیا قربانی کے لئے منتخب کی گئی میں اس انتخاب کے بعد اس سے ملا وہ خوش تھی۔ حقیقت میں روزلیا اس زمانہ کی بے نظیر حسینہ ہے ایسی ہی صورتوں پر دیوتاؤں کو بھی پیار آجاتا ہے اگرچہ وہ اسی شر کیسٹرو گیانی (قصریانہ) میں پیدا ہوئی ہیں پر پلی بڑھی اور شباب کی منزل میں داخل ہوئی مگر اسے بہت کم لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ اس سے واقف ہیں وہ بھی ایسا حسین نہیں سمجھتے تھے جیسی وہ تھی۔ مگر جب وہ قربانی کے لئے منتخب کر لی گئی تو اس کی شہرت ہو گئی لوگ اسے چوری دیکھنے کے لئے آنے لگے اور دیکھ کر حیران ہونے لگے۔ مقدس پجاری بھی روزلیا کو دیکھنے گئے وہ اس کی کمان ابرو کو دیکھتے ہی اس کے تیر نظر کا چرکہ کھا بیٹھے۔ اس کے حسن و جمال کی تعریفیں کرتے ہوئے واپس

لوٹ آئے.....

میں وہ حالات بیان نہیں کر رہا ہوں جو مجھے میرے علم کے زور سے معلوم ہوئے بلکہ وہ واقعات بیان کر رہا ہوں۔ جو حقیقتیں گزرے ہیں۔ تم سب جانتے ہو میں جادوگر ہوں۔ سیاروں سے باتیں کرتا ہوں جس انسان کے حالات میں اپنے علم کے زور سے معلوم کرنا چاہوں وہ مجھے رتی رتی معلوم ہو جاتے ہیں نیز مجھے یہ بھی قدرت ہے کہ میں اپنے علم کے زور سے وہ تمام حالات سب کو دکھا بھی سکتا ہوں۔ اگر مجمع نے خواہش کی تو میں روزلیا کے ساتھ جو کچھ گزرا ہے وہ دکھا بھی دوں گا۔

مار سے بس دم لینے کے لئے رکا۔ مجمع میں کچھ شور ہوا۔ مار سے بس نے انہیں ہاتھ کا اشارہ کیا اور چلا کر کہا شور نہ کرو۔ اگر کچھ کہنا ہے تو صرف ایک آدمی کہے۔ مجمع خاموش ہو گیا۔ ایک نوجوان شخص نے کہا کہ تمام لوگوں کا یہ مطالبہ ہے کہ روزلیا کے ساتھ جو حالات گزرے ہیں وہ بیان نہ کئے جائیں بلکہ دکھائے جائیں۔

مار سے بس نے اس نوجوان کو دیکھ کر کہا تم وہ خوش قسمت نوجوان ہو کہ جسے روزلیا سے چند مرتبہ تنائی میں باتیں کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے تمہارے دل میں اس کی محبت جگہ پکڑ گئی تھی اور تم اس کی طرف کھنچے چلے جا رہے تھے۔ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے جو بھی اس گل رخسار کو دیکھ لیتا ہے وہی اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اگر تمہارا اور تمام مجمع کا یہی مطالبہ ہے کہ میں اپنے اس جادو کے علم سے جو دلربا سر سے کی قربانی سے کچھ تھوڑا سا مجھے حاصل ہو گیا ہے ان واقعات کو بیان نہ کروں بلکہ دکھا دوں تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ نوجوان نے کہا ہمارا یہ مطالبہ نہیں ہے بلکہ درخواست ہے۔ ہم نے آپ کا نام سنا ہے آج آپ کے جادو کے علم کا کمال دیکھنا چاہتے ہیں۔

مار سے بس :- میں تمہاری سب کی یہ تمنا پوری کروں گا مگر ایک شرط ہے۔

نوجوان :- وہ کیا شرط.....؟

مار سے بس :- تم اپنی آنکھوں سے وہ سب دیکھو گے جس کا یقین مشکل سے آئے گا اور جب یقین آجائے گا تو جوش و خروش کا طوفان تمہارے دل میں

اٹھ کھڑا ہوگا اور تم غصہ میں آپے سے باہر ہو کر مجنونانہ حرکتیں کرنے پر تیار ہو جاؤ گے۔ وعدہ کرو کہ کوئی نامناسب حرکت نہ کرو گے۔

نوجوان اور مجمع کے لوگوں نے اقرار کیا کہ وہ ضبط سے کام لیں گے اور کوئی نامناسب حرکت نہ کریں گے۔

مسلمان افسر اور ان کے ساتھی حیران ہو رہے تھے کہ مار سے بس کیا بات دکھانے والا ہے۔ ان کے لئے قیمتی فرش بچھا دیا گیا۔ وہ بیٹھ گئے اور مار سے جس نے ایک طرف سے لوگوں کو ہٹا کر کافی میدان خالی کر لیا وہ پھر پجاری کے پاس آیا اور بس بے کما۔ دیکھئے اب وہ تماشا شروع ہوتا ہے جو تمہارے لئے بڑا تکلیف دہ ہوگا۔ اب بھی وقت ہے کہ تم اپنے جرم کا اقرار کر لو۔

پجاری نے کہا۔ میں تم سے اور تمہارے علم سے مرعوب ہونے والا نہیں کرو جو تم کرنا چاہتے ہو۔

مار سے بس :- بہت اچھا اب تم اپنی آنکھوں سے وہ دیکھو گے جو کھیل تم نے کھیلا ہے۔ تم بھی معزز مہمانوں کے پاس بیٹھ جاؤ۔

پجاری بھی افسر کے پاس بیٹھ گیا۔ مار سے بس ان سے ذرا آگے بڑھ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے کچھ پڑھنا شروع کیا پڑھتا گیا اور جھومتا رہا تمام مجمع کی نگاہیں اس کی طرف لگی ہوئی تھیں افسر اور تمام مسلمان بھی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دھتتا اس میدان میں جو چوڑا ہو گیا تھا۔ بگولے اٹھنے لگے اور اس کثرت سے اٹھے کہ وہ قطعہ تیرہ و تار ہو گیا۔ اب مار سے بس جو کچھ کہتا جاتا تھا وہ لوگوں کو نظر آتا جاتا تھا۔

تھوڑی دیر میں غبار چھٹ گیا اور میدان میں نے نس کا مکان بن گیا۔ مکان کے اندر سے روزلیا نکلی سادہ لباس میں حسن و جمال کی بارش کرتی اور لوگوں میں لھاتی اس کی صورت ایمان شکن اور ادائیں صبر آزما تھیں۔ جس وقت وہ مکان سے باہر نکلی ٹھیک اسی وقت پجاری آگیا۔ اس نے اس سیم تن کو دیکھا جانچا۔ اور آہستہ سے کہا۔ آسمانی حور، گلشن حسن کی ناشگفتہ کلی " وہ تمہیں تمیز نظروں سے است دیکھتا رہا اور واپس چلا آیا اور روزلیا مکان کے اندر چلی گئی۔

اگرچہ پجاری نے بہت ہی آہستگی سے روزلیا کے حسن کی تعریف کی تھی مگر تمام مجمع نے اس کی آواز سن لی۔ سب لوگ خواہ مرد تھے یا عورتیں دم بخود کھڑے یا بیٹھے تھے۔ سب کی نظریں اس میدان کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ جہاں تماشا ہو رہا تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد پجاری کئی مستوں اور داسیوں کے ساتھ آیا۔ داسیاں لباس اور زیورات لئے ہوئے تھیں وہ روزلیا کے گھر میں گئے اور داسیوں نے ہنس ہنس کر روزلیا کو نہلایا۔ اس کے بدن کو خوشبو لگائی۔ بھینی بھینی خوشبو تمام میدان میں پھیل گئی پھر اسے کپڑے پہنائے سنگھار کیا۔ زیورات پہنائے وہ رشک حور بن گئی۔

جب وہ بن سنور کر پجاری کے سامنے آئی تو وہ اسے دیکھ کر مبسوت ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ آخر تو نے میرا صبر و قرار لوٹ لیا۔ اے گلشن حسن کی چھوٹی کلی میں تجھے بچاؤں گا۔

وہ چلا گیا۔ روزلیا کا گھر غائب ہو گیا اب وہاں سیریس دیوی کا مندر بن گیا اور ایک دم مندر کا رخ بدل کر اس کے پشت کا حصہ نظر آیا۔ اس طرف منت چل پھر رہے تھے اور پجاری بھی وہاں آگیا۔ منت اس کے سامنے سے ادھر ادھر ہٹ گئے۔ پجاری نے منت کو اپنے سامنے بلا کر کہا۔ تم کہا کرتے تھے کہ میرے اشارہ پر اپنی جان تک دے سکتے ہو۔

منت نے کہا جی ہاں! میں کہا کرتا تھا اور اب بھی کہتا ہوں۔

پجاری :- کیا تم میرے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دو گے۔

منت :- بیشک آپ کوئی حکم دیجئے اور دیکھئے میں کس طرح اس حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

پجاری :- تب سنو۔ تم نے روزلیا کو دیکھا ہے۔

منت :- جی ہاں دیکھا ہے۔ بڑی سندر ہے۔

پجاری :- مجھے افسوس ہے کہ وہ قربان کر دی جائے گی۔

منت :- مجھے بھی اس کا بڑا افسوس ہے۔

پجاری :- میں اسے پہچانا چاہتا ہوں۔

منت :- مگر پجاری جی! اس جزیرہ کا کیا حال ہوگا۔

پجاری :- سنو! اس جزیرہ میں صرف ہماری ہی قوم نہیں رہتی ہے۔ بلکہ عیسائی اور مسلمان بھی رہتے ہیں اور وہ ان باتوں کو نہیں مانتے۔ جنہیں ہم اور ہماری قوم مانتی ہے۔ اگر ہم تباہ ہوں گے تو عیسائی اور مسلمان بھی تباہ ہوں گے ہم اپنی قوم کی حسینہ کو کیوں قربان کریں۔ کسی عیسائی یا مسلم دوشیزہ کا کیوں انتخاب نہ کریں۔

منت :- آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر روزلیا منتخب کر لی گئی ہے۔

پجاری :- ہمیں اسے بچانا چاہئے۔ وہ دن ڈھلے پہاڑ پر پہنچ جائے گی تم اسے ساتھ لے کر چل دینا۔ اور سنو۔

پجاری نے منت کے کان میں کچھ کہا اور پھر آہستہ سے بولا۔ تم سے وہیں آملوں گا۔

اور دونوں کے عکس دھندلے ہو کر غائب ہو گئے اب روزلیا نظر آئی۔ پجاری اس کے پاس آیا۔ اس نے کہا، تمہیں مار سے بس کی بات یاد ہے۔ روزلیا :- ہاں یاد ہے۔

پجاری :- تم یہ مندر کے کپڑے اتار کر اپنے اچھے کپڑے پہنو اور سامنے والی پہاڑی پر چلی جاؤ۔ خوش قسمتی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ پجاری چلا گیا۔ روزلیا اپنی ماں سرپی کے پاس گئی۔ اس سے اپنے کپڑے پہنے کی اجازت لی قدر کے

کپڑے اور گئے اتار دے اپنے کپڑے اور زیور پہن لئے۔ اس نے

اپنی ماں سے پہاڑ تک جانے کی اجازت چاہی سرپی نے اجازت دیدی۔ وہ چل پڑی۔ اور پہاڑی پر پہنچی۔ وہاں اسے منت ملا۔ منت نے کہا۔ ”تم آگئیں۔ روزلیا آؤ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں جہاں سے تمہاری خوش قسمتی کا ستارہ طلوع ہوگا۔“

روزلیا چپ چاپ مہت کے ساتھ چل پڑی۔ اس کے بعد میدان میں پھر غبار چھا گیا اور جب غبار ہٹا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میدان رہ گیا تھا مار سے بس بیٹھا اب بھی کچھ پڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں اس نے پڑھنا بند کیا۔ وہ اٹھا اس نے کہا لوگو! تم نے دیکھ لیا مجرم کون ہے؟“

مجمع ابھی تک محو بخود تھا۔ گویا سب پر جادو کر دیا گیا تھا اب لوگوں کی نیچوری ٹوٹی ایک نوجوان نے چلا کر کہا۔

”ہم نے مجرم کو دیکھ لیا ہے۔ اس کے نکلے کر دینے چاہئیں اس کے تقدس کی دھجیاں اڑا دینی چاہئیں۔“

تمام مجمع سے اسی قسم کی آوازیں آئیں اور لوگ پجاری کی طرف بڑھے۔ مار سے بس نے کہا۔ اپنا دندہ یاد رکھو۔“

لیکن مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ جوش اور غصہ میں بھر گئے تھے ان میں سے کئی لوگوں نے کہا۔ منحوس پجاری نے ہمیں تباہ کرنا چاہا ہے۔ ہم اس کا خاتمہ کر کے دم لیں گے۔“

”مجمع قابو سے باہر ہونے لگا۔ افسر کھڑے ہوئے اور انہوں نے ڈپٹی کر کہا۔“ میں حکم دیتا ہوں سب اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔“ لوگ مرعوب ہو گئے جو جہاں تھا وہیں کھڑا ہو گیا اور مجمع یہ دیکھنے لگا کہ مسلمان افسر کیا کہتے ہیں۔“

۱۰

پجاری اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے کئی مہینہ کا بیمار ہو۔ سرپی رسیوں میں جکڑی کھڑی تھی۔ وہ حیرت اور غصہ کی ملی جلی نظروں سے پجاری کو دیکھ رہی تھی۔ افسر نے اول حکم دیا کہ سرپی کی رسیاں کھول دی جائیں۔ منت سرپی کو گھیرے کھڑے تھے۔ داسیاں ان کے سامنے کھڑی تھیں۔ ان داسیوں میں زیادہ تر نوجوان و خوبصورت تھیں۔ مستوں یا مجمع میں سے کسی کو بھی کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی اور ایک منت نے خود ہی اسکی رسیاں کھول دیں۔

سرپی آزاد ہوتے ہی دیوی سیریس کی طرف بڑھی اس نے اس کے قدم چھوئے اور پھر دونوں گھٹنوں پر ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے

ہو جائیں گے۔

افرنے کہا مجھے تمہارے عقیدہ کا حال معلوم ہے یہ عقیدہ کہاں تک درست ہے میں اس کے متعلق صرف اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے بزرگ تمہیں اس کے متعلق بتاتے رہے ہیں اور تم اس پر عمل کرتے رہے ہو۔ تمہارے عقیدہ سے ملتا جلتا مصریوں کا عقیدہ بھی تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جس سال مصر میں خشک سالی ہوتی دریائے نیل میں طغیانی نہ آتی تو اہل مصر یہ سمجھتے کہ شیطان نے پانی کو روک دیا ہے۔ قبلی قوم کی سب سے زیادہ حسین لڑکی دریائے نیل میں ڈبو دیتے اور طغیانی کا انتظار کرتے۔۔۔ جب مسلمانوں نے مصر فتح کیا تو اس سال بھی خشک سالی کی وجہ سے دریائے نیل میں طغیانی نہیں آئی۔ قبلیوں نے اپنی قوم کی ایک حسین دوشیزہ کو دریا میں غرق کرنے کے لئے منتخب کیا۔

ملک مصر کو حضرت عمر بن العاص نے فتح کیا تھا۔ انہوں نے اس لڑکی کی قربانی کو روک دیا۔ اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق خلیفہ کو تمام حال لکھا۔ تب حضرت عمر فاروق نے دریائے نیل کے نام ایک خط اس مضمون کا لکھا۔ ”شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط عبداللہ امیر المومنین عمر کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام ہے۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم ہو کہ از خود نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر تیری روانی تیری قوت اور طاقت پر ہے تو تو خشک ہو جا۔ اور ہرگز رواں نہ ہو۔ اور اگر تو اللہ غالب اور بزرگ کے حکم اور طاقت سے رواں ہوتا ہے تو رواں ہو اور جلدی ہو۔ جیسا کہ جاری ہوا کرتا ہے۔“ اور سلامتی ہو تجھ پر۔

خلیفہ دوم نے فاتح مصر عمر کو یہ حکم بھیجا کہ وہ خلیفہ کا خط دریائے نیل میں ڈال دیں۔ چنانچہ عمرو بن العاص فوجی افسروں کو ساتھ لے کر دریائے نیل کے کنارہ پر پہنچے۔ بے شمار قبلی بھی یہ دیکھنے کے لئے آگئے کہ کیا ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرو نے خلیفہ کا خط کھولا اور دریائے نیل سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے دریائے نیل! مسلمانوں کے شہنشاہ کا خط تیرے نام ہے۔ میں تیرے حوالے کرتا ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو تو بالکل خشک ہو جا۔۔۔ اور یا

لگی۔ گویا وہ دیوی کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اس کی پراگھنا کر کے اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ شکریہ ادا کرنے کے بعد وہ افسر کے پاس آئی اور کہا میں آپ کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔

افسر:- شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ تمہارے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی۔ ہے اب افسر نے پجاری سے مخاطب ہو کر کہا۔ کیا تم اپنے جرم کا اقبال کرتے ہو۔ مارے بس نے پجاری سے مخاطب ہو کر کہا۔

تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم اپنے جرم کا اقبال کرو۔ ورنہ تمہارے ریاکارانہ تقدس کی داستانیں عیاں کردی جاویں گی۔ پجاری:- انکار اور انکار پر اصرار سے اب کوئی فائدہ نہیں ہے مجھے اپنے جرم کا اقبال ہے۔ میری ایک درخواست ہے۔

افسر:- ”کہو۔“ پجاری:- مجھے میری قوم کے خونخوار لوگوں سے بچائیے۔ افسر:- تمہیں بچانے کی کوشش کریں گے۔

مگر پجاری کے اقبال جرم کرتے ہی لوگ غصہ سے دیوانے ہو گئے۔ اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگی۔ ”مارو۔۔۔۔۔ مارو۔۔۔۔۔ اس پجاری نے ہمیں تباہی کی طرف دھکیل دیا ہے۔۔۔۔۔ اس کا بھیجہ نکال ڈالو۔ اور کھڑے کر دو۔ اور لوگوں کا سیلاب بڑھا۔ افسر کے قریب ان کے سب مسلمان ساتھی اکھڑے ہوئے تھے۔ افسر نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر رک جانے اور خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ مجمع خاموش ہو گیا اور رک بھی گیا۔ افسر نے بلند آواز سے کہا۔

پجاری نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا ہے۔ عوام کو اسے سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم صبر و تحمل سے کام لو۔ تمہاری مذہبی کونسل ہی اس کی سزا کے متعلق غور کرے گی۔

بعض سمجھ دار لوگوں نے کہا۔ بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ مگر کئی جوشیلے نوجوانوں نے کہا۔ لیکن اس پجاری نے اس لڑکی کو بھگا دیا ہے۔ جو سیریس پر قربانی کے لئے منتخب کی گئی تھی۔ اب اس جزیرہ والوں کو دیوتا جو نو کے غصہ سے کون بچا سکے گا۔ یہ جزیرہ تباہ ہو جائے گا۔ اس کے لوگ برباد

ہمیں مطلق بھی یہ خوف نہیں ہوتا کہ اگر قربانی نہ دی گئی حسین دوشیزہ لڑکی کو ذبح نہ کیا گیا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ تم بھی اس کا خوف نہ کرو۔ اگر تباہ ہوں گے تو ہم بھی ہوں گے اور تم بھی ہو گے۔ بچیں گے تو سب بچیں گے۔ پھر تم ہی اپنی قوم کی حسین لڑکی بھیٹ کیوں دو۔ عیسائی کیوں قربانی نہ دیں۔ ان باتوں پر غور کرو۔ اور واپس اپنے گھروں میں جاؤ اور اطمینان سے بیٹھو ہم روزلیا کو تلاش کریں گے اور تمہاری مذہبی کونسل پجاری کے متعلق فیصلہ کرے گی۔

لوگ نہایت خاموشی سے افسر کی باتیں سنتے رہے وہ اوہام پرست تھے۔ جو قومیں خدا کو نہیں مانتیں اس کی عبادت نہیں کرتیں... وہ ضعیف الاعتقاد ہوتی ہیں۔ جزیرہ سسلی کے باشندے غیر اللہ کے پجاری تھے۔ اوہام پرست ہو گئے تھے۔ ان کی عقلوں نے تو افسر کی باتوں کی تائید کی مگر عقیدوں نے تائید نہیں کی۔ چنانچہ وہ منتشر ہو گئے مگر کوئی اثر لے کر نہیں گئے۔

اسی وقت مذہبی کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس میں بہت سے پجاری اور مہنت شریک ہوئے۔ چونکہ وہ سب اس عقیدے کے لوگ تھے کہ اگر قربانی نہ کی گئی تو جزیرہ تباہ ہو جائے گا اور جو لڑکی قربانی کے لئے منتخب ہو چکی ہے اسے پجاری نے بھگا دیا ہے۔ اس لئے جو نو دیوتا کے غضب سے اسی وقت وہ بچ سکتے تھے جب وہ مجرم کو سزا دیں چنانچہ معمولی بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ پجاری کی قربانی کی جائے۔ مذہبی کونسل کے اس فیصلہ کی اطلاع افسر کو کی گئی۔ افسر نے پجاری کی قربانی اس وقت تک کے لئے روک دی گئی جب تک روزلیا آکر پجاری کے خلاف شہادت نہ دے۔ چونکہ مسلمانوں سے اس جزیرہ کی پرانی قومیں ڈرتی تھیں اس لئے انہوں نے افسر کے حکم کو مان لیا۔ عوام بھی مطمئن ہو گئے اور اس طرح اس وقت پجاری کی جان بچ گئی اور وہ قید کر دیا گیا۔

فے نس، سرپی اور تمام مسلمانوں کو لے کر اپنے گھر چلا آیا افسر نے وہاں قیام کیا۔ انہوں نے مارے بس کو اس خیال سے طلب کیا کہ اس سے روزلیا کے متعلق کچھ معلوم کریں۔ مگر پتہ چلا کہ وہ سینا کی طرف چلا گیا ہے۔ اسی روز شام کے وقت ایک بوڑھا آدمی افسر کے پاس آیا وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اس نے کہا آپ کو روزلیا کی تلاش سے میرا اس کے متعلق کچھ جاننا ہے۔

جاری ہو جا۔ انہوں نے خط دریا میں ڈال دیا تھوڑی ہی دیر میں پانی تیزی سے رواں ہو گیا۔ اور شام تک اس میں اس قدر طغیانی آگئی کہ خشک سالی کا اندیشہ جاتا رہا۔ اس سال سے حسین دوشیزہ لڑکی کا خشک سالی پر دریائے نیل میں غرق کیا جانا موقوف ہوا۔

ایسی باتیں محض حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ محض عقیدہ تک محدود ہوتی ہیں۔ نیز زلزلے عام طور پر کوہ آتش فشاں کے جوش پر آنے کی وجہ سے آتے ہیں۔ کئی سال مادہ زیادہ جمع ہو کر شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ مادہ خارج ہونا چاہتا ہے لیکن نکاس کا راستہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے نہیں نکل سکتا۔ اس لئے گڑگڑاہٹ بڑھ جاتی ہے اور کہیں کہیں سے پہاڑ شق ہو جاتا ہے۔ جب فاضل مادہ نکل جاتا ہے تو کوہ آتش فشاں بھی اعتدال پر آ جاتا ہے۔

اگر تم کسی معصوم اور حسین دوشیزہ کو بھیٹ دو جب اور نہ دو تو بھی کوہ آتش فشاں اس وقت تک اپنے معمول پر نہیں آسکتا کہ جب تک اس کا تمام فاضل مادہ خارج نہیں ہو جاتا۔ اور جب تک یہ مادہ رہتا ہے گڑگڑاہٹ جاری رہتی ہے۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ پہاڑ لرزتا رہتا ہے۔ اس کے جھٹکوں سے زلزلے آتے رہتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان زلزلوں سے جزیرہ تباہ ہو جائے یا سمندر میں غرق ہو جائے اور جب سے یہ جزیرہ عالم وجود میں آیا ہے اسی وقت سے اس میں کوہ آتش فشاں بھی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ اس میں مادہ بہہ بہہ کر مشرق کی طرف بحر روم میں پہنچ جاتا ہے اور اس طرف کا کنارہ اس مادہ سے اونچا ہوتا جا رہا ہے... یہ نظام قدرت ہے خدا کے حکم سے جاری ہے کسی کوشش سے رک نہیں سکتا اور اگر رک جائے تو کسی ذریعہ سے جاری نہیں ہو سکتا۔ اس کا رکنا اور جاری ہونا سب خدا کے اختیار میں ہے۔

اس جزیرہ میں وہ قومیں بھی آباد ہیں جو اس جزیرہ کی پرانی قومیں کہلاتی ہیں۔ ان میں یونانی اور رومی ہیں یہ قومیں بتوں کو پوجتی ہیں اور سیریس دیوی کی عام طور پر پوجا کرتی ہیں۔ معاف کرنا اگر یہ کہوں کہ یہ قومیں ضعیف الاعتقاد ہیں۔ اور عجیب و غریب عقیدے رکھتی ہیں اس جزیرہ میں عیسائی بھی ہیں اور مسلمان بھی آگئے ہیں یہ دونوں قومیں تمہارے عقیدوں سے متفق نہیں ہیں۔

کھوں۔ مگر میں بہت تھکا ہوا ہوں آرام کرنے کے بعد کہہ سکوں گا۔
افسر نے کہا۔ تم بوڑھے اور تھکے ہوئے ہو۔ ضرور آرام کرلو۔ اگرچہ فی
نس اور سرپی چاہتے تھے کہ فوراً ہی روزلیا کا حال بیان کر دے مگر اسے ناتواں
دیکھ کر وہ بھی مجبور ہو گئے۔

۱۱

بوڑھا مسافر کچھ ایسا ناتواں ہو رہا تھا کہ وہ چند ہی باتیں کرنے کے بعد
خاموش ہو گیا کچھ دیر تو وہ بیٹھا رہا اور پھر لیٹ گیا فی نس اور سرپی اسے دیکھ
رہے تھے وہ چاہتے کہ مسافر کچھ دیر دم لے کر ان کی بیٹی روزلیا کا حال بیان کر
دے۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ مسافر پر نیند اور ناتوانی کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے انہیں
بڑا فکر ہوا وہ اس کے لئے دودھ لائے اسے پلایا اور اس سے باتیں کرنی چاہیں
.... مگر بوڑھے مسافر نے ان سے کہہ دیا کہ وہ اس قدر تھک گیا ہے کہ صبح سے
پہلے بات نہیں کر سکتا۔

سرپی نے کہا صرف اتنا بتا دیجئے کہ وہ خیریت سے تو ہے۔" بوڑھے نے کہا
جب میں اس سے رخصت ہوا تھا اس وقت تک وہ خیریت سے تھی۔"
اس کے اس جواب سے فی نس اور سرپی کی تسلی نہیں ہوئی اور انہیں یہ
خیال ہوا کہ ضرور روزلیا کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہے سرپی سے صبر نہ ہو
سکا اس نے کہا۔

دیوی سرپس کے لئے جو تمہیں روزلیا کا حال معلوم ہے وہ جلد بتا دیجئے۔
مجھے بڑی الجھن ہو رہی ہے۔"

مسافر نے کہا۔ میں سمجھتا ہوں۔ مگر کیا کروں اس قدر ناتواں ہوں کہ بول
نہیں سکتا۔ مجھے خاموش پڑا رہنے دو۔"

سرپی :- مگر میں ماں ہوں روزلیا کی۔ میری بے چینی کا تو اندازہ کیجئے۔"
مسافر :- معلوم ہوتا ہے تم مجھے آرام نہ کرنے دو گی۔ اچھا میں صبح تک کے
لئے رخصت ہوتا ہوں۔"

سرپی گھبرا گئی۔ اس نے جلدی سے کہا۔ نہیں نہیں۔ آپ کہیں نہ جائیے

میں کوشش کروں گی کہ بالکل نہ بولوں۔ اگر آپ چلے گئے تو مجھے رات بھر نیند
نہیں آئے گی یہاں رہو گے تو کچھ تو اطمینان رہے گا۔"
مسافر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ پھر بیٹھ گیا سرپی نے اس کے لئے بستر کر دیا۔ وہ
بستر پر چپ چاپ پڑ گیا اور تھوڑی دیر بعد سو گیا۔

لیکن فی نس اور سرپی بڑے بے چین رہے کہ اگر یہ بوڑھا مسافر نہ آتا
اور یہ نہ کہتا کہ میں روزلیا کے متعلق کچھ جانتا ہوں اور یہ کہ جب تک میں اس
سے رخصت ہوا اس وقت تک وہ خیریت سے تھی تو وہ اطمینان سے رات کو سو
سکتے۔ لیکن انہیں روزلیا کے حالات معلوم کرنے کی کرید سی لگ گئی اور اسی
الجھن میں انہیں نیند نہیں آئی۔ پچھلی رات کو فی نس سو بھی گیا مگر سرپی نہ سو
سکی۔

جب صبح ہوئی تو مسلمان بہت سویرے بیدار ہوئے۔ ایک خوش الحان آدمی
نے اذان دی۔

سرپی کو صبح کے وقت اذان کی آواز بہت ہی بھلی معلوم ہوئی اور اسے خوشی
ہوئی کہ صبح ہو گئی ہے بوڑھا بھی اٹھ گیا تھا۔ اس نے کہا قابل تعریف ہے یہ
قوم جو صبح اٹھتے ہی اپنے اس خدا کا نام لیتی ہے کہ جسے وہ عبادت کے قابل
سمجھتی ہے۔ "اللہ اکبر" میں نے یہ الفاظ اکثر سنے ہیں۔ اس کے معنی میں نے
معلوم کئے تھے۔ مجھے بتایا تھا ایک خاتون نے کہ ان الفاظ کے معنی ہیں کہ اللہ
بڑا ہے۔"

خاتون ایک عرصہ کے بعد وہ خاتون مجھے یاد آئی ہے۔ اس نے کہا تھا
اس کی زندگی کے دن بہت تھوڑے باقی رہ گئے ہیں۔ اس نے مجھ سے یہ خواہش
ظاہر کی تھی کہ میں کسی مسلمان سے ملوں تو اس خاتون کا اسے پتہ بتا دوں تاکہ
وہ اس کی خبر لے مگر اب تک مجھے کوئی مسلمان مل ہی نہ سکا اب یہ
مسلمان ملے ہیں۔ ان سے کہوں گا مگر یہ لوگ فوجی ہیں۔ فوجی اجڑ ہوتے ہیں۔
کیوں اس خانور کے پاس جانے لگے مگر میں اپنا فرض ادا کروں گا اور ان سے
ضرور اس کا پیغام کہوں گا۔ اس خاتون کے سینہ میں ضرور کوئی راز ہے وہ کسی
مسلمان کو وہ راز بتانا چاہتی ہے۔" سرپی نے بوڑھے کی تمام باتیں سنیں۔ اس

کے اوپر نازل ہوا ہے۔“

مسافر:- آپ خوب پڑھتے ہیں اگر میں اسی زبان کو جانتا ہوتا تو زیادہ محفوظ..... ہوتا اس زمانہ میں جزیرہ سسلی میں یونانی اور لاطینی زبانیں رائج تھیں۔ مسلمان افسران دونوں زبانوں سے واقف تھے انہوں نے کہا یہ خالص عربی زبان میں ہے مجھے خیال نہیں رہا کہ تم توجہ اور غور سے سن رہے ہو ورنہ میں اس کا ترجمہ یونانی زبان میں کرتا جاتا تاکہ تم سمجھ لیتے۔

مسافر:- یہ بہت اچھا ہوتا ہم اسلام سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اگر میں یہاں ٹھہرا تو ضرور اس پاک کتاب کا ترجمہ سنوں گا۔“

افسر:- اور انشاء اللہ میں بڑی خوشی سے سناؤں گا۔ اچھا اب تم یہ بتاؤ تمہیں روزلیا کہاں ملی تھی۔

مسافر:- میں چلا آ رہا تھا کہ میں نے قصبہ پلائانی کے قریب اس خوبصورت دوشیزہ کو دیکھا۔ میں اس کا حسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس کے ساتھ کئی راہب تھے۔ انہوں نے اسے ایک پہاڑی خچر پر سوار کر رکھا تھا وہ کچھ مغموم تھی مگر اس کی صورت کچھ ایسی پیاری اور دلکش تھی کہ مغموم ہونے پر بھی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

میں ایک درخت کے سایہ میں تھک کر بیٹھ گیا تھا۔ راہبوں کا وہ قافلہ بھی وہیں آ کر رک گیا۔ انہوں نے روزلیا کو اتارا اور خود بھی سبزہ پر لیٹ گئے۔ روزلیا مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی اور وہ سرک کر میرے پاس آ گئی اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں میں نے بتایا کہ کیسٹروگیانی (قصریانہ) جا رہا ہوں پھر اس نے نہایت ہی آہستگی سے کہا مجھے دیوی سیریس کی قربانی کے لئے منتخب کیا گیا تھا مندر کے پجاری نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے اچھے کپڑے پہن کر پہاڑی پر چلی جاؤں وہاں خوش قسمتی میرا انتظار کر رہی ہے۔ نیز مجھے مارے بس نے بتایا تھا کہ میں اس جزیرہ کی ملکہ بنوں گی میرے دل میں ملکہ بننے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی میں پہاڑ پر چلی آئی۔ وہاں مجھے کئی آدمیوں نے پکڑ کر بے بس کر دیا اور مجھے ایک گھوڑے پر لاد کر چل پڑے۔ تھوڑی دور لے جا کر وہ ایک کھو میں ٹھہر گئے اور ایک آدمی کو میرے پاس چھوڑ کر باقی کہیں چلے گئے ان لوگوں

نے کہا۔ ”مسافر تم اٹھ گئے۔“

مسافر نے کہا ہاں اٹھ گیا۔“

سرپی:- ”یہ تم کس خاتون کا ذکر رہے ہو۔“

مسافر:- ”مجھے ایک خاتون ایک پہاڑی غار میں ملی تھی میں اس کا ذکر کر رہا ہوں وہ مسلمان ہے۔“

سرپی:- ”کس پہاڑی پر ملی تھی وہ.....؟“

مسافر:- ”اس جگہ ملی تھی جس کے قریب وہ وادی اور دریا ہے۔ جو پہاڑ کے سلسلہ کو کوہ آتش فشاں سے علیحدہ کرتا ہے۔“

سرپی:- ”مگر سنا ہے وہ جگہ تو بہت خطرناک ہے۔ تم وہاں کیسے پہنچ گئے تھے۔“

مسافر:- ”بالکل اتفاقیہ میں وہاں جا نکلا۔ وہ جگہ واقعی بڑی خطرناک ہے۔“

سرپی:- ”اور وہ خاتون وہاں تنہا رہتی ہے؟“

مسافر:- ”میں نے اسے تنہا ہی دیکھا تھا۔“

سرپی:- ”تعجب ہے۔ ایسی خطرہ کی جگہ وہ تنہا رہ رہی ہے۔“

مسافر:- ”وہ کسی خطرے سے نہیں ڈرتی۔“

اور مسافر اٹھ کھڑا ہوا اس نے ضروریات سے فراغت کی اور جب منہ ہاتھ دھو کر آیا تو اس نے مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے دیکھا۔ شاید یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھ رہا تھا جب تک مسلمانوں نے نماز ختم نہ کی وہ برابر کھڑا دیکھتا رہا اور نماز پڑھنے کے بعد افسر ایک صاف جگہ بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگے بوڑھا مسافر ان کے قریب جا بیٹھا اور سننے لگا۔ سرپی بھی وہیں آ بیٹھی وہ مسافر سے روزلیا کا حال معلوم کرنا چاہتی تھی اسے سوائے اپنی بیٹی کا حال معلوم کرنے کی دھن کے اور کوئی فکر ہی نہیں تھی۔ چاہتی تھی کہ مسافر جلدی سے اس کے متعلق جو کچھ اسے معلوم ہے وہ سب بتا دے۔ مگر مسافر قرآن شریف سننے میں محو تھا وہ دل پر جبر کئے بیٹھی رہی جب افسر کلام اللہ شریف کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو مسافر نے پوچھا یہ کیا ہے جو تم پڑھ رہے تھے۔“

افسر نے کہا یہ اللہ کا کلام ہے۔ ہمارے محترم نبی فخر آدم حضرت محمد صلعم

کے جاتے ہی اس آدمی نے میرے بند کھول دیئے اور مجھ سے کہا۔ اگر زندگی چاہتی ہو تو چپ چاپ میرے ساتھ چلو۔ میں اس کے ساتھ ہولی ان راہیوں کا قافلہ ہمیں مل گیا۔ ان راہیوں نے میرے ساتھی کو ایک گھرے غار میں گرا دیا۔ اور مجھے سیفالو کی خانقاہ میں لے جا رہے ہیں۔ ان کی نیت اچھی نہیں تم اگر قسریانہ میں جاؤ تو میرے باپ نے نس اور ماں سرپی سے کہ دینا کہ وہ میری رہائی کی تدبیر کریں۔ میں اسی وقت وہاں سے چل پڑا اور سفر کی سختیاں اٹھاتا ہوا یہاں پہنچا تھا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ مسلمان روزلیا کو بچانے کے لئے آئے ہیں اور فے نس کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ہیں میں سیدھا آیا مگر اس قدر تھک گیا تھا کہ بات کرنی دشوار تھی اور میں رات کو یہ واقعات نہ بیان کر سکا۔

اس عرصہ میں فے نس بھی وہاں آگیا تھا اور یہ واقعات سن رہا تھا۔ سرپی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا ”ہائے میری بچی۔“

افسر نے تسلی دیتے ہوئے کہا غم نہ کرو۔ جس خدا نے اب تک اسے بچایا ہے وہ آئندہ بھی بچائے گا۔“

سرپی نے افسر کی طرف دیکھ کر لجاجت سے پوچھا۔ کیا آپ اسے بچا سکیں گے؟“

افسر نے جواب دیا۔ انشاء اللہ سیفالو، ہلمو سے 47 میل کے فاصلہ پر ہے ہم جانتے ہیں وہاں عیسائیوں کی ایک بڑی خانقاہ ہے ہم یہاں سے سیفالوں چلیں گے اور روزلیا کو راہیوں سے واپس لے لیں گے۔“

سرپی کو کچھ امید ہو گئی۔ اس نے کہا۔ ”سیریس تمہاری مدد کرے۔ تم بہت نیک اور رحمدل ہو۔“

افسر:- ”سیریس نہیں خدا میری مدد کرے۔“

سرپی:- ”خدا ہی سی۔“

مسافر:- اب مجھے ایک خاتون کا پیغام آپ تک اور پہنچانا ہے۔“

افسر:- ”کہو۔“ ”رافسر۔ ابھی عرض کرتا ہوں۔“

اور کچھ وقفہ کے بعد مسافر نے کہا۔ میں سیاح ہوں اسی جزیرہ کا رہنے والا

ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس جزیرہ میں عجائبات ہیں۔ ولفریب مناظر ہیں عجیب خلقت خوفناک جانور ہیں جادو گر اور جادوگریاں ہیں۔ چنانچہ میں سیر کرتا رہتا ہوں اونچی چٹانوں اور عمیق عمیق غاروں میں جا چکا ہوں۔ میں نے ایسے ایسے مقامات دیکھے جہاں پر چاندی افراط سے ہے اور تھوڑی سی محنت کرنے سے منوں چاندی حاصل ہو سکتی ہے اور ایسے پھل کھائے ہیں جو نہایت ہی خوش ذائقہ اور رسیلے ہوتے ہیں۔ نہایت مہیب اور خطرناک جانور دیکھے ہیں۔ غرض کہاں تک بیان کروں۔ مگر میرے دل میں کبھی کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش نہیں ہوئی میں سیاح ہوں اور سیاحت کرتا رہتا ہوں۔

ایک روز میں اس وادی کو عبور کر رہا تھا جو ایٹنا کوہ آتش فشاں کو پہاڑ کے سلسلہ سے الگ کرتا ہے وہ جگہ بڑی خطرناک ہیں وہاں جنگلات ہیں اور ان کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔

اور اس جنگل سے ملا ہوا جو پہاڑ ہے وہ بھی بڑا پر ہول ہے میں نے جنگل کو طے کر کے پہاڑ پر چڑھنا چاہا۔ وہاں مجھے چند آدمی ملے۔ ان کی صورتیں بڑی خوفناک تھیں۔ وہ شائد آدمخوڑ تھے۔ مجھے گھورنے لگے۔ ان کی تیز نظریں اور مہیب صورتیں دیکھ کر مجھے پسینہ آگیا۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کرنے کا قصد کیا ان کی حرکتوں سے میں ان کے ارادہ کو تاڑ گیا۔ میرے پاس دو خنجر تھے۔ میں نے بستر اپنے کندھے پر رکھا اور دونوں ہاتھوں میں خنجر لے لئے۔ اب وہ خوفناک صورت والے انسان میری طرف بڑھے۔ میں سمجھ گیا کہ موت آگئی اور میں اپنے آپ کو نفرین کرنے لگا کہ کیوں اس طرف آیا مجھے اکثر لوگوں نے یہ بتایا بھی تھا۔ کہ میں اس طرف کا رخ نہ کروں۔ وہ مقام بڑا خطرناک ہے مگر میں تمام خطروں کا مقابلہ کرنے کو تیار تھا۔ اس لئے کسی کے کچھ کہنے سننے کی پرواہ نہ کی اور موت کے چنگل میں خود ہی چلا گیا۔

لیکن سیریس دیوی نے میری مدد کی یا تو وہ خوفناک صورت والے مردم خور میری طرف بڑھے آ رہے تھے یا بھاگنے لگے مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے دیکھا سائیکلوپ دیوتا ان کے پیچھے جا رہے ہیں میں نے ایک دفعہ پہلے بھی انہیں

وہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ میں سیریس دیوی کی سہیلی نہیں ہوں، کیا ابھی تک لوگ اس بیسودہ عقیدہ میں گرفتار ہیں۔“

مجھے اس کی بات سن کر سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ میں خوب جانتا تھا کہ جو دیوی اور دیوتاؤں کو نہیں مانتے ان پر ہمارے دیوی اور دیوتاؤں کا غضب نازل ہو جاتا ہے اور وہ سسک سسک کر مر جاتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ ایک دفعہ عیسائیوں نے دیوی سیریس اور دلربا سر سے کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے تھے تو انہیں اسی وقت اس کا تدارک مل گیا تھا اور حیرت ناک طور پر ان کی بھاری تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ دریا پایاب تھا۔ شاید دریائے کنسٹرا کا ذکر ہے۔ عیسائی فوجیں دریا کو پار کرنے کے لئے اتر گئیں فوراً ہی دریا میں طغیانی آگئی۔ شاید سائیکلوپ دیوتا نے دریا میں گھس کر اس کے پانی کو بلند کر دیا۔ عیسائی سپاہی بہہ گئے اور ان کی لاشیں سمندر میں جا پڑیں۔ مسخری نبتوں نے انہیں کھینچ لیا (یعنی لاشیں سمندر میں جا پڑیں مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس خاتون پر بھی دیویوں اور دیوتاؤں کا قہر نہ نازل ہو جائے۔ کیونکہ اس نے ان سے عقیدت رکھنے کو بیسودہ عقیدہ کہا تھا یہ دیوی، دیوتاؤں کی بڑی نوہن تھی میں ڈرا کہ کہیں اس کی وجہ سے میں بھی کسی بلا میں مبتلا نہ جاؤں۔ میں نے کہا۔ ”ایسی باتیں نہ کرو تم۔“

اس نے کہا اچھا تم اپنے خیالی دیویوں اور دیوتاؤں سے ڈر گئے مت ڈرو۔ وہ میرا اور تمہارا کچھ نہیں کر سکتے۔“

پھر میں نے پوچھا ”تم کون ہو....؟“

اس نے جواب دیا۔ ”میں بتاؤں گی تمہیں پہلے یہ کہو کیا رات

اسی جگہ بسر کرو گے؟

میں۔ اور کہاں جاؤں؟

وہ۔ یہاں سردی زیادہ ہوتی ہے رات کو اکڑ جاؤ گے۔ میرے ساتھ آؤ۔

چنانچہ میں اس کے ساتھ چل دیا وہ ڈھلوان کنارہ سے نیچے اترنے لگی۔ میں بھی اس کے ساتھ

اترا ہم دونوں ایک غار کے دھانہ پر پہنچے یہ غار کچھ

دیکھا تھا میں جلدی سے سجدہ میں گر گیا۔ جب سجدہ سے سر اٹھایا تو نہ وہاں آدم خور تھے اور نہ سائیکلوپ، میرے دل کو یہ تسلی ہو گئی کہ سیریس دیوی مجھ پر مہربان ہے اس نے ہی سائیکلوپ کو بھیجا ہے۔ سائیکلوپ بڑا قوی ہیکل تھا۔

اب میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ شام کے وقت ایک چٹان پر قیام کیا۔ چٹان چھوٹی تھی۔ اس کے دو طرف عمودی چٹانیں اٹھتی چلی گئی تھیں۔ تیسری طرف کا کنارہ ڈھلوان تھا اور وہ نیچے کی طرف اترتا چلا گیا تھا اور چوتھی طرف غار تھی۔

میں اطمینان سے بیٹھ گیا۔ سورج کی سنہری کرنیں چٹانوں اور ہرے ہرے درختوں اور سبزے پر سنرا غازہ پھیر رہی تھیں۔ نہایت اچھا سماں تھا۔ میں بڑی توجہ سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً میں نے ایک آواز سنی۔ ”تم یہاں کیسے آئے....؟“

میں نے نگاہیں اٹھائیں دیکھا ایک خاتون سامنے کھڑی ہے۔ اس کا چہرہ کہہ رہا تھا کسی وقت جوانی کے عالم میں بڑی آفت کا پرکالہ ہو گی اب بھی اس کے چہرے پر بہت زیادہ دلکشی تھی۔

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ بات میرے دہم اور خواب و خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی کہ کوئی عورت وہ بھی ایسی جس کی جوانی رخصت ہو گئی ہو۔ اس خوفناک مقام پر مل سکے گی۔ میں نے کہا ”تم“۔ اتنا کہتے ہی مجھے فوراً خیال ہوا کہ کہیں دلربا سر سے تو روپ بدل کر نہیں آگئی ہے۔ مگر فوراً ہی اس خیال کا اس بات سے تردید ہو گئی کہ دلربا سر سے اکثر لوگوں کو نظر آئی ہے انہوں نے اسے نوجوان اور حسین دیکھا ہے۔

اس نے کہا۔ ”تم مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے۔“

میں نے کہا۔ حیران ہونے کی بات ہی ہے۔ کیا تم سیریس دیوی کی سہیلیوں میں سے کوئی ہو....؟“

میں نے سنا تھا کہ سیریس دیوی کی سہیلیاں ہیں اور وہ مندر کے قریب ہی کہیں رہتی ہیں۔ کبھی کبھی خوش قسمت لوگوں کو ان کی زیارت بھی ہوتی ہے۔

اس قسم کا تھا جیسے کوئی خوفناک جانور اپنا بڑا سا منہ کھولے کھڑا ہو۔ مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اس نے مسکرا کر کہا۔ ”خوف نہ کرو۔ مدت دراز سے یہ غار میرا مسکن ہے آؤ چلے آؤ۔“ اگر وہ خاتون میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں ہرگز بھی اس غار میں داخل نہ ہوتا۔ میں اس کے پیچھے چلا اور غار میں گھس گیا وہ چند قدم سیدھی چل کر داہنی طرف مڑی وہاں اگرچہ اندھیرا تھا مگر روشنی کا کچھ کچھ عکس پڑ رہا تھا وہ ایک جگہ پہنچ کر رک گئی یہاں پر کافی روشنی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ جگہ ایک کمرہ سے مشابہ ہے اس کے ایک طرف گھاس کا بستر بچھا تھا اور دوسری طرف پکانے کھانے کے کچھ برتن رکھے تھے اس نے کہا۔ ٹھہرو! میں تمہارے لئے پانی لے آؤں پہلے منہ ہاتھ دھو لو۔

میں نے دیکھا۔ وہاں کہیں بھی پانی نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔ پانی کہاں سے لاؤ گی....؟“

اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”مجھے کہیں باہر نہیں جانا ہے پانی یہیں ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے لوٹا اٹھایا اور جس طرف برتن رکھے تھے اس طرف بڑھ کر چٹان کے پیچھے چلی گئی۔ مجھے بھی یہ معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا کہ آخر وہ کہاں سے پانی لاتی ہے۔ میں بھی چٹان کے پیچھے گیا میں نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا چشمہ رواں تھا۔ اس نے اس میں سے پانی بھرا اور میرے پاس لائی۔ میں نے منہ ہاتھ دھوئے اور اس نے کھانا تیار کیا۔ اب دن چھپ گیا اور ہم نے رات کو کھانا کھایا۔ پھر میں نے پوچھا تم کون ہو....؟“

اس نے جواب دیا۔ ”میں ایک مسلمان عورت ہوں۔“

مجھے بڑا تعجب ہوا۔ وہاں کسی مسلمان عورت کا کیا کام۔ میں نے کہا۔ کیا تم یہاں پر تنہا رہتی ہو....؟“

وہ۔ ”اب تو تنہا ہی رہتی ہوں۔“

میں۔ ”مگر تم یہاں تنہا کیوں رہتی ہو۔“

وہ۔ مجھے جس کی تلاش ہے وہ یہیں آکر مجھ سے ملے گا۔“

میں۔ ”کون ہے....؟“

وہ۔ ”ایک مسلمان ہے۔“

میں۔ ”وہ یہاں کیوں آنے لگا۔“

وہ۔ ”ضرور آئے گا۔ کیا تم سیاح نہیں ہو۔“

میں۔ ”بے شک میں سیاح ہوں۔“

وہ۔ ”مجھے ایک بزرگ نے بتایا تھا کہ جس سال یہاں ایک سیاح آئے گا اسی سال وہ آئے گا جس کی مجھے تلاش ہے مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اس نے کہا۔ ”حیرت نہ کرو۔ تم جس کسی مسلمان سے ملو اس سے میرا پیغام پہنچا دو کہ میں یہاں اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ وعدہ کرو کہ تم میرا پیغام پہنچا دو گے۔“ میں نے وعدہ کیا۔ اس نے میرا بستر الگ کر دیا۔ ہم دونوں سو گئے۔ صبح اس نے ناشتہ تیار کیا۔ میں ناشتہ کر کے وہاں سے چلا آیا اور اس تلاش میں رہا کہ کوئی مسلمان ملے تو میں اس خاتون کا پیغام اس تک پہنچا دوں۔ مگر مجھے کوئی بھی مسلمان نہ ملا۔ اب آپ ملے ہیں میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا آپ تک اس کا پیغام پہنچا دیا۔“

نوجوان افسر نے کہا لبیک لبیک (حاضر ہوں حاضر ہوں) ہم انشاء اللہ ضرور اس خاتون کے پاس جاویں گے۔ ”سیاح بڑا متعجب ہوا اسے حیرت ہوئی کہ ایک نادار خاتون کے پاس جانے کے لئے افسر نے وعدہ کر لیا۔“

(۱۳)

کچھ وقفہ کے بعد سیاح نے کہا کیا وہ ضعیفہ اس خطرناک مقام پر آپ کا ہی انتظار کر رہی ہے۔“

افسر۔ ”ہم اسے نہیں جانتے۔ وہ ہمیں بھی نہیں جانتی۔ اس لئے یہ کہنا کہ وہ ہمارا انتظار کر رہی ہے ٹھیک نہیں ہو سکتا۔“

سیاح۔ ”مگر اس نے کہا تھا کہ جس کی مجھے تلاش ہے وہ یہیں آکر ملے گا۔“

افسر۔ ”ممکن ہے وہ کوئی اور شخص ہو اور وہاں آجائے۔“

سیاح۔ ”آپ اس کے پاس کب جائیں گے۔“

افسر۔ ”انشاء اللہ کل روانہ ہو جائیں گے۔“

سرپی نے مضطرب ہو کر کہا۔ مگر آپ تو کہتے تھے کہ ہم سیفالو چلیں گے۔ اور روزلیا کو راہیوں سے واپس لیں گے۔“

افسر۔ ”اگر زندگی ہے تو ہم سیفالو بھی ضرور جائیں گے تم اطمینان رکھو۔ ہم روزلیا کو راہیوں سے واپس لیں گے۔“

سرپی۔ ”لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس عرصہ میں روزلیا پر کیا کچھ نہ بیت جائے۔“

افسر۔ ”خدا سے بہتری کی امید رکھنی چاہئے۔“

فے نس۔ ”مگر میرے آقا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پہلے سیفالو چلیں اور وہاں سے روزلیا کو ساتھ لے کر اس ضعیفہ کے پاس چلیں۔“

افسر۔ نہیں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ایک مسلمان خاتون ایک خطرناک مقام پر ایک عرصہ سے مقیم ہے اور کسی مسلمان کے آنے کا انتظار کر رہی ہے۔ سیاح نے اس کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے۔ اب ہمارا فرض ہو گیا ہے کہ ہم جلد سے جلد اس کے پاس پہنچ جائیں۔“

فے نس۔ ”مگر ایسا نہ ہو کہ راہب اس کے ساتھ کچھ زیادتی کریں اور روزلیا اپنی جان پر کھیل جائے۔“

افسر۔ ”اول تو راہب پہلے اسے اپنے مذہب کی تلقین کریں گے وہ نہ مانے گی تب وہ اسے سمجھا دیں گے اور جب تک وہ خوشی سے ان کے مذہب میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک سمجھاتے رہیں۔ دوسرے وہ اس بات سے ڈریں گے کہ ان کے قریب ہی اسلامی دارالسلطنت ہے۔ اگر انہوں نے اس پر سختی کی تو مسلمانوں کو معلوم ہو جائے گا اور وہ انہیں سزا دیں گے۔ تم اطمینان رکھو۔ روزلیا پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔“

فے نس اور سرپی اب کیا کہتے خاموش ہو گئے۔ مگر ان کے چہروں سے ظاہر تھا کہ وہ افسر کی اس تجویز کو پسند نہیں کرتے وہ دونوں غمزدہ ہو گئے۔ افسر نے کہا

اگر ”تم رنجیدہ ہوتے ہو تو ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ تمہارے ساتھ پچیس سوار کر دیں اور تم سیفالو کی خانقاہ میں جا کر ان سواروں کی مدد سے روزلیا کو واپس لے لو۔“

فے نس۔ ”میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھا۔“

افسر۔ ”افسوس یہ ہے کہ اسلامی حمیت کی وجہ سے ہم اول خاتون کے پاس جانے پر مجبور ہیں۔ اگر ہم وہاں نہ جائیں اور خدا نخواستہ اس خاتون کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو تمام عمر افسوس رہے گا۔ قیامت کے دن خدا جب ہم سے پوچھے گا کہ میری ایک بندی کا پیغام تیرے پاس پہنچا تو تو نے اس کی کیا مدد کی اس وقت ہم کچھ جواب نہ دے سکیں گے۔“

فے نس۔ بہتر ہے اس خاتون کی ہی پہلے خبر لیجئے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔“ سرپی نے جلدی سے کہا اور میں بھی۔“

افسر۔ ”تم دونوں چلنا۔“

وہ روز تیاری میں گریزا۔ دوسرے دن افسر اپنے سوپاہیوں کو ساتھ لے کر خاتون کی طرف چلے۔ فے نس اور سرپی بھی ساتھ ہو لئے۔ افسر نے اپنے کوچ کرنے سے پہلے قصریانہ کے معزز لوگوں کو بلا کر یہ ہدایت کر دی کہ وہ روزلیا کے واپس آنے تک پجاری کی حفاظت کا اقرار کر لیا۔ سیاح ان کا رہنما ہوا دراصل سیاح کو یہ یقین تھا کہ اس خاتون کے سینے میں کوئی راز ہے اسے اس کا راز معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا پھر سیاح کے لئے بھی ایک گھوڑا فراہم کر لیا گیا تھا فے نس اور سرپی بھی گھوڑوں پر سوار تھے چونکہ افسر جلد سے جلد خاتون کے پاس پہنچنا چاہتے تھے اس لئے تیزی سے سفر کر رہے تھے ان کا رخ اس وادی کی طرف تھا جو کہ آتش فشاں کو پہاڑ کے سلسلہ سے الگ کرتی ہے وہ اس لاوے پر چل رہے تھے جو برسہا برس سے اٹینا آتش فشاں پہاڑ سے بحروم کی طرف بہتا رہا تھا۔ اس طرف چھوٹے چھوٹے جنگل تھے وہ ان جنگلوں کو عبور کر رہے تھے۔

اگرچہ وہ اٹینا آتش فشاں پہاڑ سے بہت فاصلے پر تھے لیکن پہاڑ کی گڑ

گڑاہٹ کی آوازیں برابر آ رہی تھیں کبھی کبھی یہ گڑگڑاہٹ بادلوں کی تیز گرج سے بھی بڑھ جاتی تھی ایک رات کو وہ ایک میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے چھوٹا سا میدان تھا اس کے چاروں طرف درختوں کے جھنڈ تھے آدھی رات کے بعد زلزلہ کا ہلکا جھٹکا محسوس ہوا۔ یہ سب لوگ جاگ پڑے۔ پھر دوسرا اور جھٹکا آیا۔ یہ جھٹکا پہلے سے زور کا تھا۔ اس سے وہ قطعہ لرز گیا تھا جس پر وہ ٹھہرے ہوئے تھے انہیں خوف ہوا کہیں وہ نکڑا ہی شق نہ ہو جائے مسلمانوں نے نماز خوف پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے امن و سلامتی کی دعا مانگی پھر صبح صادق کے وقت بہت زور کا جھٹکا آیا وہ جگہ جہاں پر یہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے شق ہو گئی اس کا کچھ حصہ نیچے لڑھک گیا فے نس اور سرپی خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔ مسلمان بھی فکر مند ہوئے نوجوان افسر نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ مت گھبراؤ شاید یہ بات ہمارے لئے بہتر ہو۔

گڑگڑاہٹ اس قدر بڑھ گئی تھی کہ خوف معلوم ہونے لگا تھا۔ خدا جانے کہاں تک پہاڑ کا یہ حصہ دہستا چلا گیا تھا جب تڑانے کی آواز آتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ اور کوئی چٹان پھٹ گئی یا کوئی اور حصہ دھنس گیا ہے۔

ہر تڑانے کی آواز پر یہ لوگ اچھل پڑتے تھے فے نس اور سرپی ایک جگہ بیٹھے تھے انہوں نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا تھا اور زلزلے کے جھٹکے برابر آ رہے تھے پہاڑ کا یہ حصہ پتے کی طرح لرز رہا تھا تراخوں پر تڑانے کی آوازیں آ رہی تھیں کہ دل بیٹھے جاتے تھے ایک زور کا جھٹکا اور لگا اور بڑی سخت تڑانے کی آواز آئی۔ جس جگہ یہ لوگ بیٹھے تھے وہ ہچکولے کھانے لگی اور ایسی پست ناک آوازیں آ رہی تھیں کہ دل بیٹھے جاتے تھے۔ انہیں خوف ہوا کہ وہ جگہ بھی شق ہو کر دھنسنے والی ہے مسلمان خدا سے بہتری کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

نوجوان افسر نے ایک جگہ کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کی ان کی آواز بھی تراخوں اور گرج کی آوازوں میں جذب ہو کر رہ گئی۔ چونکہ وہ جگہ ہچکولے کھا رہی تھی اس لئے کھڑا ہونا دشوار تھا مسلمانوں نے جلدی جلدی سختیں پڑھیں اور پھر جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے دراصل انہوں

نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ قطعہ غرق ہونے والا ہے اور اس کے ساتھ ہم بھی غرق ہونے والے ہیں اس لئے نماز کی حالت میں ہی غرق ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہو گا شہادت صغریٰ کا ثواب مل جائے گا اللہ اللہ! کیسے لوگ تھے وہ ان کے پیش نظر خدا کی عبادت اور اس کی خوشنودی تھی۔ وہ اللہ کے لئے جینا اور اللہ کے لئے مرنا جانتے تھے ایک ہم مسلمان ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں انقلاب کی تباہ کاری قوم کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ ہم مر رہے ہیں کٹ رہے ہیں ہم پر خوف و ہراس طاری ہے۔ مگر ہم اس خدا کے سامنے نہیں جھکتے۔ جو چشم زدن میں ہم کو سہارا دے کر سنبھال سکتا ہے۔ ہمارے دلوں سے خوف و ہراس دور کر سکتا ہے ہمیں سکون عطا کر سکتا ہے اب بھی ہم اس سے بغاوت کئے ہوئے ہیں اب بھی ہم لہو و لعب میں مصروف ہیں اب بھی ہم نمازیں نہیں پڑھتے خدا کو یاد نہیں کرتے اور اس سے امن و سلامتی کی دعائیں نہیں مانگتے میرا یہ ایمان ہے کہ اگر ہم خدا کے سامنے جھک جائیں اس کی عبادت خلوص سے کرنے لگیں تو تباہی سے بچ جائیں۔

مسلمانوں نے نماز پڑھ لی۔ اب سپیدہ سحر نمودار ہو گیا تھا اور دور تک کی چیزیں نظر آنے لگی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے جو درختوں کے جھنڈ کھڑے تھے وہ سب دھنس چکے تھے نیز کئی چٹانیں پھٹ گئی تھیں اور جس قطعے پر وہ تھے اس پر جگہ جگہ غار پیدا ہو گئے تھے۔ اب انہوں نے جلدی جلدی کوچ کی تیاری کی اور وہاں سے چلے لیکن وقت یہ پیش آئی کہ راستے میں دراڑیں پڑ گئیں تھیں۔ سیدھے نہیں چل سکتے تھے۔ پیچ و خم کھا کر چلنے لگے وہ گھوڑوں پر سوار نہیں ہوئے۔ بلکہ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور آہستہ آہستہ پیچ کر چلے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ نوجوان افسر ایک گڑھے میں گر پڑے۔

یہ قافلہ رک گیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ افسر کے اوپر گھوڑا نہیں گرا۔ افسر کے گرتے ہی ان کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ چھوٹ گئی اور گھوڑا پیچھے ہٹ گیا چند مسلمانوں نے جھانک کر دیکھا۔ گڑھا بہت گہرا تھا۔ انہیں افسر نظر نہیں آئے۔

انہیں بڑا فکر ہوا اور انہوں نے آوازیں دیں آواز کا جواب بھی نہیں آیا۔ ایک مسلمان نے کہا ”خدا ہم پر رحم کرے۔“ اگر ہم نے اپنے آقا زادے کو کھو دیا تو اپنے آقا کو کیا جواب دیں گے۔ اور کیسے انہیں منہ دکھائیں گے دوسرا بولا گھوڑے باندھنے کے لئے رے جلدی جلدی نکالو اور انہیں باندھ کر لٹکاؤ۔ جلدی کرو میں اس غار میں اتروں گا۔“ تیسرا بولا خدا بہتر کرے۔“ اور انہوں نے تمام گھوڑوں کے رے جمع کئے اور انہیں باندھنے لگے۔

(۱۳)

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نوجوان افسر سے تمام سپاہیوں کو بہت زیادہ محبت تھی۔ ان کے غار میں گر جانے سے سب پریشان اور مضطرب ہو گئے تھے۔ رے لائے گئے اور ان میں مضبوط گرہیں لگا کر ایک لمبا رسا بنایا گیا۔ اس رے کو غار میں لٹکایا۔ اس کا سرا کئی آدمیوں نے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ایک آدمی نیچے اترا۔ اس نے کافی گہرائی میں جا کر آواز دی۔

”صاحب عالم....“ فوراً ہی جواب آیا۔ کیا غضب کر رہے ہو۔ یہ یاد رکھو ہم صرف ایک افسر ہیں۔

سپاہی :- ”مجھ سے اضطراب میں یہ غلطی ہوئی۔ معاف کر دیجئے۔“

افسر :- ”کوئی بات نہیں۔ مگر احتیاط کو اپنی چادر گردانو۔“

سپاہی :- ”احتیاط رکھوں گا۔ چوٹ تو نہیں آئی آپ کے؟“

افسر :- ”اتنی بلندی سے گر کر چوٹ نہ آنا معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔“

سپاہی :- ”رسی کا سرا آپ کے پاس پہنچ گیا ہے۔“

افسر :- ”ہاں پہنچ گیا ہے۔“ عبدالرحمن ہم چاندی کی کان پر آگئے ہیں۔ اس

سپاہی کا نام عبدالرحمان تھا۔ انہوں نے کہا کیا مطلب ہے اس سے آپ کا۔“

افسر نے کہا ”مطلب یہ ہے کہ یہاں کسی سفید چیز کے ڈھم ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں یہ

چاندی ہے۔ عبدالرحمان باتیں بھی کر رہے تھے اور نیچے بھی اترتے جاتے تھے وہ

افسر کے پاس پہنچ گئے اس وقت وہاں یعنی غار میں خفیف سی روشنی ہو گئی تھی اس روشنی میں عبدالرحمان نے بھی دیکھا یہ مٹی کے ڈھم تھے۔ جن پر سفیدی غالب تھی۔ انہوں نے ان ڈھموں پر ہاتھ پھیرا چاندی کے چھوٹے چھوٹے سخت ٹکڑے مٹی میں ملے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ میرے آقا یہ ضرور چاندی ہی ہے۔“

افسر :- ”ایسا معلوم ہوتا ہے یہاں چاندی کی کان تھی۔ زلزلے سے یہ جگہ شق ہو گئی ہے چاندی اور مٹی مل کر بڑے بڑے جھانوسے بن گئے ہیں۔“

عبدالرحمان :- ”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

چاندی ملنے کی خوشی میں عبدالرحمان افسر سے یہ معلوم کرنا بھول گئے کہ ان کے کس جگہ چوٹ آئی ہے۔ اب انہیں خیال ہوا۔ انہوں نے کہا خوشی نے مجھے کس قدر متوالا کر دیا۔ میں یہ دریافت کرنا بھی بھول گیا کہ آپ کے چوٹ کہاں آئی ہے؟“

افسر :- ”ہمارے گھٹنوں اور کہنیوں میں خراش آئے ہیں۔ خدا نے ہمیں بچا لیا ہے۔“

عبدالرحمان :- ”آپ رسہ پکڑ سکتے ہیں۔“

افسر :- ”یقیناً“ گو خراش پڑے ہیں لیکن ہم مجاہد ہیں۔ ایسی معمولی خراشوں کی تکلیف کو خاطر میں نہیں لاتے۔“

عبدالرحمان :- ”اچھا تو آپ رسہ پکڑ کر اور اوپر چڑھیں۔“

افسر :- ”کیا تم ایک ڈھم لاسکو گے۔“

عبدالرحمان :- ”ایک نہیں کئی ڈھم لانے کی کوشش کروں گا۔“

افسر :- ”مگر کس طرح؟“

عبدالرحمان :- ”میں اپنے عمامے میں دو جھانوسے باندھ لوں گا۔“

افسر نے خوش ہو کر کہا۔ ٹھیک تدبیر تمہاری سمجھ میں آئی۔ اچھا دو جھانوسے ہمارے عمامے میں بھی باندھو۔

اور عبدالرحمان نے دو ہلکے ہلکے ڈھم باندھ دیئے۔ افسر نے انہیں اپنی کر

اس شہر کو مضبوط اور ناقابل تسخیر بنانے کے لئے رومیوں نے تین فصیلیں یکے بعد دیگر اس کے گرد بنائی تھیں۔ ان فصیلوں سے وہ اس قدر مضبوط ہو گیا تھا کہ اس کی فتح غیر ممکن سمجھی جاتی تھی۔

مرقوسہ پر مسلمانوں نے وسط ربیع الاول ۲۱۲ھ ہجری، مطابق وسط ماہ جون ۶۸۳ء جو لشکر کشی کی لیکن اسلامی لشکر میں وبا پھوٹ پڑی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو محاصرہ اٹھالینا پڑا۔ مسلمانوں نے کیوں لشکر کشی کی تھی یہ بات آئندہ ابواب میں معلوم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔

افسوس سے فتنے کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ بات اس جزیرہ میں کس زمانے سے مشہور ہے؟

فے نس:- اس وقت سے جب سے سرقوسہ پر مسلمانوں نے لشکر کشی کی تھی۔ اس زمانے میں ارشمیدس بڑا جادوگر تھا وہ مار سے بس کا استاد تھا۔ اس نے یہ پیش گوئی کی تھی اس کی یہ پیش گوئی تمام جزیرہ میں مشہور ہو گئی تھی۔

اس عرصہ میں عبدالرحمان بھی اوپر چڑھ آئے۔ انہوں نے بھی اپنا عمامہ کھول کر چاندی کے تھوئے سب کے سامنے رکھ دیئے۔ وہ تین تھے ان میں پتھری مٹی کم تھی اور چاندی زیادہ تھی۔ چاندی کے ذرات نہیں تھے بلکہ موٹے ٹکڑے تھے۔ عبدالرحمان کو بھی اس پیش گوئی سے مطلع کیا گیا۔ جو فے نس نے سنائی تھی۔

افسوس نے کہا۔ ”پیش گوئیوں پر یقین کرنا درست نہیں ہے۔ اب یہ سوچو کہ کیا اس غار میں سے اور چاندی نکالی جائے یا فی الحال اس کا نکالنا ملتوی کر دیا جائے۔ عبدالرحمان نے کہا میرے خیال میں جس قدر چاندی نکالی جاسکتی ہے نکال لینی چاہئے۔

فے نس:- ”مگر آپ زیادہ چاندی نہ نکال سکیں گے۔ مار سے بس نے ابھی تقریباً دو برس ہوئے ایک موقع پر کہا تھا کہ سسلی کا علاقہ جو چاندی، سرقوسہ کے قریب کے سامنے پیش کرے گا وہ اسے زیادہ تعداد میں نہ مل سکے گی۔“

افسوس:- فے نس ہم لوگ مسلمان ہیں اور مسلمان ان پیش گوئیوں پر تو یقین

سے باندھ لیا اور اوپر چڑھنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں زخم آگئے تھے رسہ پکڑ کر اوپر چڑھتے ہوئے انہیں بڑی تکلیف ہوئی مگر وہ چڑھتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ اوپر آگئے۔ سپاہیوں نے انہیں اوپر کو کھینچ لیا۔ جب وہ غار میں سے نکل کر کھڑے ہوئے تو ان کو سپاہیوں نے دیکھا۔ ان کی شلوار گھٹنوں پر سے پھٹ گئی تھی۔ اور پانچوں پر خون کے دھبے تھے۔ سب کو افسوس ہوا کہ ان کے چوٹ آگئی۔ سپاہیوں نے فے نس اور سربئی نے دیکھا کہ ان کی کمر سے کوئی چیز بندھی ہوئی ہے۔ انہیں بڑا تعجب ہوا کہ وہ کیا چیز باندھ لائے ہیں۔

افسوس نے بیٹھ کر اپنا عمامہ کمر سے کھولنا چاہا لیکن زخمی ہاتھ کام نہ دے سکے دو سپاہیوں نے جلدی جلدی کھولا۔ اور جب وہ چیز سب کے سامنے آئی تو سب حیران رہ گئے۔ سیاہ مٹی میں سفید چاندی ملی ہوئی تھی۔ فے نس نے اول حیرت اور خوف بھری نگاہوں سے افسوس کو دیکھا اور پھر چاندی کو۔ اس نے کہا یہ چاندی آپ کو کہاں سے ملی؟

افسوس:- ”اس غار میں سے جس میں ہم جا پڑے تھے۔“

فے نس:- ”یہ چاندی ہے آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ہماری قوم میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں چند مسلمان اس علاقہ میں آویٹ گئے۔ اس علاقے کی پہاڑی انہیں چاندی کا خراج دے گی اور جسے یہ خراج ملیگا وہ سارا کیوس (سرقوسہ) کو فتح کریں گے۔ وہ وقت آگیا ہے اس پہاڑی نے آپ کو چاندی کا خراج ادا کر دیا ہے۔ آپ ہی وہ خوش قسمت ہیں جو اس جزیرہ کی مشہور بندرگاہ اور اس بندرگاہ کے مشہور قلعہ سارا کیوس (سرقوسہ) کو فتح کریں گے۔

سارا کیوس (سرقوسہ) جزیرہ سسلی میں نہایت مشہور شہر تھا۔ یہ اس جزیرہ کے جنوب و مشرق کی طرف واقع تھا۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے بھی ساڑھے سات سو برس پہلے آباد ہوا تھا۔ اسے آباد کرنے والوں نے ایک میل کے حلقے میں اسے آباد کیا تھا۔ یہ لوگ بت پرست تھے۔ انہوں نے کئی خوبصورت مندر تعمیر کرائے اور رفتہ رفتہ اس شہر نے بڑی ترقی کی۔ اس شہر کے قریب ایک زبردست بندرگاہ بن گیا۔ نیز شہر کا محیط ساڑھے گیارہ میل ہو گیا۔

کرتے ہیں جو ان کے محترم نبی صلعم نے کی ہیں۔ اس لئے وہ عیشت گویاں خدا کے حکم سے کی گئیں ہیں۔ اور کسی کی عیشت گوئی پر بالکل یقین نہیں کرتے۔ البتہ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ علم نجوم ایک علم ہے۔ لیکن اس میں بھی غلطی ممکن ہے۔ اکثر نجومی ہی عیشت گویاں کرتے ہیں۔ ان میں اکثر غلط بھی ہوتی ہیں۔ اور بعض صحیح بھی۔ لیکن ان پر یقین کر لینا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اب وہ سپاہیوں کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ تم میں سے چند نوجوان اتر جاؤ اور تین تین چار بڑے ڈلے اٹھا لاؤ۔

کئی مسلمان رسہ کے ذریعہ سے غار میں اتر گئے۔ چونکہ اب کافی دن چڑھ آیا تھا۔ غار کے اندر اچھی خاصی روشنی ہو گئی تھی۔ سپاہیوں نے غار میں اتر کر ڈلے عماموں میں باندھ لئے اور اوپر آگئے۔ تقریباً "پچیس سوار چاندی کے بڑے بڑے ڈیڑھ سو ڈلے اٹھا لائے یہ وزن میں کئی من کے تھے ان کے پاس ایسا کوئی سامان نہیں تھا۔ جس سے وہ مٹی علیحدہ کر کے چاندی صاف کر لیتے۔ انہوں نے ایک ڈلے کو توڑ کر مٹی ہٹانی چاہی وہ بکھر گیا چاندی کے ٹکڑے مٹی میں ملے رہ گئے۔ انہیں صاف کر کے ہٹانے میں بڑی دقت ہوئی اور بڑا وقت صرف ہوا۔ اس لئے ڈلے توڑنے کا سلسلہ ملتوی کر دیا گیا۔

افرنے وہاں سے ہٹ کر ایک اونچے قلعہ کوہ پر قیام کر دیا اور کھانا تیار کرنے کا حکم دیا سپاہی کھانا تیار کرنے لگے۔ چونکہ ان کا ارادہ سفر کرنے کا تھا اس لئے جلد کھانا کھا کر فارغ ہو گئے۔ عین اس وقت پھر زور کی گرج ہوئی اور زلزلہ کا زور دار جھٹکا آیا اور کچھ دور کی چٹانیں پھٹ کر گر گئیں دیر تک گڑگڑاہٹ ہوتی رہی۔ یہ لوگ بیٹھ گئے۔ گھوڑے بھی خوفزدہ ہو کر بیٹھ گئے اور کچھ دیر بعد جب گڑگڑاہٹ بند ہو گئی اور زلزلے کا اندیشہ جاتا رہا تو ان لوگوں نے گھوڑوں پر زین کئے۔ جب وہ اس جگہ آئے جہاں سے انہوں نے چاندی نکالی تھی تو دیکھا کہ اس غار میں ایک چٹان الٹ کر جا پڑی ہے اور وہ غار قریب قریب بھر گیا ہے۔ فے نس نے کہا۔ آپ نے دیکھا اس علاقہ کو جو خراج ادا کرتا تھا کر دیا۔ اب اس چٹان کو توڑ کر چاندی نکالنا تو ناممکن ہے۔ فے نس نے سچ کہا

تھا۔ اب اس میں سے چاندی نکالنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اب یہ قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

جوں جوں یہ قافلہ بڑھتا جاتا تھا زلزلے کی تباہ کاریاں دیکھتا جاتا تھا کہیں چٹانیں پھٹ کر الٹ گئی تھیں۔ کہیں دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ کہیں جنگل تھس تھس ہو گیا تھا۔ کہیں سے پانی بننے لگا تھا۔ یہ قافلہ چلتا رہا اور پہاڑ کو عبور کر کے ایک مسطح میدان میں پہونچا۔ اور رات کو انہوں نے وہیں قیام کر دیا اور پھر صبح کی نماز پڑھ کر وہاں سے آگے چلے۔

اس نواح میں خانقاہیں اور کلیسا کثرت سے تھے اور ان کلیساؤں اور خانقاہوں کے نام کئی کئی گاؤں وقف تھے۔ ان دیہات میں جو آراضی تھی ان میں اکثر کیا زیادہ تر چاول کی کاشت ہوتی تھی۔ کلیساؤں اور خانقاہوں کے بشپ اور راہب چاول کی کاشت کراتے تھے۔ یہ کاشت ان کے غلام کیا کرتے تھے اور غلام جزیرہ سسلی کی پرانی قوموں کے لوگ تھے یعنی وہ یونانی، اور رومی بت پرست تھے اور عیسائوں کے آنے سے پہلے اس جزیرہ کے اصلی باشندے تھے۔ لیکن حضرت مسیح کی یہ بھیڑیں نہایت ظالم اور سنگدل تھیں عام عیسائی تو کیا راہب اور بشپ تک بڑے ظالم تھے۔ کچھ لوگوں کو تو ان مقدس بزرگوں نے کوڑیوں کے مول خریدا تھا اور کچھ کو اپنی رحمتی اور انصاف پسندی کا یقین دلا کر بغیر خریدے ہی غلام بنا لیا تھا۔ شروع شروع میں مقدس راہبوں اور شپوں نے ان لوگوں کے ساتھ نرم اور اچھے سلوک کئے ان کی ضروریات سے زیادہ انہیں دیا اور کام کم لیا۔ اس سے ان کی شہرت ہو گئی اور لوگ جوق در جوق ان کے پاس غلام بننے کے لئے آئے لگے چونکہ وہ انہیں ایسی ملک سمجھتے تھے جو آگے چل کر نہایت نفع بخش ثابت ہو اس لئے انہوں نے جو لوگ بھی آئے انہیں اپنا غلام بنا لیا۔ مگر جب ان کے پاس غلاموں کی تعداد کافی ہو گئی تو انہوں نے مظلوم

غلاموں کے لئے ایک نہایت ہی ظالمانہ قانون یہ بنایا کہ غلاموں کی اولاد بھی عیسائیوں کی ملک ہوگی۔ وہ ان کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔

جزیرہ سسلی کے پرانے باشندے نہایت سادہ لوح تھے اور مکاری و فریب کو نہ جانتے تھے۔ وہ عیسائیوں کی مکارانہ سیاست کو نہ سمجھ سکے انہوں نے اس قانون کو مان لیا۔ اس قانون کے بننے کے بعد ہی غلاموں پر سختیاں شروع ہو گئیں پہلے وہ بہت کم کام کرتے تھے اب انہیں دن بھر اور رات کے کچھ حصہ میں بھی کام کرنا پڑتا تھا۔ وہ دلدلوں میں کام کرتے کرتے بیمار ہو جاتے تھے۔ بیماری کی حالت میں ان کی مطلق خبرگیری نہ کی جاتی تھی انہیں مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اگر وہ اپنی سخت جانی سے بچ جاتے تھے تو پھر انہیں کام کرنے کے لئے پکڑ لیا جاتا تھا۔ نیز ہر کلیسا و خانقاہ کے متعلق ہزاروں غلام تھے۔ ان پر انسانیت سوز سختیاں کی جاتی تھیں انہیں سینچتے تھے انکی رکھوالی کرتے تھے انہیں کاٹتے گاہتے تھے اور مونجی میں سے چاول نکالتے تھے کوئی غلام دن میں ایک گھنٹہ بھی آرام نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر کوئی تھک کر بیٹھ جاتا تو رحمل (جی کوڑوں سے اس کی کھال اڑا ڈالتے۔ شروع شروع میں ان غلاموں کو تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ مگر جب نئے قانون کی رو سے غلام اور ان کی اولاد عیسائیوں کی ملک قرار دیدیئے گئے تو ان بیچاروں نے اپنے پیٹ کاٹ کر جو کچھ جمع کیا تھا وہ بھی ان سے چھین لیا گیا اور انہیں صرف روٹی اور کپڑا دیا جانے لگا۔

اگر اس حد تک غلاموں پر سختی کی جاتی تو غنیمت تھا۔ اگر مقدس بشارت اور بزرگ پادری اسی پر کیوں بس کرنے لگے تھے۔ انہوں نے ان مظلوم غلاموں کی اولاد کو فروخت کرنا شروع کر دیا۔ غلام روتے تھے ان کی عورتیں پچھاڑیں کھاتی تھیں کہ ان کی اولاد کو ان سے نہ چھینا جائے ان کے جگر گوشوں کو بیچا نہ جائے لیکن ان کے پتھر دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ کوڑے مار مار کر ماں اور باپ کو چپ کرا دیتے تھے اور ان کے معصوم بچوں کو منڈیوں میں لیجا کر بیچ آتے تھے۔ اگر غلاموں نے زیادہ جزع فزع کی تو ان سے کہہ دیا کہ وہ عیسائی ہو جائیں جو لوگ عیسائی ہو جائیں گے ان کے ساتھ انصاف کیا جائے گا مگر وہ لوگ اپنا

مذہب نہ چھوڑتے تھے۔ ان غلاموں کی حالت حد درجہ خراب تھی۔۔۔ مسلمانوں کا قافلہ ایک روز کچھ دن چڑھے ایک عالیشان کلیسا کے سامنے جا کر رکا۔ کلیسا کے باہر تقریباً ایک ہزار غلام مرد عورتیں اور بچے بیٹھے تھے یہ سب لوگ نہایت غمگین اور آرزو تھے عورتوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

افسر نے اپنے سپاہیوں کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ سپاہی اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ افسر نے فے نس کے ساتھ لے کر مظلوم غلاموں کے پاس پہنچے۔ انہوں نے ایک بوڑھے غلام سے پوچھا۔ تم لوگ غمزدہ کیوں ہو؟ اس نے جگر دوز ٹھنڈی آہ بھری۔ اور کہا ”قسمت نے انہیں غلام بنایا ہے اور غلاموں نے ہمیں انسانی صف سے خارج کر دیا ہے۔ ہم کلیسا کے رحمل پادریوں کے غلام ہیں۔ تمام دن اور آدھی آدھی رات تک اپنی جانیں صلجتے ہیں تب کھانا اور کپڑا پاتے ہیں۔ اگر بیمار ہو جاتے ہیں تو مرنے کے لئے چھوڑ دیئے جاتے ہیں دوا اور خبرگیری کا تو ذکر کیا۔ کھانے تک کو نہیں ملتا اگر گڑ گڑا کر کھانے کو مانگتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ آج تم نے کام کیا کیا ہے جو کھانے کو ملے اگر عرض کرتے ہیں کہ بیمار ہو گئے ہیں اچھے ہو کر کام زیادہ کر کے بیماری کے دنوں کی کسر نکال دینگے تو گودھے مارے جاتے ہیں ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جب ہمارے بچے بولنے اور چلنے پھرنے لگتے ہیں تو ہم سے چھین کر بیچ ڈالے جاتے ہیں۔ ہماری حالت جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

افسر نے کبھی ان باتوں کو نہیں سنا تھا۔ انہیں بڑا افسوس ہوا غلام مسلمان بھی رکھتے تھے لیکن مساویانہ حقوق حاصل تھے جیسا آقا کھاتے اور پہنتے ویسا ہی انہیں کھانے اور پہننے کو دیا جاتا تھا۔ جتنا کام آقا کرتے تھے اتنا ہی

سی بی اسکاٹ اپنی تاریخ اخبار اندلس کی جلد دوم کے صفحہ ۶۷ پر تحریر کرتے ہیں کہ جزیرہ فتح صقلیہ کے باشندے غلام بنا لیے گئے۔ ہر کلیسا اور خانقاہ میں غلاموں کی تعداد بے انتہا تھی۔ یہ بد قسمت غلام بشارت اور راہبوں کی جاکیروں کا انتظام اور کاروبار کرتے تھے۔ وہ زیادہ تر چاولوں کی کاشت کرتے تھے۔ ان مقدس مذہب عیسوی کے رہنماؤں کی آمدنی کا ذریعہ یا تو ان کے غلاموں کی محنت کا ثمرہ تھا یا ان کی اولاد کی قیمت تھی کیونکہ کلیسا کی طرف سے غلاموں کے بچے فروخت کر ڈالے جاتے تھے۔

غلاموں سے لیا جاتا تھا۔ غلاموں کی اولاد آقا کی اولاد کے ساتھ پرورش پاتی تھی۔ بیماری میں ان کی خبرگیری اتنی ہی کی جاتی تھی جتنی آقا کے بیمار ہونے پر ان کی کی جاتی تھی۔ افسر نے پوچھا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو.....؟

بوڑھے نے جواب دیا اس کلیسا کے بشپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یا تو عیسائی ہو جائیں ورنہ ہمارے بچے ہم سے چھین کر فروخت کر ڈالے جاویں گے۔ افسر:- ”تم نے کیا طے کیا ہے.....؟“

بوڑھا:- ”ہم کیا طے کر سکتے ہیں سوائے اس کے اپنا مذہب نہ چھوڑیں اور اپنے جگر گوشوں کو کلیجہ پر پتھر کی سل رکھ کر ان کے حوالے کر دیں۔“ افسر:- ”تم بغاوت کیوں نہیں کر دیتے۔“

بوڑھا:- ہم میں اتنی قوت کہاں ہے؟ افسر:- قوت ہے۔ لیکن غلامی کے احساس نے تمہاری خود ارادی کو ختم کر دیا ہے۔ اس وقت پادریوں کی جماعت آئی۔ ان کے ساتھ تقریباً ”سو عیسائی کوڑے لئے ہوئے تھے۔ ایک بوڑھے پادری نے غلاموں سے پوچھا۔ بولو تم عیسائی ہونے کے لئے تیار ہو.....؟“

کئی غلاموں نے جواب دیا نہیں، ہم عیسائی نہیں ہو سکتے۔ پادری:- اچھا اپنے بچے ہمارے حوالے کر دو۔

بوڑھے غلام نے کہا ہم پر رحم کرو۔ ہمارے جگر گوشوں کو ہم سے نہ چھینو۔ پادری کو غصہ آگیا۔ ”لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔“ اس نے اپنے ساتھی عیسائیوں کو حکم دیا کہ عورتوں کی گودوں سے ان کے بچے چھین لو اور جو عورت یا مرد ذرا بھی مزاحمت کرے کوڑوں سے اس کی کھال ادھیڑ ڈالو۔

ظالم عیسائی خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے بوڑھے اور انہوں نے بچے چھیننے شروع کر دیئے۔ معصوم بچے نہ جانتے تھے ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے وہ خونخوار اور درندوں کی صورتیں دیکھ کر سسم گئے اور پاؤں سے لپٹ گئے ماؤں نے انہیں اپنے کلیجوں سے لگا لیا۔ بیدار غلاموں کی منتیں اور خوشامدیں کیں

روئیں مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بچے خاصے خوبصورت تھے۔ ایک بچے کو اس کی ماں نے اپنے سینہ سے ایسا لگایا کہ بیرحموں کے چھیننے پر نہ چھوڑا۔ ایک درندہ نے اس عورت کی پیٹھ پر کوڑوں کی بارش شروع کر دی۔ عورت ٹکلیل تھی۔ وہ پٹ رہی تھی اور کہہ رہی تھی مجھے مار ڈالو۔ میں اپنے بچہ کو اپنی زندگی میں نہ دوں گی۔ اسے اس بیدردی سے مارا کہ اس کی پیٹھ سے خون جاری ہو گیا۔ وہ ذرا ذرا رو رہی تھی۔ بچہ کو سینہ سے لگائے تھی۔ پادری دیکھ رہے تھے غصہ سے بلبل رہے تھے کہہ رہے تھے اور مارو..... اور مارو۔“

نوجوان افسر کو غصہ آگیا۔ انہوں نے تلوار میان سے کھینچ لی اور ڈیٹ کر کہا۔ خبردار جو اب کسی عورت کے ایک کوڑا بھی مارا۔

پادریوں اور ظالم عیسائیوں نے حیرت سے نوجوان افسر کی طرف دیکھا آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی نے ان کے کام میں مداخلت کی ہو۔ فے نس نے آہستہ سے کہا۔ آپ کیا غضب کرتے ہیں اس سرزمین میں کلیساؤں کی طاقت سب سے بڑی طاقت سمجھی جاتی ہے پادری نظارہ نہیں دیکھ سکتے۔ اب پادریوں کی پلٹن افسر کے پاس آئی۔ ایک پادری نے کہا۔

یہ ہمارے غلام ہیں۔ ہماری ملک ہیں ہم ان کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔ کوئی ہمارے کام میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ تم نے کس حق سے ہم کو یہ دھمکی دی ہے۔

پادری:- کیا ہم انسان نہیں ہیں.....؟“ افسر:- جو انسانوں کو انسان نہیں سمجھتا وہ انسان نہیں حیوان ہے۔ پادری:- تم نے بہت ہی سخت بات کہی ہے تمہیں اس کا جوار، تلوار کی نوک سے دیا جائے گا۔

اس نے عیسائیوں سے کچھ کہا۔ چند عیسائی وہاں سے چلے گئے اور افسر انتظار کرنے لگے کہ اب کیا ہوگا؟

فے نس نے آہستہ کہا۔ اچھا ہو کہ اب ان وحشی لوگوں سے معافی

مانگ لیں۔

افسر:- ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم انشاء اللہ دیکھو گے کہ ہم انہیں انسانیت کا سبق دیں گے۔

فے نس:- ہر کلیسا اور خانقاہ میں فوجیں رہتی ہیں مجھے خوف ہے کہیں سپاہی نہ آجائیں۔

افسر:- بالکل نہ ڈرو وہ ہمارا کچھ نہ کر سکیں گے۔ یہ بات یاد رکھو کہ ظالم بہادر نہیں ہوتے یہ لوگ بھی بہادر نہیں ہیں۔

ابھی اسی قدر باتیں ہوئی تھیں کہ کلیسا کا پھانک کھلا اور اس کے اندر سے عیسائی سپاہی نکلے۔ کلیسا کا احاطہ کافی لمبا چوڑا تھا۔ اس کے اندر ایک طرف عیسائی سپاہیوں کی بارکیں تھیں۔ پانچ سو سپاہی رہتے تھے۔ دوسری طرف چاولوں اور دوسری چیزوں کے گودام تھے۔ پھانک کے عین سامنے احاطہ کے وسط میں شاندار گرجا تھا۔ گرجے کے پیچھے باغیچہ تھا اور گرجا کے داہنے بازو کی طرف پادریوں کے لئے خوشنما کمرے تھے ان کمروں میں عیش و عشرت کے تمام سامان تھے۔ بائیں طرف وہ کنواری اچھوتیاں تھیں۔ جو کہ نینس کہلاتی تھیں اور جنہوں نے ساری عمر کنواری رہنے کا عہد کیا ہوا تھا۔

عیسائی سواروں کو دیکھتے ہی افسر نے بلند آواز سے کہا شیران اسلام جہاد کے لئے مسلح ہو کر آجاؤ۔

چنانچہ مسلمان جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی ہتھیار لگائے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے افسر کے پاس چلے آئے فے نس کو یہ اطمینان نہیں تھا کہ اتنے تھوڑے مسلمان عیسائیوں کی بھاری تعداد کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اس نے پھر افسر سے کہا۔ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

افسر:- ہمیں معلوم ہے تم نہیں جانتے کہ ہم ان شیروں کی اولاد ہیں جو کہ ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار دشمنوں سے لڑتے تھے۔ میدان جنگ ہمارے لئے باز چھا ہوا ہے۔

فے نس نے ایسی حیرت ناک نگاہوں سے افسر کو دیکھا جس سے ظاہر تھا کہ

اسے بات کا یقین نہیں آتا کہ ایک آدمی اکلا ایک ہزار دشمنوں سے لڑ سکتا ہے۔

ہے۔ چنانچہ اس نے کہا کیا ایک آدمی ایک ہزار دشمنوں سے لڑا تھا۔

افسر:- ہاں تم خود دیکھ لو گے کہ یہ لوگ ہمارے مقابلے سے کس طرح بھاگتے ہیں۔ اب کئی پادری ان کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ آپ نے دھمکی دے کر کلیسا کی توہین کی ہے۔ چونکہ ہم عیسائی ہیں اور عیسائی رحمت ہوتے ہیں۔ خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے تمہیں موقعہ دیتے ہیں کہ تم معافی مانگ لو۔ ہم اب بھی تمہیں معاف کر دیں گے۔

افسر:- جو لوگ انسانیت سے عاری ہیں جو غلاموں کو انسان نہیں سمجھتے جو عورتوں کے کوڑے مار کر ان کے معصوم بچوں کو ان سے زبردستی چھین لیتے ہیں وہ عیسائی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ حضرت عیسیٰ نے ہرگز ظلم و ستم کرنے کا حکم نہیں دیا ہے تم عیش کے بندے اور بے رحم سرمایہ دار ہو۔ تم سے معافی مانگنا انسانیت کی توہین کرنا ہے۔ تم غالباً ہمارے لباس سے سمجھ گئے ہو گے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم مظلوموں کے حامی اور ظالموں کے دشمن ہیں۔ ہم امن و سلامتی کے علمبردار ہیں۔ ہم دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ جنگ کے خواہش مند نہیں۔ ہم اب بھی درگزر سے کام لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تم ان تمام غلاموں کو آزاد کرو۔ انہیں ایک ایک مہینہ کے کھانے کا سامان دو انہیں یہاں سے چلنے جانے دو۔ اگر تم اپنے سپاہیوں کے زعم پر ہمارے مقابلے میں آگئے ہو تو یاد رکھو ہم تمہارے سپاہیوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمہیں سب کو اپنا غلام بنا دیں گے جس طریقہ سے تم ان سے کام لیتے تھے اسی طریقہ سے یہ تم سے کام لیں گے۔

پادریوں کو سخت طیش آیا ایک جو شیلے پادری نے کہا معلوم ہوتا ہے تمہاری قضا تمہیں یہاں کھینچ کر لائی ہے جب سے تم مسلمان اس جزیرے میں آئے ہو اسی وقت سے ہم تمہارے دشمن ہیں اور آج تمہیں قتل کر کے ہم اپنے دلوں کو تسکین دیں گے۔

اب پادری پیچھے چلے گئے اور عیسائی سپاہی آگے بڑھ آئے۔ اور اپنی صفیں درست کرنے لگے۔ وہ بوڑھا غلام جس نے افسر سے پہلے گفتگو کی تھی۔ افسر کے پاس آیا اس نے کہا آپ نے کہا آپ ہمارے لئے جنگ لڑ رہے ہیں۔ افسوس ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ ورنہ ہم تمہاری مدد کرتے۔ مگر ہمارے پاس

لاٹھیاں ہیں۔ پہلے ہمیں ہمارے دلوں کے حوصلے بحال کر لینے دیجئے۔
افسر نے اس کا شکریہ ادا کر کے کہا۔ اس میں شک نہیں کہ ہم تمہاری حمایت میں ان سے لڑ رہے ہیں۔ مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اس جنگ میں حصہ لو۔ تم جہاں ہو وہیں رہو اور جنگ کا تماشہ دیکھو۔

بوڑھا غلام چلا گیا۔ اس عرصہ میں عیسائیوں نے اپنی صفیں درست کر لیں۔ مسلمانوں نے ایک صف قائم کی اور پادریوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ انہوں نے سپاہیوں کو حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔

اور عیسائی جوش میں آکر بڑھے انہوں نے نہایت سختی سے حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بڑے استقلال سے ان کا حملہ روکا۔ افسر نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے تلواریں میان سے کھینچ لیں دوسرے نعرہ پر انہوں نے تلواریں بلند کیں۔ پھر افسر نے تیسرا نعرہ لگایا۔ تو تمام مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر بڑی دلیری سے حملہ کیا۔

عیسائیوں نے چاہا کہ وہ بھی مسلمانوں کا حملہ اسی آسانی سے روک لیں۔ جس آسانی سے مسلمانوں نے ان کا حملہ روکا تھا۔ مگر وہ پورا زور لگانے پر بھی ان کا حملہ نہ روک سکے انہیں اپنی جگہ پر قائم رہنا دشوار ہو گیا اور مسلمانوں کے پہلے ہی ریلے میں بہہ گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔

مسلمانوں نے انہیں پیچھے ہٹنے ہی نہیں دیا۔ بلکہ ان کے کئی بہادروں کو مار ڈالا۔ دو عیسائیوں کو نوجوان افسر نے ٹھکانے لگا دیا۔ عیسائیوں نے حسب عادت شور مچانا شروع کر دیا۔ مسلمان خاموشی سے مار کاٹ میں مشغول ہو گئے اور ہر مسلمان بڑی پھرتی سے حملے کرنے لگا۔

عیسائیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ بھی جوش میں آکر پوری طاقت سے حملہ کرتے تھے۔ مگر مسلمان ان کی تلواریں اپنی ڈھالوں پر روک کر جواب میں ان پر تلواروں کے وار کرتے تھے۔ عیسائی بھی ڈھالیں سامنے کر دیتے تھے لیکن مسلمان اس زور سے تلواریں مارتے تھے کہ ڈھالوں کو پھاڑ کر ان کے سروں کی پھانکیں کھول دیتے تھے۔ مسلمانوں نے سو عیسائیوں کو مار ڈالا۔ پادری دیکھ رہے تھے

انہیں بڑا غصہ آ رہا تھا اگر ان کی دعا میں اثر ہوتا تو وہ ان کے لئے بد دعا کرتے اور مسلمان ان کے قابو میں آجاتے تو وہ ان کے ٹکڑے اڑا ڈالتے وہ اپنے سپاہیوں کی ہمت افزائی کر رہے تھے انہیں جوش اور اشتعال دلا رہے تھے اور عیسائی جوش میں آکر بڑھے اور انہوں نے بڑے زور سے حملہ کیا۔ تلواروں پر مسلمانوں کو رکھ لیا۔ کئی مسلمان شہید ہو گئے۔

جب کوئی مسلمان شہید ہو کر گرتا تو پادری سپاہیوں کو شاباشی دیتے اور سپاہی اور بھی جوش میں آکر حملہ کرتے۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کے کئی پھانکی شہید ہو گئے تو انہیں جوش آگیا۔ اور انہوں نے جم کر عیسائیوں کے سیلاب کو روکا۔ اور اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ انہوں نے اس حملہ میں پچاس سے زیادہ عیسائیوں کو مار ڈالا۔ عیسائیوں نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور انہوں نے جتنا چاہا۔ مسلمانوں نے ٹھہرنے نہیں دیا۔ پے در پے حملے کرتے انہیں مارتے کاتے بٹاتے چلے گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر پادریوں کو خوف ہوا کہ کہیں ان کے جانباز شکست نہ کھا جائیں وہ غلاموں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا آج تمہاری نمک حلائی دکھانے کا وقت آگیا ہے۔

بوڑھے غلام نے کہا ”کیا حکم ہے ہمارے لئے.....؟“

پادری :- یہ عرب مسلمان ہمارے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی۔ انہیں مار ڈالو۔ یا گرفتار کرلو۔ اس صلہ میں ہم تمہیں بہت زیادہ انعام دیں گے اور تم اپنے حق نمک سے ادا ہو جاؤ گے۔

بوڑھا غلام :- ہم نے تمہارا نمک کبھی نہیں کھایا۔ تم ہمارے نمک خوار ہو نہ کہ ہم تمہارے۔ رہا عرب مسلمانوں کا معاملہ وہ ہمارے محسن ہیں ہمارے لئے لڑ رہے ہیں ہم ان کی مدد کریں گے تمہاری نہیں۔

پادری غصہ سے بھنا اٹھے۔ انہوں نے کہا نمک حرامو! تمہارا یہ خیال۔ ابھی تمہارے دماغ صحیح ہو جاتے ہیں۔

انہوں نے عیسائی کوڑے برداروں سے کہا کہ ان غلاموں کی کھالیں ادھیڑ ڈالو۔ جب تک عربوں سے لڑنے کو تیار نہ ہوں انہیں مارتے رہو۔

فے نس۔ سرپی۔ اور سیاح ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے وہ خوفناک نظروں سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں یہ یقین تھا کہ شکست مسلمانوں کو ہوگی اس لئے کہ ان کی تعداد بہت کم تھی مگر جب مسلمانوں نے عیسائیوں کے ٹکڑے اڑا دیئے اور ان کی بڑی تعداد مار ڈالی تو انہیں تعجب ہوا۔

مسلمان عیسائیوں کا تعاقب کرتے ہوئے احاطہ کے اندر گھس گئے اور وہاں جاتے ہی انہوں نے بھگوڑے عیسائی سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا عیسائیوں میں اب مقابلہ کی جرات ہی نہیں رہی تھی۔ مسلمان انہیں قتل کر رہے تھے اور وہ بھیڑوں کی طرح ذبح ہو رہے تھے پادری کمروں کے دروازوں میں پردوں کے پیچھے کھڑے خوف زدہ نظروں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ اچھوتیاں بھی اپنے احاطہ سے جھانکنے لگی تھیں۔ ان کی حسین آنکھوں سے خوف اور فکر نکلنے لگے تھے۔

مسلمانوں نے سپاہیوں کو چن چن کر مار ڈالا۔ اب وہ کوڑے بازوں کی طرف بڑھے انہوں نے فریاد کے لہجہ میں کہا۔ ہم پر رحم کیجئے۔ ہم بے گناہ ہیں۔ سارا گناہ ان بے رحم پادریوں کا ہے۔

مسلمانوں نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بلکہ گرفتار کر لیا۔ انسر نے حکم دیا پادریوں اور ننوں کو بھی گرفتار کر لو۔

سپاہی دلیرانہ پادریوں کے کمروں اور ننوں کے احاطے میں جا گھسے اور سب کو گرفتار کر لیا انہیں خیال ہوا کہ شاید کچھ پادری گرجا میں بھی جا چھپے ہوں چند مسلمان گرجا میں اب کے ساتھ داخل ہوئے دیکھا تو ایک بپ اور دو پادری بیٹھے جلدی جلدی کچھ پڑھ رہے تھے مسلمانوں نے ان سے کہا ”پڑھنا ختم کیجئے اور ہمارے ساتھ چلے بیچارے چپ چاپ ساتھ ہو لئے۔ یہ سب قیدی افسر کے سامنے پیش کئے گئے۔ افسر نے غلاموں کو بھی وہیں بلا لیا۔ غلاموں نے کہا اس مقدس سرزمین میں آج ہم آہکے ہیں۔ ورنہ ہمیں یہاں آنا تو درکنار اس طرف جھانکنا بھی منع تھا۔ اگر کبھی ایسی

کوڑے والے بڑھے غلام ایک دم کھڑے ہو گئے۔ ان میں یہ حرارت مسلمانوں کی شجاعت دیکھ کر پیدا ہوئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سو مسلمان پانچ سو عیسائیوں سے لڑ رہے ہیں تو انہیں غیرت آئی اور انسانیت جو غلامی پر قانع ہو کر سو گئی تھی بیدار ہو گئی۔ انہوں نے کوڑے برداروں پر ہلہ بول دیا چونکہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ غلاموں نے ان کا مقابلہ کیا ہو۔ اس لئے وہ حیران رہ گئے۔ غلاموں نے ان کی حیرت سے فائدہ اٹھایا انہوں نے ان میں سے زیادہ لوگوں کے ہاتھوں سے کوڑے چھین لئے اور جو ان پر کوڑے برسایا کرتے تھے اب انہوں نے ان کے کوڑے مارنے شروع کئے۔ وہ گھبرا کر بھاگ نکلے۔ پادری بھی ان سے ڈر کر اپنی لمبی داڑھیاں ہلاتے ہوئے بھاگے اور کلیسا کے احاطہ میں گھس گئے۔

پادریوں کے بھاگنے کا اثر یہ ہوا کہ عیسائی سپاہیوں کے دل چھوٹ گئے اب تک وہ بڑی جیداری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن اب ان کا استقلال جاتا رہا۔ وہ اس فکر میں لگ گئے کہ موقع ملتے ہی وہ بھی بھاگ کر کلیسا کے احاطہ میں گھس جائیں۔

مسلمانوں نے قرائن سے اس بات کو سمجھ لیا۔ انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا اور پھرتی سے عیسائیوں کو قتل کرنے لگے۔ نوجوان افسر نے بڑھ کر عیسائی افسر کے تلوار ماری اس کا سراڑ گیا۔ اب عیسائیوں کے دل ڈوب گئے وہ پسپا ہوئے اور بھاگ پڑے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

غلطی ہو جاتی تھی تو کوڑوں سے ہماری کھال ادھیڑ دی جاتی تھی۔“

افسر۔ تم پر بڑے مظالم ہوئے ہیں۔ تمہارے آقا انسان نہیں درندے تھے۔ اب تک تم ان کے غلام تھے۔ آج سے یہ تمہارے غلام اور تم ان کے آقا ہو گے۔ اب تک انہوں نے تمہاری اولاد کو فروخت کیا ہے اب تم ان کی اولاد کو فروخت کرنا تاکہ ان بے رحم اور ظالم درندوں کو یہ معلوم ہو کہ اولاد کی محبت کیسی ہوتی ہے اور ان کی جدائی کا کس قدر صدمہ ہوتا ہے۔ افسر نے حکم دیا کہ قیدیوں کو بٹھا دیا جائے۔ تمام قیدی بٹھا دیئے گئے۔ افسر نے غلاموں سے کہا۔ اب کوڑے ہاتھوں میں لو اور ان کے دماغ درست کر دو۔ مگر دیکھو کسی عورت اور بچہ کے کوڑا نہ لگنے پائے۔

غلام ہمیشہ پٹتے تھے ذرا ذرا سی بات پر ان کے پیٹھوں پر کوڑے پڑتے تھے ان کی عورتوں کو مارا جاتا تھا۔ یہ ظلم اس لئے کیا جاتا تھا تاکہ ان میں احساس کمتری رہے وہ سمجھیں کہ ہم غلام ہیں اور غلام پٹتے ہی پٹتے مرجانے کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔

غلاموں کی انسانیت بیدار ہو چکی تھی وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ بھی انسان ہیں ان کے دلوں سے آقاؤں کا خوف نکل چکا تھا۔ انہوں نے کوڑے ہاتھوں میں لے کر اس زور سے پادریوں اور دوسرے عیسائیوں کے مارے کہ وہ تڑپ گئے وہ کوڑے مارنے کے عادی تھے۔ کھانے کے نہیں۔ اب کوڑے لگنے سے سخت اذیت پہنچی۔ آج انہیں معلوم ہوا کہ بیچارے غلاموں کو کوڑوں سے کتنی تکلیف ہوا کرتی تھی۔ ان میں سے کئی پادری تو رونے لگے افسر نے ان سے کہا آج تم روتے ہو جب تم غلاموں، عورتوں اور بچوں کے کوڑے لگواتے تھے اس وقت تمہارے آنسو نہیں نکلتے تھے۔ ابھی تم کوڑے ہی کھا رہے ہو۔ مگر جب تم کھیتوں میں کام کرو گے اور تمہارے بچے تم سے چھین کر فروخت کئے جائیں گے اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا۔ رونا بند کرو اور اپنے اعمالوں کی سزا بھگتتے کے لئے تیار ہو جاؤ اور کچھ دیر بعد افسر نے غلاموں کو کوڑے مارنے سے روک دیا دراصل نوجوان افسر نے پادریوں اور ان عیسائیوں کے جو بڑے سخت گیر تھے اور پادریوں کے کہنے سے غلاموں کو کوڑے مارتے تھے اس لئے کوڑے لگوائے کہ ایک تو ان ظالموں کو معلوم ہو جائے کہ کوڑوں سے جسموں کو کتنی اذیت پہنچتی ہے دوسرے اس لئے کہ غلاموں کے دلوں سے بیچاری اور کمتری کا

احساس نکل جائے اور وہ سمجھ لیں کہ ہم بھی ان کے آقا بن سکتے ہیں۔

اب افسر نے پادریوں کے کمروں کا جائزہ لیا وہاں عیش و عشرت کے تمام سامان موجود تھے ایسے سامان جو عیسائی امیروں اور نوابوں ہی کے گھروں میں پائے جاتے تھے گویا یہ خانقاہ نشین راہب جو تا رک الدنیا زاہد کہلاتے تھے دنیا داروں سے زائد عشرت پسند تھے۔ بات یہ تھی کہ ان خانقاہ نشین پادریوں راہبوں اور شہوں کو جاگیرداری کی کافی آمدنی تھی کھیتوں کی پیداوار سے بڑا نفع تھا مزید برآں زائرین کافی نذرانے دے جاتے تھے اس سے ان کی دولت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا اور جہاں دولت ہو وہاں عیش و عشرت کے سامان ہونا یقینی ہے چنانچہ راہبوں کے کمرے بھی عشرت خانے تھے مسلمانوں نے جب ان کمروں اور پادریوں کے گھروں کو دیکھا تو ان میں دولت کے انبار ملے سونے چاندی کے سکے زیورات جواہرات نیز ریشمی کپڑے سونے چاندی کے برتن رومی قالین اور دوسرا بہت سا بیش قیمت سامان منٹوں کے کمروں میں سے بھی قیمتی زیورات اور ریشمی کپڑے ملے مسلمانوں نے ان تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا اب انہوں نے گوداموں کو دیکھا وہاں چاولوں کی بوریوں کی ڈھانکیں لگی ہوئی تھیں۔ گیہوں اور دیگر اجناس کی بوریاں بھی کافی تھیں ایک کمرہ میں قیمتی تھان کپڑے کے تھے گودام کے قریب اصطبل تھا اس میں پانچسو سے زیادہ گھوڑے تھے وہیں گھوڑوں کی کاٹھیاں تھیں۔ اصطبل سے ملا ہوا ایک احاطہ تھا اس احاطہ میں بکرے بکریاں سور اور دیگر جانور تھے جنہیں مقدس پادری کھاتے تھے اسی احاطہ کے قریب ایک پرند خانہ تھا کہ جس میں پرندے تھے جن کا گوشت لذیذ ہوتا تھا اور پادریوں کے کام آتا تھا۔

مسلمان افسر نے یہ تمام ذخیرہ غلاموں کو بخش دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے وہ حسین عورت جس کا بچہ چھیننے کی عیسائی کوشش کر رہے تھے اور جس کی پیٹھ پر انہوں نے کوڑے لگائے تھے اتفاق سے افسر کے سامنے آگئی اس کے جسم پر مونے کپڑے کا کرتہ تھا پشت کی طرف سے اس کا کرتہ خون میں بھر گیا تھا اس نے افسر کو ایسی نظروں سے دیکھا جس سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔ افسر نے کہا۔ ”تم کیا کہنا چاہتی ہو ہم سے“ عورت کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

عورت کے آنسو وہ کام کر جاتے ہیں جو اور کسی طرح نہیں ہو سکتے افسر اس کے آنسو دیکھ کر بے چین ہو گئے انہوں نے کہا۔ ”کو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔“ تب عورت نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

”اس بچے کا باپ..... افسر نے قطع کلام کر کے کہا۔ ”یعنی تمہارا شوہر وہ کہاں ہے؟“

عورت۔ ”بشپ کو خبر ہے.... وہ کہاں ہے۔“

افسر۔ ”بشپ کو خبر ہے....؟ کیوں.....؟“

عورت۔ ”بات یہ ہے۔ اس نے شرماتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”بشپ مجھ پر خاص عنایت کرنے لگے ہیں۔ انہیں میری خوبصورتی پسند آگئی ہے

انہوں نے میرے حسن و شباب سے کھیلنا اور دوسری عورتوں کی طرح میری عصمت کو

داغدار بنانا چاہا۔ میں روئی میں نے بشپ سے التجا کی کہ میرے شوہر کو واپس کر دیں۔

انہوں نے کہا اگر میں ان کا کہنا مان لوں تو وہ میرے شوہر کو واپس کر دیں گے میں اس

کے لئے تیار نہیں ہوئی عورت خاموش ہو گئی۔ افسر نے کہا کیا اب تک تمہارا شوہر

تمہارے پاس نہیں آیا۔“

عورت۔ ”جی نہیں۔“

افسر۔ ”وہ بزرگ بشپ کون سے ہیں۔“

عورت نے ایک ادھیڑ عمر کے پادری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”وہ ہے۔“ افسر

کے حکم سے سپاہی انہیں افسر کے پاس لائے۔ افسر نے ان سے کہا۔ ”اس عصمت

ماب خاتون کے شوہر کہاں ہیں بشپ کی نظروں سے معلوم ہونے لگا۔ کہ وہ کوئی غلط

بات کہنے والا ہے، افسر نے انہیں روک کر کہا۔ سنو، اگر تم نے غلط بات کہی تو تمہاری

ناک میں دھنواں دیا جائے گا اور تم صحیح بات کہو گے۔ اگر تم صحیح بات نہ کہو گے تو

تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے یہ اچھا ہے کہ تم اسی وقت سچ بول دو۔ اس سے

نہ تمہیں تکلیف پہونچے گی اور نہ تم قتل کئے جاؤ گے۔“

بشپ نے کہا چلے میں اسے بتاؤں۔“

افسر عورت کو ساتھ لے کر بشپ کے ہمراہ چلے۔ وہ انہیں گرجہ کی پشت پر باغیچہ

میں لے گیا۔ وہاں ایک کنواں تھا اس کنوے پر پتھر ڈھکا ہوا تھا.... پھر پتھر ہٹایا گیا ایک

رسہ ڈالا ایک نوجوان اس کنوئیں سے باہر نکلا اسے دیکھتے ہی عورت اس سے لپٹ گئی

اس نوجوان نے بھی اسے اپنے سینہ سے لگا لیا افسر کے دل پر ان دونوں میاں بیوی کی

ملاقات کا گہرا اثر ہوا افسر انہیں لے کر چلے آئے افسر نے پادریوں اور عیسائیوں کو

غلاموں میں تقسیم کر دیا۔ بشپ کو حسین عورت کے سپرد کیا گیا افسر نے اسی وقت وہاں

سے کوچ کرنا چاہا مگر غلاموں نے ان سے التجا کی کہ وہ ایک رات وہیں قیام کریں اور

ان کی میزبانی قبول کریں افسر ٹھہر گئے۔ شام کے وقت غلاموں نے اچھے اچھے کھانے

پکا کر مسلمانوں کو کھلائے اور کہا آج اپنی عمر میں ہمیں ایسے اچھے اور پیٹ بھر کر

کھانے نصیب ہوئے ہیں۔ وہ تمہاری بدولت۔“

افسر نے کہا۔ ”انشاء اللہ اب تم ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرو گے۔ یوں تو تمام

غلام ہی مسلمانوں کے مشکور تھے۔ مگر خاص طور پر حسین عورت بہت مشکور تھی۔

اس کی آنکھوں سے اور ہر ادا سے مشکوریت ظاہر تھی۔ اس کا خاوند بھی بہت مشکور

تھا۔ دوسرے روز مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھ کر ناشتہ کیا اور ناشتہ کر کے وہاں سے

اس خاتون کی طرف روانہ ہوئے جس کا ذکر سیاح نے کیا تھا۔ اور جس کے پاس

نوجوان افسر کو پہونچنے کی جلدی تھی۔

مسلمانوں کے پاس کافی مال غنیمت ہو گیا تھا۔ ان کے پاس چاندی کے بڑے

بڑے ڈالے بھی تھے۔ انہوں نے خانقاہ سے چلتے وقت غلاموں سے چند گھوڑے مانگے

انہوں نے خوشی سے دیدیئے ان گھوڑوں پر چاندی کے ڈالے اور مال غنیمت لادا گیا

اور وہاں سے چلے۔

چونکہ انہیں منزل مقصود پر پہونچنے کی جلدی تھی اس لئے تیزی سے سفر کر رہے

تھے انہوں نے خانقاہ میں سے کچھ رسد بھی لے لی تھی۔ یہ رسد کھانے کے کام آئی

اگر وہ رسد نہ لیتے تو شاید انہیں کھانے کی چیزیں نہ ملتیں۔ کیونکہ اس طرف آبادی

بہت کم تھی۔

آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جس جگہ سیاح نے بتایا تھا کہ مسلمان خاتون اسے ملی تھی انہوں نے دیکھا وہاں دو قوی ہیکل مرد ایک چٹان پر بیٹھے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہی سیاح نے کہا۔ ”سائیکلوپ دیوتا۔“ اور وہ فوراً سجدہ میں گر گیا فے نس اور سرپی نے بھی اس کی تقلید کی اور وہ بھی سجدہ میں گر گئے۔ مسلمانوں نے انہیں یعنی ان قوی ہیکل مردوں کو دیکھا جنہیں سیاح نے سائیکلوپ دیوتا کہا تھا۔ وہ چٹان سے اٹھ کر بڑی لاپرواہی سے چل پڑے۔ افسر نے ان کا تعاقب کرنا چاہا۔ سیاح سجدہ کر کے اٹھ چکا تھا اس نے کہا دیوتاؤں کو جانے دیجئے۔ ان کا پیچھا کرنا اچھا نہیں ہوتا۔“ افسر نے کہا ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ کون ہیں۔“

سیاح۔ ”میں بتا چکا ہوں وہ سائیکلوپ دیوتا ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے آدم خوروں سے بچایا تھا۔“

افسر۔ ”ہم سمجھتے ہیں وہ دیوتا نہیں انسان ہیں۔“

سیاح۔ ”یقین کیجئے وہ دیوتا سائیکلوپ ہیں۔ میں آپ کو ان کے پیچھے نہ جانے دوں گا۔ کیس ایسا نہ ہو کہ پلٹ پڑیں اور کوئی نقصان پہنچا دیں۔“

افسر۔ ”ہم دیویوں دیوتاؤں کو نہیں مانتے۔“

سیاح۔ ”آپ نہ مائیں ہم مانتے ہیں ہم ان کی قوت و طاقت سے بھی واقف ہیں۔“

افسر۔ ”یہ سر زمین عجیب اوہام پرستوں سے بھری ہوئی ہے یہ دیوتا نہیں ہیں۔۔۔۔۔ یہ جنگلی انسان ہیں۔“

سیاح۔ ”ہم اوہام پرست نہیں ہیں۔ ہماری قوم کے ایسے سینکڑوں لوگ موجود ہیں جنہوں نے دلربا سر سے سائیکلوپ دیوتاؤں اور دوسری دیویوں اور دیوتاؤں کو دیکھا ہے ہمیں تعجب ہے کہ آپ لوگ دیکھ کر بھی کیوں یقین نہیں کرتے۔۔۔۔۔ یہ انسان نہیں ہیں۔“

افسر۔ ”ہم کیسے یقین کر لیں ہمیں معلوم ہے کہ اس خطہ میں جنگلی انسان رہتے ہیں۔“

سیاح۔ ”توبہ کیجئے۔ توبہ وہ انسان نہیں ہیں دیوتا ہیں اپنے پجاریوں کو کبھی کبھی درشن

دے دیتے ہیں۔“

افسر۔ ”مگر ہم تو ان کے پجاری نہیں۔“

سیاح۔ ہم ہیں اور آپ ہمارے ساتھ ہیں۔ انہوں نے ہم پر مہربانی کی ہے۔ اور ہمارے ساتھ آپ پر بھی وہ چاہتے ہیں کہ آپ بھی ان کے پجاری بن جائیں۔۔۔۔۔ افسر نے مسکرا کر کہا۔

”مسلمان صرف ایک خدا کی پرستش کرتا ہے اس کا سر سوائے خدا کے اور کسی کے سامنے نہیں جھک سکتا۔“

اب وہ دونوں قوی ہیکل مرد غائب ہو گئے تھے جنہیں سیاح نے نس۔ اور سرپی سائیکلوپ دیوتا کہتے تھے افسر نے کہا تم نے بڑی غلطی کی ہمیں ان سے ملنے اور باتیں کرنے دیتے۔“

فے نس۔ ”حضور دیوتا کسی سے باتیں نہیں کرتے۔“

افسر۔ ”خیر اب تو وہ چلے گئے۔ اگر آئندہ ان سے ملاقات ہوئی تو ہم باتیں کریں گے۔ تم اس غار کی طرف چلو جس میں خاتون رہتی ہے۔“

سیاح۔ ”افسوس یہ ہے کہ میں اس غار کا راستہ بھول گیا ہوں۔ مگر یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسی علاقہ میں آگیا ہوں کہ جس علاقہ میں وہ غار ہے اس میں خاتون رہتی ہے۔“

افسر۔ ”راستہ تلاش کرو۔“

سیاح۔ ”ضرور تلاش کروں گا۔ آپ اسی جگہ قیام کریں۔“

افسر نے اپنے ہمراہیوں کے قیام کرنے کا حکم دیا۔ سامان اتارا گیا خیمے نصب کئے گئے۔ خیموں کے اندر فرش لگا دیئے گئے اور پھر سپاہی کھانا تیار کرنے لگے۔

سیاح فے نس کو ساتھ لے کر غار کی تلاش میں روانہ ہوا افسر کچھ دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے کچھ ست سے ہو گئے۔ وہ خیمہ سے باہر نکل آئے انہوں نے دیکھا کہ سپاہی کھانا تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ کچھ دیر شکار ہی کا شغل کر لیں چنانچہ وہ تیر کمان و خنجر لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔

انہوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ زیادہ دور نہیں جاویں گے قریب ہی شکار کھیل کر چلے

آئیں گے لیکن وہ راستہ سے واقف نہیں تھے۔

انہوں نے گھوڑے کی باگ ڈھیلی کر کے اسے اس کی ہی مرضی پر چھوڑ دیا۔ گھوڑا چلنے لگا وہ کچھ دور چل کر ایک ایسے راستہ پر ہو لیا جس کے ایک طرف نہایت اونچی چٹانیں تھیں اور دوسری طرف گہرے کھڈ تھے افسر نے معلوم کس دھن میں تھے انہوں نے اس خطرناک راستہ کا خیال نہیں کیا۔ تا معلوم وہ کب تک اس راستہ پر چلتے رہے اور خدا جانے ان کا اور ان کے گھوڑے کا کیا حشر ہوتا کہ ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا تھا۔

”ہوشیاری سے چلو نوجوان، راستہ خطرناک ہے۔“

وہ چونکے اور انہوں نے دیکھا واقعی راستہ خطرناک تھا۔ ایک طرف چٹانیں تھیں جو آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اور دوسری طرف ایسے کھڈ تھے جس میں گرنے والے کے اعضاء صحیح و سلامت نہیں رہ سکتے تھے انہوں نے گھوڑے کی باگ سہاری انہیں سخت حیرت ہوئی کہ وہ اس خطرناک راستے پر کیسے چل پڑے۔ راستہ اتنا تنگ تھا کہ گھوڑے کا لوٹنا بھی مشکل تھا۔ انہوں نے سامنے نگاہ ڈالی۔ تھوڑی دور پر سامنے ہی ایک چٹان نظر آئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ راستہ اس چٹان پر جا کر ختم ہو گیا ہے انہیں فکر ہوئی کہ وہ کس طرح واپس لوٹیں گے گھوڑا قدم قدم چل رہا تھا وہ واپسی کی تدبیر سوچ رہے تھے۔ کہ پھر آواز آئی۔۔۔۔۔ ”اچھا یہ ہے کہ تم گھوڑے سے اتر لو۔ کیونکہ گھوڑے کا کسی چیز سے بھڑک کر کھڈ میں گر جانا یقینی ہے۔“

انہوں نے جو غور کیا تو بات بالکل درست تھی۔ انہیں تعجب ہوا کہ ان کے دماغ میں یہ بات کیوں نہیں آئی دراصل اس وقت انہیں اس نازنین کا خیال آگیا تھا جو انہیں ملی تھی اور جس نے کہا تھا ”تم نے اس غریب بکرے کو تیر کا نشانہ بنایا۔ بے رحم کہیں گے۔“ اس نازنین نے یہ الفاظ برہی کے انداز میں کہے تھے۔ لیکن اس کا طرز تکلم نہایت ہی دلکش اور آواز نہایت ہی شیریں تھی۔ انہیں یہ بھی یاد آگیا کہ فے نس نے اسے دلربا سر سے بتایا تھا وہ دلربا سر سے جس کی بابت سسلی کے قدیم باشندوں کا یہ خیال ہے کہ وہ ہر سو سال کے بعد آگ میں نہا کر جوان اور پہلے سے زیادہ حسین ہو جاتی ہے۔ افسر کو وہ نازنین اکثر یاد آ جاتی تھی اس وقت بھی یاد آگئی

تھی اور اس کی یاد میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ گھوڑا انہیں کس خطرناک راستے پر لے آیا ہے ایک آواز سن کر وہ چونکے تھے وہ جلدی سے گھوڑے سے اتر گئے اور اس کی باگ پکڑ کر انہوں نے اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی انہیں اوپر ایک چٹان پر ایک خاتون بیٹھی نظر آئی وہ کچھ عجیب قسم کا لباس پہنے تھی جو سسلی کی قدیم عورتوں جیسا تھا نہ عیسائی عورتوں جیسا۔۔۔۔۔

اور نہ مسلمان خاتون جیسا انہوں نے خاتون کو سلام کیا۔ اس نے مسکرا کر وعلیم اسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یعنی تم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔“ افسر نے کہا۔ میں غلطی سے اس راستہ پر آگیا۔“

خاتون۔ ”میں سمجھ گئی تم کسی خیال میں محو تھے۔“

افسر شرمندہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا جی ہاں بات یہی ہوئی۔“

خاتون۔ ”حالانکہ پہاڑ پر چلنے والوں کو سوائے راستہ کے کسی اور ذیاء میں محو نہیں ہو جانا چاہئے۔“

افسر۔ ”غلطی ہو گئی۔ شاید راستہ سامنے والی چٹان پر ختم ہو جاتا ہے۔“

خاتون۔ ”نہیں داہنی طرف مڑ جاتا ہے اور چٹانوں کے درمیان کچھ دور چل کر ایک چشمہ پر جا نکلتا ہے تم چشمہ کے کنارے پر رک جانا میں بھی وہاں رہی ہوں۔“

خاتون چلی گئی افسر گھوڑے کی باگ پکڑ کر چلے انہیں قدم قدم پر یہ اندیشہ تھا کہ کہیں گھوڑا بھڑک کر کھڈ میں نہ جا پڑے وہ اسے نہایت ہوشیاری سے لے چلے سامنے والی چٹان کے پاس پہنچے راستہ داہنی طرف مڑ گیا تھا یہ بھی اس طرف ہو لئے تھوڑی دور چلے تھے کہ چشمہ آگیا وہ رک گئے اور خاتون کا انتظار کرنے لگے چند منٹ ہی میں خاتون بھی آگئی۔ انہوں نے افسر سے کہا لو دیکھو نال کی طرف کچھ دور چلو۔“ وہ چلے خاتون نے کہا یہاں دریا پایاب ہے سوار ہو جاؤ۔ وہ پھر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور انہوں نے گھوڑا چشمہ میں ڈال دیا۔ گھوڑے کے گھٹنوں تک پانی آیا۔ وہ چشمہ کے پار ہو گئے۔ خاتون نے کہا تم کہاں سے آئے ہو۔۔۔۔۔؟“

افسر۔ ”ہلرمو (۱) سے۔“

خاتون نے خوش ہو کر کہا وہ خدا کا شکر ہے میں تمہارا انتظار کرتی تھی۔“

افسر۔ ”کیا تم وہی مسلم خاتون ہو۔ جس نے ایک سیاح کے ہاتھ پیغام بھیجا تھا۔“
خاتون۔ ”ہاں میں وہی ہوں۔“

افسر۔ ”میں تم سے ہی ملنے آیا ہوں۔“

خاتون۔ ”اب میری تمام مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ میں ایک عرصہ سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ خدا نے تمہیں میرے پاس پہنچا دیا آؤ میرے ساتھ آؤ۔“

افسر خاتون کے ہمراہ ہو لئے۔ انہوں نے کہا میرے ساتھ کچھ سپاہی بھی ہیں۔“

خاتون۔ ”اچھا وہ لوگ تمہارے ہمراہی ہیں چٹان پر خمیوں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

افسر۔ ”جی ہاں۔“

خاتون۔ ”ان کے قیام کے لئے وہ جگہ مناسب ہے تم میرے ساتھ آؤ افسران کے ساتھ روانہ ہوئے۔“

(۱۹)

خاتون نے چلتے چلتے کہا۔ آج موسم بڑا خوشگوار ہے لیکن خیال ہے کہیں بارش نہ آجائے۔“

افسر۔ اگر بارش آگئی تو میرے ہمراہیوں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ کیونکہ بارش کے ساتھ ہوا کا طوفان بھی آنا ضروری ہے۔ اور ہوا و بارش میں خمیوں کا اپنی جگہ قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔“

خاتون۔ ”تم سچ کہہ رہے ہو دیکھو میں تمہارے ساتھیوں کے لئے کوئی مقام تجویز کروں گی۔“

افسر نے خاتون کو دیکھ کر یہ اندازہ کر لیا کہ ان کی عمر بیستیس سال سے زیادہ نہیں ہے لیکن ان کے چہرے سے کوئی ایسا غم ظاہر ہوتا ہے جس نے ان کی زندگی کو گمن لگا دیا ہے نہ معلوم کیوں انہیں ان خاتون سے اس ذرا سی دیر میں بڑی محبت اور عقیدت ہو گئی ان کا دل یہ چاہنے لگا کہ وہ ان کا غم دور کرنے میں اپنی جان تک کی بازی لگا دیں۔

ہلہ جزیرہ سلی کا دارالسلطنت تھا

دونوں آگے پیچھے چپ چاپ چلے جا رہے تھے راستہ بڑا نامہوار اور دشوار گزار تھا۔ گھوڑا ٹھوکریں کھاتا چل رہا تھا خاتون نے کہا تمہیں اور گھوڑے کو پہلنے میں بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن جس راستہ پر تم آگئے تھے وہاں سے اسی طرف آ سکتے ہیں۔“

افسر۔ ”مجھے اور گھوڑے کو چلنے میں تکلیف ضرور ہو رہی ہے لیکن یہ خوشی بھی ہے کہ جن سے ملنے کے لئے آیا تھا وہ مل گئیں۔“

خاتون۔ ”مجھے بھی خوشی ہے کہ عرصہ دراز سے جن کا انتظار کر رہی تھی وہ آگئے۔ افسر۔ وہ سیاح جو تم سے مل کر اور تمہارا پیغام لے کر گئے تھے میرے ساتھ آئے ہیں وہ اس علاقہ تک تو چلے آئے مگر یہاں آکر تمہارے مسکن کا پتہ بھول گئے جب انہوں نے بتایا کہ وہ تمہاری جائے قیام بھول گئے تو مجھے بڑا ملال ہوا تھا لیکن خدا کی کار سازی دیکھو اس نے کس آسانی سے ملا دیا۔“

خاتون۔ حقیقت میں خدا ہی کار ساز ہے۔ ہم سب اس کے محکوم ہیں‘

افسر۔ یہی بات ہے سیاح اور ایک یونانی تمہاری قیام گاہ کی تلاش میں گئے ہیں۔“

خاتون۔ ”انہیں میری قیام گاہ نہ مل سکے گی۔ وہ ایسے مقام واقع ہے کہ ایک دو دفعہ وہاں جانے پر بھی نہیں مل سکتی مجھے خود یہ خیال تھا اسی لئے میں روزانہ تمہاری آمد کے انتظار میں اس پہاڑی علاقہ میں گھوما کرتی تھی آج جب میں نے خیمے دیکھے تو سمجھ گئی کہ تم آگئے ہو مجھے بڑی خوشی ہوئی میں نے خدا کو شکر ادا کیا۔“

افسر۔ ”یہ راز میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ تمہیں میرے آنے کی کیسے توقع تھی تم مجھے نہیں جانتیں میں تمہیں نہیں جانتا پھر میرے آنے کا انتظار کیوں تھا۔“

خاتون۔ اطمینان رکھو۔ تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔ اب میرا مسکن قریب آگیا ہے۔“

افسر۔ ”مگر تم اس ہولناک مقام پر تنہا کیسے رہتی ہو۔۔۔؟“

خاتون۔ ”یہ سمجھو کہ عادت ہو گئی ہے۔“

افسر۔ ”مگر جب تم یہاں آکر رہی ہو گی اس وقت تو بڑا خوف معلوم ہوا ہو گا۔“

خاتون۔ ”بالکل نہیں اس وقت مجھے زندگی بہت بری معلوم ہو رہی تھی مجھے معلوم تھا

کہ یہ مقام بڑا ہی خوفناک ہے میں اس مقام پر مرنے ہی کے لئے آئی تھی مگر مجھے موت نہیں آئی میں نے یہاں بڑے مہیب اور خطرناک جانور دیکھے لیکن خدا کی شان کہ وہ جانور مجھ سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں ان کے پیچھے اس لئے جاتی کہ وہ مجھے کھا جائیں مار ڈالیں مگر وہ مجھ سے ایسے بھاگتے جیسے میں ان سے بھی زیادہ مہیب صورت اور خطرناک ہوں رفتہ رفتہ میں اس جگہ رہنے کی عادی ہو گئی۔ میں تمہیں اپنی سب داستان ہی سناؤں گی۔“ اب وہ ایک مقام پر جا کر رک گئی اور افسر سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”تمہارا گھوڑا یہاں سے آگے نہیں جاسکتا۔“

افسر۔ ”تو کیا مجھے گھوڑا یہیں چھوڑنا پڑے گا۔“

خاتون۔ ”ہاں یہاں گھوڑے کے لئے خطرہ نہیں ہے۔ اگر بارش آگئی تو تمہارے ہمراہی بھی یہیں پناہ حاصل کر سکیں گے میں نے آج تک کسی کو یہ مقام نہیں دکھایا ہے مگر اب تمہیں اور تمہارے ہمراہیوں کو دکھانے میں اس لئے مضائقہ نہیں ہے کہ اب میں اس مقام کو چھوڑ دوں گی۔“

افسر۔ ”کہاں چلی جاؤ گی۔“

خاتون۔ ”جہاں خدا لے جائے گا۔“

افسر۔ ”تمہاری ساری باتیں بڑی حیرت ناک ہیں۔“

خاتون۔ ”اور جو داستان میں سناؤں گی وہ سب سے زیادہ حیرت ناک ہے۔ آؤ۔ پہلے میں تمہارے گھوڑے کا انتظام کر دوں۔“

اب وہ داہنی طرف چلیں تھوڑی دور چل کر ایک درہ میں داخل ہوئیں افسر نے دیکھا اس درہ پر چٹانوں کی چھت قائم ہے وہ ایک لمبی اور کشادہ سرنگ سی ہے لیکن اس کے اندر روشنی کافی ہے۔ خاتون نے کہا یہ ایسا مقام ہے جہاں بارش ہوا اور دشمن سے اچھی طرح حفاظت ہو سکتی ہے۔ ذرا اسے غور سے دیکھو درہ کے دونوں بازوؤں پر مسطح پٹانیں ہیں۔ چٹانوں پر سپاہی بڑے آرام سے سو سکتے ہیں۔ گھوڑے ایک طرف باندھے جاسکتے ہیں اگر بارش تیز ہو جائے جیسی کہ اس جزیرہ میں عام طور پر ہوتی ہے تو بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے پانی چٹانوں کے درمیان سے گزر جائے گا۔ اور بارش دھوا کا یہاں گزر نہیں ہو گا تم یہاں اپنا گھوڑا باندھ دو۔“

افسر نے ایک پتھر سے گھوڑا باندھ کر زین اور لگام اتار کر وہیں رکھ دی۔ اور خاتون کے ساتھ درہ سے باہر نکل آئے۔ خاتون تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ ایسا ڈھال شروع ہوا جس پر چلنے پر لڑھک سکتے تھے چل نہیں سکتے تھے۔۔۔ خاتون نے کہا سنبھل کر چلنا اگر ذرا بھی بدن کا توازن بگڑا تو قلابازی کھا کر نیچے ہونچو گے۔“ افسر سنبھل کر چلنے لگے خاتون اسی طرح چل رہی تھی جیسے پرواز کر رہی ہو دراصل انہیں اس ڈھال سے اترنے اور چڑھنے کی مشق ہو گئی تھی افسر بڑی مشکل سے اتر رہے تھے۔ انہیں ہر قدم پر قلابازی کھانے کا اندیشہ تھا خدا خدا کر کے دونوں اترے یہاں چھوٹے چھوٹے پتھر کثرت سے تھے یہ پتھر سفید رنگ کے تھے ان پتھروں پر چل کر وہ سامنے ایک چٹان پر چڑھے اس کے بائیں طرف چلے وہاں ایک ایسا غار نظر آیا جس کا دہن بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خوفناک جانور منہ کھولے کھڑا ہو۔ افسر سمجھ گئے کہ اس خاتون کا مسکن ہے وہ اس غار میں داخل ہوئے چند قدم سیدھے چل کر داہنی طرف مڑ گئے یہاں کسی قدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا لیکن اتنا نہیں کہ کوئی چیز صاف نظر نہ آئے انہوں نے دیکھا کہ چٹان کو تراش کر کمرہ بنایا گیا ہے خاتون پھر داہنی طرف گھومی اور ایک فراخ کمرہ میں جا داخل ہوئی افسر نے دیکھا کہ اس کمرہ میں بہت زیادہ روشنی ہے یہ کمرہ بھی چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا اس کے ایک طرف لمبی لمبی پتیوں پر سفید بستر لگا ہوا تھا اور دوسری طرف کئی برتن تھے تیسری طرف کئی بڑے بڑے مرتبان تھے جو پتھر کے تھے۔ ان میں غالباً جنس ہو گی۔ خاتون نے کہا بیٹھ جاؤ۔“

افسر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا میں نے سنا تھا اسی کمرہ میں چشمہ بھی ہے۔“

خاتون۔ ”جی ہاں۔۔۔ دیکھو گے؟ آؤ دکھاؤں“

خاتون کھڑی ہو گئیں۔“ افسر بھی اٹھے دونوں اس طرف چلے جس طرف برتن رکھے تھے۔ وہاں ایک پتلا مگر لمبا سا دروازہ تھا دونوں اس دروازے میں داخل ہوئے اس کے دوسری طرف چٹان سے ملا ہوا ایک شفاف پانی کا چشمہ جاری تھا اس چشمہ کے کنارے پر دونوں بیٹھ گئے اور منہ ہاتھ دھونے لگے وہاں بہت زیادہ روشنی تھی افسر نے اوپر نظر اٹھائی تو انہیں آسمان نظر آنے لگا وہ سمجھ گئے کہ کسی نہ کسی زمانے میں اس چٹان کو کمروں کی صورت میں کاٹ کر منتقل کر دیا ہے اور اس کمرہ میں سے ایک

دروازہ چشمہ کی طرف تراش کر نکال دیا ہے۔“

منہ ہاتھ دھو کر دونوں واپس آ گئے خاتون نے کہا اب میں تمہیں اپنی داستان سناتی ہوں۔ اس داستان سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں کیوں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“ وہ خاموش ہو کر چھت کی طرف دیکھنے لگیں۔ انہوں نے کہا بارش ہونے والی ہے گھٹا چھا گئی ہے ہوا تیز ہو گئی ہے بہتر یہ ہے کہ اب تم پہلے اپنے ہمراہیوں کو لے آؤ۔ پھر اطمینان سے بیٹھ کر میں اپنی داستان سناؤں گی۔“

افسر۔ ”مگر ہم یہ جانتے ہی نہیں کہ ہمارے ساتھی کس طرف ہیں۔“

خاتون۔ ”میں ساتھ چلوں گی وہ یہاں سے بہت قریب ہیں۔“ دونوں اٹھ کر چلے غار سے باہر آئے۔ افسر نے باہر نکل کر دیکھا واقعی بھوری گھٹا چھا گئی تھی اور ہوا تیز ہو گئی تھی خاتون نے کہا جلدی چلو۔“ بارش ہونے والی ہے دونوں تیز قدم چل کر ڈھال دار راستہ پر آئے اوپر چڑھے خاتون انہیں ایک چٹان کے نیچے سے نکال کر لے گئی اس کے سامنے اونچی اونچی چٹانیں تھیں وہ چٹانوں کے نیچے نیچے چلے اور گھوم کر جب نکلے تو سامنے مسلمانوں کا کیمپ تھا۔ خاتون نے کہا جائیے اپنے سب ساتھیوں کو بلا لائیے۔“ افسر وہاں سے چل کر اپنے ہمراہیوں میں آئے انہوں نے وہاں پہنچتے ہی فے نس اور سیاح کو دریافت کیا معلوم ہوا دونوں آ گئے ہیں جن مسلمانوں نے افسر کو گھوڑے پر سوار جاتے اور پیدل واپس آتے دیکھا وہ حیران ہوئے کہ ان کا گھوڑا کیا ہوا چنانچہ کئی مسلمانوں نے ان سے گھوڑے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا بارش ہونے والی ہے گھوڑا حفاظت کی جگہ باندھ آئے ہیں انہوں نے حکم دیا کہ خیمے اکھاڑ لئے جائیں اور سامان اکٹھا کر لیا جائے فوراً اس حکم کی تعمیل شروع ہو گئی افسر کے پاس سیاح آئے اور بتایا کہ نہ انہیں خاتون ملی ہے اور نہ ہی ان کی قیام گاہ افسر نے مسکرا کر کہا۔ خاتون ہمیں مل گئیں ہیں اور ہم ان کی قیام گاہ دیکھ آئے ہیں۔“

سیاح کو بڑا تعجب ہوا سپاہیوں نے جلدی جلدی خیمے اکھاڑ کر تہہ کئے اور سب سامان اکٹھا کر کے گھوڑوں پر لادا افسر انہیں سب کو ساتھ لے کر چلے گئے۔

(۲۰)

ابھی یہ سب چٹان کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ترشح شروع ہو گیا منہی بوندیں پڑنے لگیں ہوا بھی تیز ہو گئی خاتون کے پاس افسر آ گئے خاتون نے ان سے کہا جلدی چلو ورنہ بھیگ جاؤ گے اور پھر امن کی جگہ پہنچنا مشکل ہو جائے گا انہوں نے اب اور تیزی سے چلنا شروع کیا اب بڑی بڑی بوندیں آنے لگیں گھوڑے ہنسنے لگے گویا وہ بھی آگاہ کر رہے تھے کہ جلد ہی کسی امن کی جگہ پہنچ جاؤ افسر اور خاتون آگے تھے سب ان کے پیچھے قطار میں تھے بھاگ دوڑ کر وہ درے میں پہنچ گئے اور انہوں نے تمام سامان اور خیمے داہنی طرف کی چٹانوں پر رکھ دیئے اور بائیں طرف گھوڑے باندھ دیئے اور خود بھی سب لوگ اسی طرف اطمینان سے بیٹھ گئے جس طرف کہ سامان رکھا تھا خاتون نے کہا تم میرے ساتھ آؤ۔“ افسران کے ساتھ چلے جب وہ درہ سے باہر نکلے تو خاصی بارش ہو گئی تھی۔ افسر نے کہا محترمہ بھیگ جاؤ گی۔ جب تک پانی نہ تھمے یہیں ٹھہر جاؤ۔ خاتون نے کہا کہ گھٹا ایسی چھا گئی ہے کہ بارش کے جلد تھمنے کی امید نہیں ہے۔ اگر تمہیں زکام و کام کا اندیشہ ہو تو اپنے اوپر کمبل ڈال لو۔“

افسر ہنس پڑے۔ انہوں نے کہا مجھے زکام ہو جائے گا اور تمہیں نہیں حالانکہ میں نوجوان ہوں اور تم

خاتون نے مسکرا کر کہا۔ میں بوڑھی ہوں۔

افسر۔ ”نہیں بوڑھی تو نہیں ہو مگر مجھ سے تو عمر میں زیادہ ہی ہو پھر عورت ہو۔“ خاتون۔ ”مردوں کو یہی زعم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دلیر اور مضبوط سمجھتے ہیں اور عورتوں کو بزدل اور نازک جانتے ہیں۔“

افسر۔ ”بزدل تو نہیں البتہ عورتیں نازک ضرور ہوتی ہیں اور نازک مزاج بھی۔“

خاتون۔ عورتیں بھی خود کو نازک ہی سمجھتی ہیں دراصل ان کی پرورش ہی اس طریقہ سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو نازک اور مرد کو قوی سمجھنے لگتی ہیں۔ حالانکہ وہ بھی مرد کے برابر قوی ہو سکتی ہیں۔“

افسر۔ ”معاف کرنا یہ بات ناممکن ہے عورت تو عورت ہوتی ہے نازک مزاج نازک دماغ، عشوہ و ناز کی پتلی۔“

خاتون مسکرائیں۔ انہوں نے کہا یہ بات تم بھی کہتے ہو کیا تم عرب نہیں ہو۔“
 افسر۔ ”ہاں میں عرب ہوں۔“
 خاتون۔ ”کیا تم اپنی قوم کی لڑکیوں اور عورتوں کی بہادری کی داستانیں بھول گئے ہو۔“

افسر۔ ”یاد ہیں وہ دختران عرب ہوتی ہیں بالکل شیرنیاں۔“

خاتون۔ ”آخر وہ بھی عورت ہیں مگر عرب اپنی لڑکیوں کو وہ تمام علم و ہنر سکھاتے ہیں جو لڑکوں کو سکھاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عرب لڑکیاں لڑکوں سے پیچھے نہیں رہتیں بڑی جفاکش اور دلیر ہوتی ہیں ہمارے ملک کے نوجوان کے گئے پکڑ لیں تو نہ چھوڑیں اگر ہر ملک میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کی طرح تمام علم و فن سکھائے جائیں تو نازک پتلیاں نہ رہیں۔“

افسر۔ یہ ٹھیک ہے مگر ان کے جسم سخت ہو کر اپنے صنف کی ملائمت کو چھوڑیں۔“
 خاتون۔ عرب کی لڑکیوں کے جسم کیا نرم نہیں ہوتے بلکہ ریشم کی طرح ملائم ہوتے ہیں اکثر لڑکیاں تو بہت زیادہ حسین و نازنین ہوتی ہیں۔“

اب اس وقت بارش زور شور سے شروع ہو گئی خاتون نے تیزی سے قدم بدھائے افسر بھی جھپٹ کر ساتھ چلے پھر بھی دونوں خوفناک غارتک پہنچتے پہنچتے بھیگ گئے آخر غار کے اندر پہنچ گئے اور اس کمرہ میں داخل ہوئے جس میں بستر تھا خاتون نے ایک کپڑے سے اپنے سر کے بال خشک کئے افسر نے بھی عمامہ اتار کر جھٹک دیا۔ خاتون نے کہا۔ آؤ چشمہ کے کنارہ پر بیٹھیں گے۔“

دونوں چشمہ کے کنارے پہنچ گئے یہاں بھی بارش ہو رہی تھی لیکن بوندیں چشمے میں پڑ رہی تھیں کنارے خشک تھے دونوں کنارے پر بیٹھ گئے اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ہوا تیز چل رہی تھی خشکی بڑھ گئی تھی خاتون نے کہا سردی تو نہیں معلوم ہو رہی۔“

افسر۔ ”نہیں کچھ ایسی سردی نہیں ہے۔“

خاتون۔ ”کھانا تیار ہے۔ پہلے کچھ کھا لو۔“

افسر۔ ”ابھی بھوک نہیں ہے اگر مناسب سمجھو تو اپنی داستان شروع کر دو۔“

خاتون۔ ”بہت اچھا میری داستان کے ساتھ کئی داستانیں وابستہ ہیں میں شروع سے داستان سناؤں گی۔ اس ضمن میں میری داستان بھی آجائے گی۔“
 افسر۔ ”جیسے تم مناسب سمجھو۔“

خاتون۔ ”ابتدا ہی سے داستان سنانا اس لئے ضروری ہے کہ یہ وہ داستان ہے جس کی وجہ سے مسلمان اس جزیرہ فتح سسلی میں آئے۔“
 افسر۔ ”اچھا تو شروع کیجئے۔“

خاتون۔ ”اچھا تو سنو“ خاتون نے بیان کرنا شروع کیا انہوں نے کہا سسلی میں ایک شہر ٹاور مینا (۱) (طیرمین!) تھا اس شہر میں ایک متمول خاندان رہتا تھا۔ یہ امیر خاندان صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا ایک شمعون ایک شمعون کا بیٹا جولیس اور ایک شمعون کی بیٹی سلوی، چونکہ یہ لوگ بڑے ہی مالدار تھے اس لئے سینکڑوں نوکر چاکر اور تقریباً ایک ہزار غلام اور کنیزیں تھیں۔

شہر طیرمین کے قریب دو گاؤں ان کی جاگیر تھی چاول گیہوں سن اور باجرہ کی کاشت ہوتی تھی انگور انار چکوتروں کے کئی باغات تھے کاشت اور باغات کی دیکھ بھال غلام کیا کرتے تھے پیداوار اچھی ہوتی زمینیں سونا اگل رہی تھیں دولت برس رہی تھی غلاموں کی اولاد جو فروخت کی جاتی تھی اس سے بھی بڑی آمدنی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک عورت سے زبردستی اس کا بچہ چھین کر شمعون نے فروخت کر ڈالا۔ عورت نے بد دعا دی کہ خدا تجھے بھی میری طرح بے چین کر دے۔ شمعون نے اس عورت کے کئی کوڑے لگوائے اور چب ہو گئی۔ شمعون کئی پشتوں سے عیسائی تھا وہ اور اس کا بیٹا جولیس اکثر قسطنطنیہ جاتا قیصر روم جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا وزراء سے ملا کرتا تھا ان کا اثر و اقتدار قسطنطنیہ کی بیزنٹینی حکومت میں کافی تھا وہ درباری بھی تھے جب کوئی دربار ہوتا تو وہ اس میں شرکت کے لئے بلائے جاتے۔ پیائے روم یعنی پوپ بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے وہ بھی پوپ کو تحفے دیتے رہتے تھے۔

سلوی نہایت حسین لڑکی تھی ایسی حسین کو ایک نظرا سے دیکھنے والا اس پر فریفتہ ہو جاتا تھا اسے جزیرہ سسلی کا خوشنما پھول کہا کرتے تھے جب وہ جوان ہوئی تو شباب نے اسے جان بہار بنا دیا وہ تو آفت کا پرکالہ بن گئی اس کے فدا یوں کی پلٹن اس کے

لے ٹاور مینا (طیرمین) سسلی میں ایک شہر تھا۔ یہ شہر مینا کے جنوب و مغرب میں تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس

مکان کے سامنے سے محض اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے گزرتی رہتی چونکہ وہ ایک امیر کبیر کی بیٹی تھی۔۔۔۔۔ اس لئے کسی کو اس سے ہم کلام ہونے کی جرات نہ ہوتی تھی لیکن بد قسمتی سے سلوی کو ہر کلیس نامی ایک نوجوان سے محبت ہو گئی ہر کلیس نہایت خوبو اور بڑا نیک لڑکا تھا اس نے تعلیم بھی اچھی پائی تھی مگر وہ امیر نہیں تھا معمولی کھاتے پیتے خاندان سے تعلق رکھتا تھا سلوی کو اس بات کا خیال نہیں تھا اس کا مغرور باپ اس کا ہاتھ ہر کلیس کے ہاتھ میں کبھی نہ دے گا۔ وہ محبت میں بہت آگے نکل گئی ہر کلیس اس بات کو خوب جانتا تھا کہ وہ غریب ہے اور اس کی محبوبہ امیر خاندان کی لڑکی ہے ان دونوں کی شادی نہیں ہو سکتی لیکن وہ اپنی طبیعت کی افتاد اور دل کی لگی سے مجبور ہو گیا محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے اس نے بھی سلوی سے محبت کی نہیں تھی بلکہ ہو گئی تھی اور اب وہ سلوی کا پجاری بن گیا تھا اس نے اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ اگر اس کے ساتھ اس کی شادی نہ ہوگی تو وہ بھی خود کشی تو کر سکے گا۔ اسی لئے وہ اس کے دریائے محبت میں غرق ہوتا چلا جا رہا تھا۔

اور کچھ دن تو ان کی محبت کا راز راز ہی رہا۔ مگر عشق و مشق چھپائے نہیں چھپتے آخر ان کی محبت طشت ازیم ہو گئی پہلے تو وہ چوری چھپے مل لیا کرتے تھے۔ اب پابندی لگ گئی اس پابندی نے دونوں کے دلوں میں محبت کی آگ اور بھڑکا دی انہیں ایام میں اتفاق سے ایک معزز افسر (۱) یو فے می لیس (فنی) طرین میں آیا اور شمعون کا مہمان ہوا۔ یہ شخص جزیرہ سسلی کی فوج کا سپہ سالار تھا اور امیر البحر بھی تھا نہایت معزز اور بڑا با وقار اور مالدار شخص تھا اس زمانہ میں سسلی کا گورنر پیٹر سن قسطن تھا۔ اگرچہ فنی پیٹر سن کا ماتحت تھا مگر اعزاز دونوں کا برابر تھا فنی جوان آدمی تھا وہ سلوی پر فریفتہ ہو گیا اور پہلی ملاقات میں اس نے دل کے ساتھ ہوش و خرد بھی سلوی کے قدموں پر ڈال دیا اب فنی نے شمعون سے کہا شمعون نے کہا اگر سلوی اس رشتہ کو پسند کر لے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا فنی کے دل کو لگی تھی انہوں نے سلوی کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا سلوی انہیں کیوں قبول کرنے لگی تھی وہ تو ہر کلیس کو چاہتی تھی اس نے انکار کر دیا فنی کو بڑا صدمہ ہوا مگر شمعون انہیں پسند کرتے تھے انہوں نے کہا کہ دو چار مرتبہ آ جاؤ سلوی کے دل میں اپنی جگہ پیدا کرو

یقین ہے وہ مان جائے گی۔

بات معقول تھی فنی کے سمجھ میں آ گئی انہوں نے طے کر لیا کہ وہ آتے رہیں گے اور اس وقت تک آتے رہیں گے جب تک سلوی رضا مند نہ ہو جائے مگر وہ نوشتہ تقدیر کو نہیں جانتے تھے نہ سلوی کو سمجھ سکے تھے۔

ابھی فنی ٹھہرے ہوئے ہی تھے کہ ایک گل کھلا ہوا یہ کہ ہر کلیس کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ فنی سلوی پر مرٹے ہیں اور انہوں نے اس کی خواستگاری اس کے باپ شمعون سے کی ہے شمعون رضا مند ہو گئے ہیں سلوی ابھی راضی نہیں ہوئی مگر ان کے ذہن نشین یہ بات ہو گئی کہ یا تو سلوی ایک دن راضی ہو جائے گی یا اسے باپ اور بھائی کے کہنے پر مجبوراً رضا مند ہونا پڑے گا انہوں نے یہ بھی کہا۔ کہ وہ غریب ہیں سلوی کی ناز برادری نہ کر سکیں گے فنی امیر ہیں۔ دولت مند ہیں با وقار اور مشہور ہیں وہ سلوی کی ناز برادری کر سکیں گے اور اسے خوش رکھ سکیں گے انہوں نے ان دونوں کے درمیان سے ہٹ جانا ہی اچھا سمجھا۔

چنانچہ انہوں نے خود کشی کر لی اور ایک خط سلوی کے نام چھوڑ گئے جس میں کہ انہوں نے صاف طور پر لکھ دیا کہ وہ اس لئے خود کشی کر رہے ہیں کہ سلوی کے قاتل نہیں ہیں جب سلوی کے پاس یہ خط پہونچا تو وہ بیہوش ہو گئی۔۔۔۔۔ خاتون اتنا بیان کر کے خاموش ہو گئیں۔

(۲۱)

کچھ وقفہ کے بعد خاتون نے پھر بیان کرنا شروع کیا انہوں نے کہا سلوی کچھ اس طرح بیہوش ہوئی کہ اس کی زندگی کی طرف سے ناامیدی ہو گئی اس کے باپ کو بڑا فکر ہوا اور اس کی بیہوشی کی وجہ نہ سمجھ سکے کیونکہ سلوی کو ہر کلیس کا خط اس کی راز دار سہیلی نے لا کر دیا تھا سلوی کے بیہوش ہوتے ہی اس نے وہ خط چھپا دیا اور اس کے باپ شمعون کو اس کے بیہوش ہونے کی اطلاع کر دی تھی جب شام ہو گئی اور اسے ہوش نہ آیا تب طبیب بلائے گئے انہوں نے بہت زیادہ دوا دھوپ کی آخر اسے

عزت کا بڑا لحاظ پاس ہوتا ہے تم اپنے سے چھوٹے آدمیوں کو ذلیل اور جانور سمجھتے ہو تم۔۔۔

شمعون نے قطع کلام کر کے کہا۔ ”بس کرو بیٹی! بس کرو تم بعد میں مجھے چاہے جس قدر ملامت کر لینا۔ مگر اب وہ بات بتا دو جو اس کی جان کی لیوا ہو گئی ہے۔“

سہیلی۔ ”کیا تم انجان ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے۔“
شمعون۔ ”پاک ماں (حضرت مریم) کی قسم مجھے کچھ معلوم نہیں ہے میری رہنمائی کرو اور مجھے بتا دو۔“

سہیلی۔ انہیں ہر کلیس سے اور ہر کلیس کو ان سے محبت تھی ان کے ملنے جلنے پر تم نے پابندی لگا دی وہ برداشت کر گئے مگر جب تم خلیجی کا پیغام منظور کر لیا اور ہر کلیس کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے سوچا کہ وہ ایک امیر کی بیٹی کے لائق نہیں ہے اور جب تک وہ زندہ رہے گا ممکن ہے سلومی اس وقت تک خلیجی کی دامن نہ بن سکے اس لئے اس نے خود کشی کر لی اور مر گئے۔۔۔ اور اب سلومی موت کی گود میں جا رہی ہے نیز ہر کلیس کی بہن لوسیانا کی حالت نازک ہے اسے اپنے بھائی سے محبت تھی وہ بھی کل سے بیہوش پڑی ہے۔ اس کی زندگی کی بھی امید نہیں رہی ہے تمہارے غرور نے ایک کی جان لی اور دو کی جانیں اور جانے والی ہیں۔“
شمعون سکتے کے عالم میں رہ گئے۔ انہوں نے کہا۔

”میں نے برا کیا اور اب جو ہو چکا۔ ہر کلیس واپس نہیں آ سکتا لیکن اس کی بہن لوسیانا کو ضرور بچانا چاہئے۔“ چنانچہ انہوں نے دو طبیوں کو لوسیانا کے علاج کے لئے بھیج دیا ان سے کہہ دیا کہ لوسیانا بھی ان کی بیٹی ہے اسے بھی وہ بچانے کی کوشش کریں۔“ اور دو طبیب سلومی کا علاج کرنے لگے شمعون نے سہیلی سے کہا۔ ”کیا تم میری خاطر سے اپنی سہیلی کی زندگی بچانے کے لئے ایک تکلیف گوارا کرو گی۔“

سہیلی۔ ”میں سلومی کے لئے اپنی جان دے سکتی ہوں۔“
شمعون۔ شاباش! تم ایسا کرو کہ جب اسے ہوش آ جائے تو یہ کہہنا کہ ہر کلیس نے خود کشی نہیں کی۔“

سہیلی۔ ”میں کیا جھوٹ بولوں۔ اسے جھوٹی تسلی دوں۔“

پچھلی رات کے وقت ہوش آیا اس عرصہ میں ہر کلیس کی لاش دفنائی جا چکی تھی وہ اس کا جنازہ بھی نہ دیکھ سکی ہوش آنے پر سلومی کو یہ خیال ہوا کہ وہ سو گئی تھی اور اب اٹھی ہے مگر جب اس نے اپنے گرد طبیوں اور باپ کو اور کئی خادماؤں کو دیکھا تو اسے تعجب ہوا کہ وہ لوگ وہاں کیوں ہیں؟ رفتہ رفتہ اسے یاد آیا کہ وہ ہر کلیس کا خط دیکھ کر بیہوش ہوئی تھی۔ اس کے نازک دل میں پھر ٹیس سی اٹھی اور وہ ایک لمبا ٹھنڈا سانس لے کر پھر بے ہوش ہو گئی۔ طبیوں نے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس کے دل کو کوئی صدمہ پہنچا ہے۔ اب اس کی جان بڑی مشکل میں ہے۔“

شمعون کو اس سے بڑی محبت تھی انہیں بڑا صدمہ ہوا۔ انہوں نے طبیوں سے التجا کی کہ وہ اسے اچھا کرنے کے لئے اپنا علم و فن اور اپنا تجربہ صرف کر دیں۔ وہ انعام دے کر انہیں مالا مال کر دے گا طبیوں نے بڑی سرگرمی سے کوشش شروع کی لیکن دن نکل آیا مگر اسے ہوش نہ آیا شمعون رات بھر جاگتے رہے اتفاق سے خلیجی کو پیٹرن نے طلب کیا تھا اور وہ اسی روز جس روز سلومی بیہوش ہوئی وہاں سے چلے گئے تھے شمعون نے یہ پتہ لگانے کی کوشش کی کہ ان کی بیٹی کو کیا صدمہ پہنچا ہے جو وہ زندگی سے دور اور موت کے قریب پہنچ گئی ہے انہیں یاد آیا سلومی کی سہیلی نے اس کے بیہوش ہونے کی انہیں اطلاع دی تھی انہیں خیال ہوا کہ وہ ضرور اس کی بیہوشی کے راز سے واقف ہو گی انہوں نے اسے بلایا اور جب وہ آئی تو اسے اس کمرہ میں لے گئے جس میں سلومی بیہوش پڑی تھی انہوں نے کہا بیٹی یہ کل سے بیہوش ہے طبیوں کو اس کی زندگی کی امید نہیں رہی ہے تم نے اسے دیکھ لیا ہے۔۔۔؟“

سلومی کا رنگ سفید ہو گیا تھا اس کی سہیلی کو اس کی یہ حالت دیکھ کر رنج ہوا اس کے آنسو جاری ہو گئے شمعون اسے اپنے کمرہ لے گئے انہوں نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا وہ بیٹھ گئی سہیلی برابر رو رہی تھی شمعون نے کہا میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے دل کو کیا صدمہ پہنچا ہے۔۔۔ جو اس کی یہ کیفیت ہو گئی ہے۔۔۔؟“

سہیلی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا کہ ”تم بڑے مغرور ہوتے ہو تمہیں خاندانی

شمعون۔ ”اگر تمہیں سلوی سے محبت ہے اور تم اس کی زندگی چاہتی ہو تو ایسا کرو۔“

سہیلی۔ ”میں جھوٹ بولوں گی میں اپنی پیاری سہیلی کی جان ضرور بچاؤں گی۔“

شمعون اسے لے کر پھر سلوی کے کمرہ میں چلے آئے دوپہر کے وقت سلوی کو پھر ہوش آیا شمعون نے اس کی طرف اشارہ کیا اور خود وہاں سے چلے گئے سلوی نے آنکھیں کھول کر بے مدعا دیکھا سہیلی کا نام نے سہیلی تھا اس نے اس سے کچھ کہنا چاہا مہیوں نے روک دیا اور کہا ابھی ان کے حواس درست نہیں ہوئے ہیں۔ ”کچھ وقفہ کے بعد سلوی نے کہا۔ ”میں کہاں ہوں۔“ نے سہیلی نے کہا تم اپنے کمرے میں ہو سلوی! ہر کلیس نے خود کشی نہیں کی۔“ اس نے بے اعتباری کی نظروں سے نے سہیلی کو دیکھا۔ نے سہیلی نے کہا سچ جانو۔۔۔ وہ زندہ ہے۔ وہ بچ گیا۔“

سلوی کو یقین آ گیا۔ اس بات کا اثر اس کے دل پر بڑا اچھا ہوا اس کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ نے سہیلی اس کے پاس دن میں کئی مرتبہ آنے لگی۔ ایک ہفتہ میں وہ اس قابل ہو گئی کہ باغیچہ تک چل قدمی کر سکے اور پھر پندرہ روز میں اس میں اچھی خاصی توانائی آ گئی وہ ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگی اسی فریب میں مبتلا رہی کہ ہر کلیس بچ گیا مگر ایک روز فریب ظاہر ہو گیا ہوا یہ کہ لوسیانا وہاں آ گئی وہ بھی اچھی ہو گئی تھی اور پندرہ روز میں وہ بھی چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تھی رہ رہ کر اسے بھائی کی یاد بے چین کرتی تھی کلیجہ میں گھونسا سا لگتا تھا سلوی کو دیکھتے ہی وہ برس پڑی۔ اس نے کہا مغرور باپ کی بیٹی میرے بھائی کی جان لے لی تا جب تم اس کی نہیں ہو سکتی تھیں تو تم نے کیوں اسے سہارا دیا تھا کیوں اس کے سینہ میں محبت کی آگ بھڑکائی تھی کیوں اس کی زندگی کے ساتھ کھیلیں۔۔۔ میں تم سے اپنا بھائی واپس لوں گی۔“

سلوی سکتہ کے عالم میں بیٹھی رہ گئی لوسیانا رو رہی تھی وہ بھی رونے لگی طبیعت نے خود اپنا علاج کر لیا اگر وہ رونے نہ لگتی تو یقیناً بے ہوش ہو جاتی اور بیہوشی کے عالم میں مرجاتی سلوی نے کہا مجھے دھوکا دیا گیا مجھے بتایا گیا کہ ہر کلیس زندہ ہے مجھے زندہ رکھنے کے لئے جھوٹ بولا گیا۔ میں تمہاری مشکور ہوں تم نے حقیقت ظاہر کر دی میں تمہارا بھائی تو واپس نہیں دے سکتی مگر خود میں ان کے پاس جا سکتی ہوں۔ میں ان

کے پاس ضرور جاؤں گی۔ کوئی مجھے نہیں روک سکتا ہم زندگی میں ایک نہ ہو سکے مگر ایک ہو جائیں گے۔“

سلوی کی باتوں سے لوسیانا کی آنکھیں کھل گئیں اسے احساس ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے سلوی مغرور نہیں ہے اسے اب بھی ہر کلیس سے محبت ہے وہ ضرور اپنی جان دے دے گی وہ پچھتائی اس نے سلوی کو روک کر کہا کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟“

سلوی نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”ہر کلیس کے پاس۔“

لوسیانا سہم گئی اس نے کہا۔ ”میں نہ جانے دوں گی۔“

سلوی ”اب مجھے نہ روکو لوسیانا تم نہیں جانتی ہو میری زندگی تباہ ہو چکی ہے اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گی۔“

لوسیانا۔ ”تم میرے لئے جیو میں ہر کلیس کی نشانی ہوں میں تمہیں دیکھ کر جیوں گی کیونکہ ہر کلیس تم سے محبت کرتے تھے۔“

سلوی۔ میں زندہ رہوں گی تو میری زندگی میرے لئے وبال جان ہو جائے گی۔

لوسیانا۔ ”تم جانتی ہو کہ ہمارے گھر میں ہم دو بہن بھائی تھے ہمارے والدین ہمیں دیکھ کر جیتے تھے اب بھیا مر گئے میں زندہ ہوں میرے ماں باپ نے مجھ پر ہی صبر کر لیا ہے تم مرو گی تو میں تم سے پہلے مر جاؤں گی اور پھر میرے ماں باپ بھی مرجائیں گے میں تم سے اپنی زندگی کی نہیں اپنے ماں باپ کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں بولو زندہ رہو گی۔“ سلوی لوسیانا کے گلے لگ کر رونے لگی اور اس قدر روئی کہ لوسیانا کا دوشہ اس کے آنسوؤں سے تر ہو گیا لوسیانا نے بھی اسے رونے سے منع نہیں کیا جب رونے سے اس کے دل کا غبار نکل گیا تب اس نے آنسو پونچھے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”آج سے تم میری بہن ہو اور میں اپنی بہن کے لئے زندہ رہوں گی۔“

سلوی میں پاک ماں کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ صرف تیرے لئے زندہ رہوں گی۔“ خود کشی نہ کروں گی مگر ایک وعدہ تو بھی کر۔

لوسیانا۔ ”کیا۔۔۔؟“

سلوی۔ ”غمزہ نہ رہے گی۔ خود بھی خوش رہے گی اور مجھے بھی خوش رکھنے کی

کوشش کرے گی۔“

لوسیانا۔ ”میں وعدہ کرتی ہوں۔“

سلوی۔ ”یہ بھی وعدہ کرو کہ مجھے غیر نہ سمجھو گی۔“

لوسیانا۔ ”پاک ماں کی قسم سگی بہن سمجھوں گی۔“

سلوی۔ ”میں کچھ دوں گی تو اس کے لینے میں ضد نہ کرو گی۔“

لوسیانا۔ ”یہ کیا....؟“

سلوی۔ ”سنو لوسیانا مجھے خوب معلوم ہے تمہارے والد ضعیف ہیں ہر کلیس کی کمائی پر تمہارے خاندان کی گزر تھی جب تم میری بہن ہو گئیں تو تمہارے ماں باپ میرے ماں باپ ہو گئے بیٹی کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرے.... اس وقت شمعون آگئے انہوں نے کہا بیشک بیٹی کا یہ فرض ہے۔“

سلوی۔ ”ابا جان آپ نے کیوں مجھے یقین دلایا کہ ہر کلیس زندہ ہے۔“

شمعون۔ ”اپنی بیٹی کی جان بچانے کے لئے.... میں نے تم دونوں کی تمام باتیں سن لی ہیں لوسیانا میری بیٹی ہو گئی اور اس کے باپ میرے بھائی ہو گئے شمعون اپنی بیٹی کو تحفہ دیتا ہے۔“ انہوں نے پانچ سو اشرفیاں دے دیں اور لوسیانا کو لپٹی پڑیں وہ چلی گئی سلوی نے پھر عہد کیا کہ وہ لوسیانا کے لئے زندہ رہے گی۔ ”خاتون خاموش ہو گئی۔“

(۲۲)

خاتون نے پھر کہنا شروع کیا۔

سلوی نے لوسیانا کی وجہ سے اپنے آپ کو بہت کچھ بدل لیا۔ وہ خود بھی خوش رہتی اور لوسیانا کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرتی وہ اکثر لوسیانا کے گھر بھی چلی جاتی اس کے والدین اس کی بڑی عزت کرتے اس کے والدین بھی اسے بہت ہی چاہنے لگے تھے۔ شمعون بھی کبھی کبھی لوسیانا کے گھر چلے جاتے اور جب جاتے کچھ نہ کچھ دے کر آتے۔ ان کا خیال تھا کہ رفتہ رفتہ سلوی کے دل سے ہر کلیس کا رنج جاتا رہے گا۔ وہ سلوی کو خوش کرنے کے لئے لوسیانا اور اس کے والدین کے ساتھ سلوک کر رہے تھے۔

سلوی نے کئی مرتبہ یہ کوشش کی کہ قبرستان جا کر ہر کلیس کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر پھول چڑھا آئے مگر ہمت نہیں ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس سے ضبط نہ ہو سکے گا اور ممکن ہے کہ کوئی حادثہ پیش آ جائے۔ لوسیانا بھی اس بات کو سمجھتی تھی۔ اس لئے اس نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ وہ ہر کلیس کی قبر پر جائے۔ بلکہ اگر کبھی سلوی نے خود جانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا تو اس نے ٹال دیا۔

زمانہ سب سے اچھا طیب اور ڈاکٹر ہے وہ گہرے سے گہرے زخم کو بھر دیتا ہے اور عزیز سے عزیز کی یاد کو بھلا دیتا ہے۔ سلوی ہر کلیس کو بھول تو نہ سکی لیکن اس کے اوپر اس کی موت نے جو گہرا زخم لگایا تھا وہ بھرنے لگا۔ شمعون کو امید ہو چلی کہ سلوی ہر کلیس کو بھول جائے گی اور عنقریب ہی اپنی زندگی کا نیا باب شروع کرے گی وہ اس کی شادی کر دینا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ شادی ہونے سے اس کی طبیعت سنبھل جائے گی۔ انہوں نے فیجی کو انتخاب کر رکھا تھا۔ ان کی دولت ان کی عزت ان کی شہرت نے ان کے دل میں ان کی جگہ کر لی۔ انہوں نے اپنے بیٹے جو لیس سے بھی مشورہ کر لیا تھا۔ جو لیس کو اپنی بہن سلوی سے بڑی محبت تھی۔۔۔ انہوں نے باپ سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر سلوی خوشی سے شادی کرنے پر تیار ہو جائے تو ضرور کر دی جائے اگر تیار نہ ہو تو اس پر دباؤ نہ ڈالا جائے بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

فیجی کے خطوط شمعون کے پاس آتے رہتے تھے وہ ایک دو مرتبہ آ بھی چکے تھے۔ لیکن سلوی نے ان سے اچھی طرح بات تک نہیں کی تھی۔ وہ اس زمانہ میں بھی آئے تھے جب سلوی ہر کلیس کی موت کی وجہ سے سوگوار تھی۔ انہیں بھی ہر کلیس سے اس کی محبت کا حال معلوم ہو گیا اس پر بھی ان کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور چونکہ سلوی رنج و غم سے کھل گئی تھی دلی ہو گئی اس لئے اس کا پہلا جیسا رنگ نہیں رہا تھا مگر وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین معلوم ہوتی تھی جوں جوں رنگ اڑتا جاتا تھا اور کھلتا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ فیجی چند روز وہاں رہنے کے لئے آئے تھے وہ اس قصد سے آئے تھے کہ سلوی کو ساتھ رکھ کر اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کریں گے۔

شرکت کے لئے مدعو کیا ہو مگر میں نے جو کہا ہے رسم وہی ادا ہوگی مگر جا کے بشپ کو میں نے اطلاع دے دی ہے اور اب وہ آتے ہی ہوں گے۔“

جولیس نے باپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”دیکھ لیجئے جلد بازی کا انجام کیا ہوا میں نے ہر چند کہا کہ سلوی کو اس کے حال پر چھوڑ دیجئے لیکن آپ نے نہ مانا اب میری بہن مگر جا کی ملک ہو جائے گی اس کی زندگی تباہ کرنے کے ہم ذمہ دار ہیں۔“ اس وقت ایک آواز آئی۔ ”مگر جا میں داخل ہونے سے زندگی تباہ نہیں ہوتی بلکہ سنور جاتی ہے۔“

لوگوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ بشپ کئی پادریوں کے ساتھ آ رہے تھے سب ان کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں دیکھ کر سلوی کی آنکھیں چمکنے لگیں بشپ اور پادری آ کر بیٹھ گئے۔ سب مہمان بھی بیٹھ گئے۔ سلوی بڑھ کر بشپ کے پاس آئی اور ان کے قدموں میں بیٹھ کر کہنے لگی۔ مقدس باپ میں بہت بے چین ہوں میرے دل کو سکون نہیں ہے۔ مجھ پر مہربانی کیجئے دعا کیجئے کہ میرے دل کو سکون حاصل ہو بشپ نے شفقت و مہربانی سے اس کے خوبصورت سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”تم نے صحیح راستہ اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پاک ماں اور بزرگ خداوند حضرت عیسیٰ کے سایہ میں آ جانے سے ہی تمہارے دل کو سکون حاصل ہو گا۔“

شمعون :- ”مگر مقدس باپ! میں اپنی بیٹی کو مگر جا میں داخل ہونے کی کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔“

بشپ :- ”سلوی بالغ ہے اپنے نیک و بد کو سمجھتی ہے۔ تمہیں اس کے کام میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس نے مگر جا میں داخل ہونے کے لئے درخواست دے دی ہے۔ وہ درخواست پوپ کے پاس بھیج دی گئی ہے۔ سلوی کا تعلق مگر جا سے ہو گیا ہے۔ ہم اسے لینے آئے ہیں۔“

اب شمعون اور فیبی دونوں دیکھتے رہ گئے۔ مگر جا کا یہ قانون تھا کہ جو لڑکا یا لڑکی راہب یا راہبہ بننے کی درخواست بشپ کو دے دیتا تھا بشپ اسے مگر جا میں لے جا کر راہب یا راہبہ بننے کی رسم ادا کر کے راہب یا راہبہ بنا دیتے شمعون

بڑے بڑے جتن کئے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی اور سلوی ان سے باتیں بھی کرتی تھی ان کے ساتھ ہوا خوری کو بھی چلی جاتی اور ان کے پاس بھی بیٹھی رہتی تھی لیکن جب بھی فیبی مطلب کی بات کہتے وہ فوراً ٹوک دیتی کہ ایسی باتیں نہ کیجئے اگر فیبی نہ مانتے اور کہے ہی چلے جاتے تو وہ اٹھ کر چلی جاتی۔ دراصل سلوی کا دل ٹوٹ گیا تھا وہ زندہ تھی لوسیانہ اور اس کے خاندان کے لئے انہیں خوش رکھنے کے لئے خود بھی خوش رہتی تھی ورنہ اس کی امتگیں ختم ہو گئی تھیں دل بچھ گیا تھا۔ دنیا کی کسی بات میں اس کے لئے کوئی دلکشی باقی نہیں رہی تھی وہ چلتی پھرتی زندہ لاش تھی۔

شمعون اور فیبی سمجھتے تھے کہ غم کے بادل چھٹ گئے۔ امتگوں کی کونپلیں ہری ہو گئیں، اس کا غنچہ دل جو مرجھا گیا تھا وہ شکفتہ ہو گیا۔ یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ آخر فیبی نے شمعون کو اس بات پر رضا مند کر لیا کہ وہ شادی کی تاریخ مقرر کر دیں سلوی بھی راضی ہو جائے گی اور شادی سے انکار نہ کر سکے گی لیکن جولیس نے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا سلوی بظاہر خوش نظر آتی ہے لیکن اس کی خوشی کی تہ میں خوفناک غم چھپا ہوا ہے ابھی اسے اس کے حال پر رہنے دو لیکن شمعون نے نہیں مانا اور انہوں نے ایک روز منگنی کی رسم ادا کرنے کے لئے کچھ آدمیوں کو مدعو کر لیا۔ سلوی کو بڑا رنج ہوا۔ جب لوگ آ گئے اور کھانے سے پہلے انگوٹھیوں کے تبادلہ کا وقت آیا تو سلوی نے مجمع میں کھڑے ہو کر کہا۔ آپ صاحبان کو اس لئے مدعو کیا گیا ہے کہ میں نے تارک دنیا ہو کر راہبہ بن جانے کا ارادہ کر لیا ہے میں پاک ماں کے نام پر مگر جا میں داخل ہو رہی ہوں۔ اپنی بقیہ زندگی عبادت اور ریاضت میں گزار دوں گی۔“

مہمانوں کو یہ معلوم تھا کہ سلوی کی منگنی کی رسم ادا ہونے والی ہے وہ سلوی کی باتیں سن کر بہت حیران ہوئے شمعون اور فیبی کو بڑا رنج ہوا۔ شمعون نے کہا ابھی یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یہ لوگ راہبہ بننے کی رسم میں شریک ہونے کے لئے مہینے آئے ہیں۔ بلکہ۔۔۔

سلوی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا آپ نے انہیں کسی رسم میں بھی

نے ہرچند سلوی کو سمجھایا اسے بتایا کہ وہ عبادت و ریاضت کی مشقت برداشت نہ کر سکے گی اور پھر جیتے جی کبھی گرجا سے باہر نہ نکل سکے گی وہ راہبہ بننے سے انکار کر دے مگر اس نے انکار نہ کیا بلکہ راہبہ بننے پر اصرار کرتی رہی آخر اس نے بشپ کے ہاتھوں کو عقیدت سے بوسہ دیا۔ یہ راہبہ بننے کی پہلی رسم تھی جو ادا ہو گئی۔ اب شمعوں کو کچھ کہنے کا حق باقی نہ رہا۔ سلوی گرجا کی ملک ہو گئی۔ بشپ اور پادری اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ شمعوں اور جویس آنسو بہاتے اور اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔

خاتون اس قدر بیان کر کے خاموش ہو گئی۔

(۲۳)

کچھ وقفہ کے بعد خاتون نے کہا۔ تم کہیں اس داستان سے اکتا تو نہیں گئے ہو۔“ افسر نے کہا۔ اکتایا تو نہیں البتہ خیران ضرور ہوں کہ تم یہ داستان مجھے کیوں سنا رہی ہو۔

خاتون :- ”ابھی تمہیں یہ داستان غیر متعلق اور فضول سی معلوم ہوتی ہو گی۔ لیکن آگے چل کر یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں نے تمہیں یہ داستان کیوں سنائی ہے اور اس وقت تم یہ ضرور سمجھ لو گے کہ اس داستان کا سنا ضروری تھا۔

افسر :- ”مجھے خود اشتیاق پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے کہ میں اس تمام داستان کو سن کر کسی نتیجہ پر پہنچوں۔“

خاتون :- ”یہی میرا مقصد بھی ہے۔“

افسر :- ”اچھا تو شروع کیجئے اس داستان کو۔“

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔ سلوی کے گرجہ میں داخل ہونے کا سبب ہی کو افسوس ہوا۔ خصوصاً فیبی کو سب سے زیادہ صدمہ ہوا۔ مگر کوئی بھی کچھ نہ کر سکا اور سلوی گرجا میں داخل ہو کر راہبہ بنا دی گئی۔ تمہیں شاید یہ بات معلوم ہو یا نہ ہو کہ جو لڑکی راہبہ بنتی ہے وہ یہ عہد کرتی ہے کہ وہ تمام عمر کنواری رہے گی اور شادی نہ کرے گی۔

اپنی عمر گزار دے گی یہ عہد قربان گاہ کے سامنے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے مجسوں کے سامنے کیا جاتا ہے۔ اس عہد کو توڑا نہیں جاسکتا۔ افسر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا کیا ایسا عہد لینا مناسب ہوتا ہے اور کیا بعض لڑکیاں اس عہد پر بعد میں پچھتاتی ہوں گی۔

خاتون :- ”میں اس مسئلہ میں کیا کہہ سکتی ہوں مگر رومن کیتھولک فرقہ میں ایسا ہوتا ہے۔“

افسر :- ”میرے خیال میں یہ بڑی نامناسب بات ہے۔ اسی لئے اسلام میں ہے کہ لا رہبان فی الاسلام۔“ یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔“

خاتون :- ”میں جانتی ہوں۔“

افسر :- ”اچھا سناؤ۔“

خاتون نے کہا۔ جب سلوی کے راہبہ بننے کی رسمیں ادا ہو چکیں تو وہ گرجا میں رہنے لگی۔ صوفی دنیا سے اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ شمعوں کو بھاری رقم گرجا کو ہر مہینہ دینی پڑتی تھی کہ ان کی بیٹی سلوی کو آرام ملے اور جویس اور لوسیانا اس سے ملنے کے لئے کبھی کبھی گرجے میں چلے جاتے تھے۔“

سلوی کے دل کو سکون گرجہ میں داخل ہو کر بھی نہ مل سکا۔ اگرچہ اس کا زیادہ وقت عبادت اور ریاضت میں گزرتا تھا یا مقدس انجیل کا مطالعہ کرتی رہتی تھی لیکن جو سکون وہ چاہتی تھی وہ حاصل نہ ہوا۔ گرجا سے باہر جب تک وہ تھی تو آزاد تھی جب اور جہاں چاہتی چلی جاتی مگر اب وہ گرجا کے قانون کے خلاف کچھ نہ کر سکتی تھی۔

فیبی اسے بھولے نہیں تھے دراصل وہ بھولنے کے قابل بھی نہ تھی۔ فیبی بھی گرجا میں کافی رقم اس کے آرام و آسائش کے لئے بشپ کو دیتے رہتے تھے۔

بچ پوچھو تو سلوی کی شکل میں ایک ایسا پارس ہاتھ آگیا تھا کہ جس سے سونا ہی سونا برسنے لگا تھا۔ جو رقمیں اس کے باپ بھائی اور فیبی دیتے تھے انہیں ایک روپیہ میں سے ایک آنہ بھی اس پر خرچ نہیں کیا جاتا تھا سب بشپ رکھ لیتے تھے اسے معمولی غذا معمولی لباس اور معمولی بستر ملتا تھا۔ اس کی امیرانہ زندگی ختم ہو

پہلی تھی مگر اس حالت میں بھی وہ حسین معلوم ہوتی تھی جب وہ گرجا میں جاتی تھی تو اس کے مشتاقوں کا ہجوم آگتا تھا اکثر فیمنی بھی چلے جاتے تھے اور آنکھیں سنیک لیتے تھے کبھی کبھی باتیں بھی ہو جاتی تھیں ان کے دل میں محبت روز بروز بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ ان کے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور انہوں نے یہ کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح سلوی کو گرجے سے نکال لے جائیں۔

فیمنی اس بات کو خوب جانتے تھے کہ کسی راہبہ کو گرجا سے نکالنا بڑے گناہ کی بات ہے۔ مگر محبت نے انہیں اندھا کر دیا تھا انہوں نے کئی عتوں اور راہبوں کو دولت دے کر اپنا ہمدرد بنا لیا۔ دولت سے ناممکن کام اور ناممکن باتیں ممکن ہو جاتی ہیں چنانچہ فیمنی کے ہمدرد راہبوں اور عتوں نے اس بات کی کوشش شروع کر دی کہ وہ سلوی کو کسی بہانہ سے گرجے سے باہر لیجا کر فیمنی تک پہنچا دیں۔

فیمنی نے ٹاور مینا (طیرمین) سے ہلمو تک گھوڑوں کی گاڑی کی ڈاک بٹھادی تھی۔ ایک روز دن چھپے کے قریب کئی تیس سیر کے بہانے سے سلوی کو گرجا کے باغ میں لے گئیں فیمنی نے پہلے ہی وہاں اپنے آدمی بٹھا دیئے تھے جب دن چھپ گیا اور یہ لڑکیاں واپس جانے لگیں تو دفعتاً چار آدمی سیاہ لباہ اوڑھے اور ڈھانٹے باندھے ہوئے نمودار ہوئے اگرچہ تیس جانتی تھیں کہ وہ کون ہیں مگر ظاہر داری میں خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگیں۔ سلوی بھی بھاگی۔ مگر وہ نازک اور نازنین تھی تیز نہ بھاگ سکی پکڑ لی گئی۔ ایک سیاہ پوش نے اس کے منہ میں کپڑے کی گیند دے دی اور ایک کپڑے سے اس کا منہ باندھ کر اور سب اسے اٹھا کر بھاگے باغیچہ سے باہر نکل کر ایک طرف کو دوڑے چلے گئے سلوی نے چلانا اور شور کرنا چاہا مگر منہ میں گیند تھی اس کی آواز نہ نکل سکی دن چھپ چکا تھا اجالے پر اندھیرا غالب آتا جا رہا تھا یہ لوگ جنگل کی طرف بھاگتے چلے گئے کچھ دور انہیں ایک گاڑی ملی انہوں نے سلوی کو گاڑی میں ڈال دیا اور آدمی اسے پکڑ کر اس کے پاس بیٹھ گئے ایک آدمی کو جوان کے برابر جا بیٹھا اور ایک واپس لوٹ گیا شاید یہ معلوم کرنے کہ سلوی کی گمشدگی پر چرچ کی طرف سے کیا کارروائی ہوتی ہے۔

یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن میں راستہ سے ہٹ کر دور کسی چٹان کے پیچھے یا گہرے جنگل میں چھپ جاتے۔ انہوں نے سلوی کو ڈرا کر اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ آواز بھی نہ نکال سکتی۔ اب انہوں نے اس کے منہ میں گیند ٹھونسنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

ایک روز یہ لوگ کو رلیون کے جنگل میں ٹھہرے کو رلیون ایک چھوٹا سا شہر تھا جو ہلمو سے اکیس میل کے فاصلے پر تھا وہاں فیمنی آگئے اور اس طرح سے آئے جیسے وہ شکار کھیلتے پھر رہے ہیں وہ سلوی اور سیاہ پوشوں کے پاس آئے اور بظاہر سلوی کو دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ انہوں نے سیاہ پوشوں سے کہا۔ سلوی ان کھپیوی ہے وہ اسے کہاں سے لائے ہیں۔

ان لوگوں نے جواب دیا اسے پاپیرس نے طلب کیا ہے۔

پاپیرس ایک خوفناک ڈاکو تھا۔ سلوی سم گئی اس کی بابت یہ شہرت تھی کہ وہ نوخیز حسین لڑکیوں کو پکڑا کر منگواتا ہے اور انہیں خراب کر کے ان کے ناک کان کاٹ کر چھوڑ دیتا تھا فیمنی نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ سلوی! اس کی بیوی ہے اسے چھوڑ دیں سلوی نے بھی وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس بات کا اقرار کر لیا کہ وہ فیمنی کی بیوی ہے۔

چنانچہ ان لوگوں نے سلوی کو فیمنی کے حوالے کر دیا۔ فیمنی اسے لے کر قریب کے گرجا میں گئے اور اس سے کہا کہ ابھی نکاح پڑھوا لو ورنہ ممکن ہے پاپیرس کو معلوم ہو جائے کہ اسے دھوکا دیا گیا اور وہ پھر تمہیں اٹھوا لے۔

سلوی اس قدر خوف زدہ ہو گئی تھی کہ وہ انکار نہ کر سکی اور دونوں پادری کے روبرو گئے اور قربان گاہ کے سامنے ان کا نکاح ہو گیا۔ فیمنی اسے لے کر ہلمو چلے آئے اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے۔

مگر جلد ہی سلوی کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب کارروائی فیمنی نے اسے حاصل کرنے کے لئے کی تھی اسے بڑا رنج ہوا۔ اس نے اپنے بھائی کو تمام حالات سے اطلاع دی اور لکھا کہ فیمنی نے اس کی (1) مرضی کے خلاف اس سے شادی کر لی ہے اسے اس سے بچایا جائے ورنہ وہ خودکشی کر لے گی۔

جولیس اور شمعون دونوں کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ اس سے ان کی بڑی توہین ہوئی۔ چنانچہ وہ دونوں قسطنطنیہ پہنچے اور انہوں نے قیصر روم سے فریاد کی بادشاہ نے پیٹرس قسطنطین کو جو جزیرہ سسلی کا گورنر تھا ایک فرمان اس مضمون کا بھیجا کہ ہمارے روبرو یہ استغاثہ ہوا ہے کہ فیسی نے شمعون کی اس بیٹی کو جو راہبہ ہو گئی تھی دھوکہ مکر اور فریب سے گرجا سے نکال کر زبردستی اپنی بیوی بنا لیا ہے اس نے زبردستی جرم کیا ہے۔ لہذا تم اس جرم میں اس کی ناک کاٹ ڈالو اور سلوی کا نکاح فسخ کرا دو۔ اس زمانہ میں کسی راہبہ کو زبردستی گرجے سے نکال کر اس سے شادی کرنے کی سزا ناک یا زبان کاٹ کر دی جاتی تھی۔

فیسی کو بھی بادشاہ کے اس فرمان کی خبر ہو گئی اس نے یہ کوشش کی کہ سسلی میں بغاوت کرا دے۔ جب ملک میں انقلاب آجائے گا تو وہ بچ جائے گا۔ مگر اس کی یہ سازش ظاہر ہو گئی اور اس کے ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ مگر فیسی سلوی کو لے کر وہاں سے افریقہ بھاگ گئے۔

خاتون اس قدر بیان کر کے خاموش ہو گئیں۔

(۲۴)

افرنے حیرت سے کہا ”فیسی افریقہ بھاگ گئے۔“

خاتون :- جی ہاں اصل داستان تو اب شروع ہوتی ہے بلکہ سچ پوچھو تو اب بھی شروع نہیں ہوتی جس ہستی کے لئے میں بے چین ہوں اور جس کا اس داستان سے تعلق ہے اس کا قصہ تو ابھی بہت دور ہے۔“

راہبہ کے عزیزوں نے قسطنطینہ جاکر بادشاہ سے یہ استغاثہ کیا کہ ان کی عزیزہ کو جو راہبہ ہو گئی تھی فیسی نے اڑا کر اس کی مرضی کے خلاف زبردستی اس سے شادی کر لیا ہے بادشاہ کو یہ بات سخت ناگوار گزری اس نے سسلی کے گورنر کو حکم دیا کہ قانون نافذ الوقت کے مطابق فیسی کی ناک کاٹ دی جائے۔ مجرم کو جب اس حکم کی خبر پہنچی تو اپنی ہر لعزیزی کے مجروسہ پر اس نے عام عذر پیدا کرنا چاہا کہ وہ اس سزا سے بچ جائے لیکن یہ راز ظاہر ہو گیا اور وہ افریقہ بھاگ کر پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ اخبار اندلس جلد دوم صفحہ نمبر ۱۱

افرنے :- ”تم اس قصہ ہی کو پہلے کیوں نہیں بیان کر دیتیں۔“
خاتون :- ”جب تک تمام داستان نہ سن لو گے تم سمجھ نہ سکو گے۔“
افرنے :- ”اچھا تو سناؤ۔“

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔

فیسی سلوی کو لے کر افریقہ (۱) میں پہنچا وہاں سے وہ سیدھا سلطنت اغالہ (۲) کے دار السلطنت قیروان میں حاضر ہوا وہاں کے حاکم امیر زیادة اللہ تھے۔ جو مدیر بہادر اور دور اندیش تھے فیسی ایک روز ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے فریاد کی کہ جزیرہ سسلی کا وائسرائے پیٹرس قسطنطین ان کی بیوی کو زبردستی ان سے چھینا چاہتا ہے اس کی مدد کی جائے اور انہیں پناہ دی جائے۔
امیر زیادة اللہ خود مختار بادشاہ ہو گئے تھے وہ مشرقی تھے پھر کچے مسلمان اول تو مشرقی لوگ اس بات کو بہت ہی برا سمجھتے ہیں کہ کوئی کسی کی بیوی کو چھین لے دوسرے مسلمان تو اس کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں جو کسی کی بیوی پر بری نظر بھی ڈالے۔

زیادة اللہ کو بڑا غصہ آیا لیکن انہوں نے تمام واقعات معلوم کرنے چاہے۔

چنانچہ فیسی سے کہا تم اپنی داستان مفصل سناؤ۔ اطمینان رکھو۔ تم ہماری پناہ میں ہو۔

افریقہ بربر کے علاقہ میں تھا اور بربر طرابلس الغرب میں شامل تھا اس علاقہ میں عباسی خلیفہ کی طرف سے ایک وائسرائے رہتا تھا۔

بربر کے علاقے کا دار السلطنت قیروان تھا۔ قیروان میں عباسی خلیفہ کی جانب سے ایک وائسرائے رہتا تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں بربر کے علاقہ کا انتظام کے لیے ایک لاکھ دینار سالانہ خلیفہ قیروان کے وائسرائے کو دیتے تھے۔ ابراہیم بن اغلب نے خلیفہ ہارون رشید سے درخواست کی کہ اگر قیروان کی حکومت اسے دے دی جائے تو وہ ایک لاکھ دینار خلیفہ سے نہیں لے گا بلکہ ۴۰ ہزار خلیفہ کو دیا کرے گا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اس کی درخواست منظور کر کے اسے سند حکومت عطا کر دی۔ ابراہیم بن اغلب نے قیروان پہنچ کر حکومت کا چارج لے لیا اور ۱۸۳ھ میں سلطنت اغالہ کی بنیاد ڈالی۔ اس نے ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا عبد اللہ اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ عبد اللہ نے ۲۰۱ھ میں وفات پائی اور عبد اللہ کے بھائی زیادة اللہ جو ابراہیم بن اغلب کے دوسرے بیٹے تھے۔ تخت نشین ہوئے فیسی زیادة اللہ کے پاس ۲۱۲ھ میں آیا تھا۔

اب مجبوراً فیجی کو تمام داستان سنائی پڑی اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ لڑکی نہایت حسین ہے زیادہ اللہ نے کہا ”عیسائیوں نے عیسائی مذہب میں بہت کچھ رد و بدل کر لیا ہے یہ بھی ان کا خود ساختہ قانون ہے کہ جو لڑکا یا لڑکی گرجا میں داخل ہو کر راہب یا راہبہ بن جاتے وہ تمام عمر شادی نہیں کر سکتے اس سے قانون کی ٹٹی پلید ہوتی ہے اور رومن کیتھولک عیسائیوں کے گرجاؤں میں جہاں راہب اور راہبات رہتے ہیں نہایت ہی خلاف انسانیت خلاف اخلاق اور خلاف مذہب اہل میں ہوتی ہیں اکثر مرد اور عورتیں گناہ کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں اور دونوں کے میل سے ناجائز اولاد پیدا ہوتی ہے گناہ اور جرم کو چھپانے کے لئے ان منہی بانوں کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا جاتا ہے خدا ان ظالموں سے سمجھے وہ ایسی قبیح ترکت کرتے ہی کیوں ہیں کیوں اس بیہودہ رسم جسے انہوں نے مذہب کا جزو بنا لیا ہے مٹا نہیں دیتے۔ وہ خدائی قانون کے خلاف چلتے ہیں خدا ربانیت کو پسند نہیں کرتا وہ تو یہ چاہتا ہے کہ انسان اس کی عبادت بھی کرے نکاح بھی کرے اولاد بھی پیدا کرے اولاد کی پرورش بھی کرے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رزق حاصل کرنے کے لئے محنت بھی کرے تجارت کرے زراعت کرے ملازمت کرے صنعت و حرفت میں حصہ لے غرض جائز طریقہ پر روزی کمائے خود بھی کھائے اور اپنی بیوی بچوں کو بھی کھائے یہ نہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر عبادت خانے میں بیٹھ جائے اگر یہ اچھی چیز ہو اور اسی سے نجات ملنے کی امید ہو اور ساری قوم گرجا میں داخل ہو جائے تو کھانے پینے کو کہاں سے آئے گرجاؤں کے مصارف اور گرجاؤں میں رہنے والوں کے اخراجات کہاں سے آئیں اور جب ان کی شادیاں نہ ہوں تو بچے کیسے پیدا ہوں اور جب بچے پیدا نہ ہوں تو قوم کیسے بڑھے بلکہ چند ہی روز میں ساری قوم ختم ہو جائے نہایت ہی بری اور ظالمانہ رسم ہے یہ انسانوں کو عہدی بنانے والی اپاہج بنانے والی اور بجائے ثواب کے گناہوں میں غرق کر دینے والی رسم حضرت عیسیٰ کی یہ تعلیم نہیں تھی اگر ان کی یہ تعلیم ہوتی تو عیسائی پھیلنے کے بجائے سمٹ جاتے اور چند ہی روز میں بالکل ختم ہو جاتے زیادہ اللہ نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی فیجی بھی ہاں میں ہاں ملائے گئے دفعتاً ”زیادہ اللہ کو کوئی بات یاد آئی انہوں نے کہا۔ ”تمہارا کیا نام ہے تم نے

اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔۔۔“ فیجی کا چہرہ یہ سن کر فق پڑ گیا زیادہ اللہ نہایت با رعب اور با جلال آدمی تھے۔ ان کے چہرے کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھا جاتا۔ فیجی کا سر جھک گیا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیادہ اللہ نے پھر کہا۔ بولو تمہارا کیا نام ہے؟ مجبور ہو کر فیجی نے کہا میرا نام یو نے می لیس ہے۔“

زیادہ اللہ نے کئی مرتبہ ان کا نام دہرایا۔ یو نے می لیس یو نے می لیس۔۔۔“

”ہم نے تمہارا نام پہلے نہیں سنا۔ فیجی کو اس سے مسرت ہوئی۔ مگر یہ خوشی جلد ہی جاتی رہی۔ کیونکہ شاہ زیادہ اللہ کو کوئی بات یاد آگئی۔ انہوں نے کہا کیا تم وہی ہو جسے مسلمان فیجی کہتے ہیں۔“

فیجی کو اب سوائے سچ بولنے کے اور چارہ ہی نہیں تھا۔ انہوں نے عرض کیا اعلیٰ حضرت میں وہی بد بخت ہوں۔“

زیادہ اللہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ اچھا تم ہی وہ شخص ہو جس نے جزیرہ سسلی سے فوج کشی کر کے افریقہ کے ساحل پر دست درازی کی تھی۔ اور اس علاقہ کے مسلمانوں کو اذیت پہونچائی تھی۔

بات یہ ہوئی تھی کہ جب فیجی امیر البحر مقرر ہوئے تھے تو انہوں نے رومی سلطنت میں اپنا اقتدار بڑھانے اور قسطنطنیہ کے بادشاہ امیر اطور کو (اس زمانہ میں قسطنطنیہ کا بادشاہ امیر اطور تھا) خوش کرنے کے لئے طرابلس اور افریقہ کے دوسرے علاقوں پر لشکر کشی کر کے ساحلی علاقہ کے مسلمانوں کو بڑی اذیت پہونچائی تھی ان کا خیال افریقہ کو فتح کر کے جزیرہ سسلی میں شامل کر لینے کا تھا وہ سلطنت عالیہ کو کمزور سلطنت سمجھتے تھے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ خدا کو یہ منظور نہیں ہے کہ افریقہ فتح ہو کر جزیرہ سسلی کا ایک حصہ بن جائے بلکہ قدرت کو یہ منظور ہے کہ جزیرہ سسلی افریقہ میں شامل ہو جائے جب فیجی کی لشکر کشی کی خبر زیادہ اللہ کو ہوئی تو انہوں نے ان کے مقابلے کے لئے بربری مجاہدوں کا لشکر بھیج دیا اور ان بربری لوگوں نے فیجی اور ان کی سپاہ کو شکست دے کر بھاگ دیا تھا۔

جب شاہ زیادہ اللہ نے یہ واقعہ یاد دلایا۔ تو فیجی کانپ گئے۔ انہوں نے دست بستہ ہو کر عرض کیا۔ جہاں پناہ! میں وہی خطا کار لائق گردن زدنی شخص

دیا جائے۔ تم ہماری امان میں ہو۔ اطمینان رکھو۔ انشاء اللہ اب تمہیں کوئی طاقت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

فینی بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے شکریہ ادا کیا۔ امیر زیادة اللہ نے انہیں خلعت فاخرہ اور دو گھوڑے معہ ساز و سامان کے عطا کئے وہ ان کے حضور سے چلے آئے انہوں نے دوسرے ہی دن یہ سنا کہ امیر زیادة اللہ نے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا ہے۔ جہازوں کی مرمت شروع ہو گئی۔ شرسوسہ میں جو کہ افریقیہ کے ساحل پر واقع تھا جہازوں اور فوجوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ اسی شہر سے لشکر روانہ ہونے والا تھا۔ اس شہر میں بڑی چل پھل ہو گئی تھی فینی بھی سلوی کو بلے کر وہیں پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بڑے زور شور سے جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں اور شہر کے گوشہ گوشہ میں جہاد اور جنگ کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ امیر زیادة اللہ بھی وہاں آ گئے تھے وہ روزانہ خود جہازوں اور فوج کا معائنہ کر رہے تھے۔ اب اس لشکر کی سپہ سالاری کا مسئلہ پیش ہوا۔ امیر زیادة اللہ کی نظر انتخاب شہر قیران کے قاضی اسد بن فرات پر گئی۔ وہ اگرچہ قاضی اور مولوی تھے۔ ان کی عمر بھی ستر سال کی تھی۔ بوڑھے ہو چکے تھے لیکن ابھی تک ان کے قوی اچھے تھے۔ مدیر جماندیدہ۔ دور اندیش۔ مستقل مزاج اور بڑے دلیر تھے۔

امیر زیادة اللہ نے انہیں امیر عسکر مقرر کیا۔ ان کے دل میں جوش جہاد اور شہادت کا شوق تھا۔ وہ تیار ہو گئے۔ امیر زیادة اللہ نے لشکر کی روانگی کی تاریخ مقرر کر دی۔ ۱۵ ربیع الاول ۲۱۳ھ مطابق ۱۳ جون ۸۲۷ھ بندر سوسہ پر جہاز آ گئے۔ فوجیں و سامان حرب و رسد کے انبار لا دیئے گئے۔ ایک سو جہاز تھے۔ امیر زیادة اللہ بھی آ گئے۔ ان کے ساتھ امیر عسکر (سپہ سالار) قاضی اسد بن فرات بھی تھے۔ امیر زیادة اللہ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

اس لئے بھیجے جا رہے ہو کہ اس رومی سلطنت سے انتقام لو جس نے بلاوجہ ہمارے علاقے پر لشکر کشی کی تھی۔ جزیرہ سسلی سے رومی حکومت کو مٹا کر اسلامی حکومت قائم کر دو۔

قاضی اسد نے عرض کیا۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ ہزاروں مسلمان اس لشکر

ہوں۔ مگر جلا لکتاب سے یہ عرض کروں گا کہ اس میں میرا تصور کچھ نہیں تھا مجھے سسلی کے گورنر پیٹرس قسطنطین نے افریقیہ کے ساحل پر لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔ چونکہ مجھے اس نے امیر البحر مقرر کیا تھا۔ اس لئے میں اس کے حکم سے انحراف نہیں کر سکا۔ مگر اعلیٰ حضرت! میں ان سب باتوں کی خلافی کر دوں گا۔

زیادة اللہ۔ کس طرح خلافی کر دوں گے۔

فینی :- ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ جزیرہ سسلی کو فتح کرا دوں گا۔ کچھ فوج میرے ساتھ ہے۔ کچھ میرے ہمدرد سسلی میں موجود ہیں وہ میری مدد کریں گے۔ اعلیٰ حضرت تھوڑا سا لشکر میرے ساتھ کر دیں۔ میں جزیرہ سسلی پر ان کا قبضہ کرا دوں گا۔“

”زیادة اللہ :- ”ہم تم پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ اگر تمہارا لشکر جانناز ہوتا۔ اگر تمہارے ہمدرد جزیرہ سسلی میں ہوتے تو تم پناہ لینے ہمارے پاس نہ آتے۔ اس کے علاوہ مسلمان کسی کی مدد کسی کی طاقت اور کسی کی ہمدردی پر بھروسہ نہیں کرتا۔ وہ صرف خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ خدا ہی مسلمان کی مدد کرتا ہے اور مسلمان فتح یاب ہوتا ہے۔“

زیادة اللہ کچھ سوچنے لگے۔ فینی عجب پریشانی اور تذبذب میں پڑ گئے۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں امیر زیادة اللہ ان کے لئے کوئی سزا تجویز نہ کر دیں۔ مگر انہیں یہ اطمینان تھا کہ مسلمان جب کسی کو پناہ دے دیتا ہے تو پھر اس کے ساتھ کوئی برائی نہیں کرتا چاہے اس نے کیسی ہی دشمنی کی ہو۔ امیر زیادة اللہ نے کچھ وقفہ کے بعد فینی سے پوچھا کیا واقعی تم قیصر روم اور سسلی کے گورنر کے مخالف ہو اور ان سے دشمنی رکھتے ہو۔۔۔؟“

فینی نے کہا۔ میں پاک ماں اور بزرگ خداوند کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں قسطنطین کے بادشاہ اور سسلی کے گورنر کا دشمن ہوں۔“

زیادة اللہ :- ”اچھا تو سنو! ہم نے اسی وقت جب تم نے ہمارے علاقہ پر حملہ کیا تھا یہ طے کر لیا تھا۔ کہ ہم جزیرہ سسلی پر ضرور لشکر کشی کریں گے۔ خدا ہماری مدد کرے اور ہمارا ارادہ پورا کرے۔ ہم نے حملہ کی تیاری بھی کر لی ہے۔ اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خدا ہی کو یہ منظور ہے کہ اب جزیرہ سسلی پر حملہ کر

مجاہدین اسلام! میں تم سے بھی یہی کہتا ہوں کہ تمہارے سامنے جزیرہ سسلی ہے اسے فتح کرتے بڑھتے چلے جاؤ بغیر اس جزیرہ کو فتح کئے واپسی کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔۔۔ میں جہازوں میں آگ تو نہ لگاؤں گا۔ لیکن تمہیں واپس لوٹنے کی بھی اجازت نہ دوں گا۔ جزیرہ سسلی کے رومی عیسائیوں نے بلاوجہ ہمارے مقبوضہ علاقہ پر تاخت کی تھی اور مسلمانوں کو اذیت پہنچائی تھی وقت آگیا ہے کہ انہیں ان کی جسارت کی سزا دی جائے اور اس جزیرہ سے ان کی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔

اے شہادت کے مشتاق! اس جزیرہ میں بت پرست رہتے تھے نیز عیسائیوں نے انہیں تلوار کے زور سے عیسائی بنایا اور بت پرستی کی تثلیث پرستی نے لے لی بتوں کے بجائے تین خداؤں کی پوجا ہونے لگی۔ خدائے واحد کا نام یہاں کبھی نہیں لیا گیا۔ تم خدا کے باغی بندوں کو اس کے سامنے لا کھڑا کرو جبر و تشدد اور تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کے زور سے مروت کے زور سے اور تبلیغ کے زور سے تم بہت کم تعداد میں ہو دشمن تمہارے مقابلے میں بڑی بڑی فوجیں لائے گا مگر تم ہراساں نہ ہونا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے تمہارا خدا مددگار ہے اور وہی تمہیں فتح دے گا وہ اپنے مخلص بندوں کو کبھی ناامید نہ کرے گا۔۔۔۔۔! اس مختصر تقریر نے مسلمانوں میں جوش پیدا کر دیا۔ سامنے ہی شہر مزارا تھا فسیل تھی فسیل پر عیسائی فوجیں موجود تھیں۔ مسلمان شہر کی طرف بڑھے جب فسیل کے قریب پہنچے تو عیسائیوں نے ان پر تیروں اور پتھروں کا سینہ برسا دیا مسلمانوں نے ڈھالیں سروں پر اٹھالیں اور ان کے سایہ میں بڑھنے لگے ان کے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں نیزہ تھا نیزوں کی انیاں جگمگا رہی تھیں۔ عیسائیوں نے ہر چند انہیں روکنا چاہا لیکن مسلمانوں کا سیلاب نہ رکا اور وہ فسیل سے جا نکلے اور مسلمانوں نے قلعہ کا پھانک توڑ ڈالا مجاہدین اسلام نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا اور قلعہ کے اندر دھنس پڑے انہوں نے نیزوں کی نوکوں پر عیسائیوں کو رکھ لیا انہیں سہوندہ ڈالا۔ جب عیسائیوں کی زیادہ تعداد ماری گئی تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر مزارا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اس شہر سے کافی مال غنیمت ملا اور ہتھیار بند عیسائی قیدی بنا لئے گئے۔

کو رخصت کرنے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے فتح کی دعائیں مانگیں اور قاضی اسد جہاز میں سوار ہو گئے اور یہ لشکر روانہ ہوا۔ فیجی بھی سلوی کو لے کر اپنے جہازوں اور فوج کے ساتھ اس لشکر کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ خاتون اس قدر بیان کر کے خاموش ہو گئیں۔

(۲۵)

خاتون نے پھر کہنا شروع کیا۔

اسلامی لشکر جس میں زیادہ تر بربری لوگ تھے اور کچھ تعداد عربوں کی بھی تھی۔ سو جہازوں میں سوار ہو کر جزیرہ سسلی کی طرف جا رہے تھے۔ ان تمام جہازوں پر اسلامی جھنڈے لہا رہے تھے۔ مجاہدین اسلام میں مولوی بھی تھے۔ امیر بھی تے غریب بھی تھے جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی تھے دراصل مسلمان جہاد سے بہتر کوئی کام نہ سمجھتے تھے۔ شوق شہادت انہیں جہاد کرنے پر برا گیچھ کرتا رہتا تھا۔ امیر عسکر اگرچہ ستر برس کے بوڑھے تھے اور ان کی عمر جبریٹی کرتے اور فتوے دیتے گزری تھی۔ مگر جب وہ سپہ سالار بنائے گئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہمیشہ سپہ سالاری کرتے رہے ہیں۔ جہازوں کی ترتیب رکھتے تھے سپاہیوں کو مناسب ہدایتیں دیتے رہتے تھے۔ ہر جہاز میں مسلمان پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

تین دن تک یہ جہاز بحر روم میں چلتے رہے۔ چوتھے روز بندر مزارا پر پہنچے فوراً جہاز ساحل سے لگائے گئے اور فوجیں خشکی پر اتریں۔ قاضی اسد بن فرات نے مجاہدوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ شیران اسلام ۹۲ھ میں طارق بن زیاد نے جب اندلس پر لشکر کشی کی اور جبل طارق پر اترے تو انہوں نے ان جہازوں کو جلا دیا تھا جن میں فوجیں سوار ہو کر گئیں تھیں اور کہنا تھا کہ تمہارے سامنے ملک اندلس ہے بڑھتے چلے جاؤ۔ پیچھے سمندر ہے اپنے وطن میں واپس نہیں جا سکتے۔

مسلمانوں نے شہر کا بندوبست کر کے کچھ فوج انتظام کے لئے وہاں چھوڑی اور باقی لشکر سائراکیوس (سرقوسہ) کی طرف بڑھا۔ اس زمانہ میں جزیرہ سسلی کا گورنر ملاطہ تھا پہلا گورنر پیٹرس قسطنطین مرچکا تھا اسے مسلمانوں کی لشکر کشی کی اطلاع ہو گئی تھی اس نے ان کے مقابلے کے لئے عظیم الشان لشکر روانہ کیا تھا اور شہنشاہ قسطنطین کو بھی مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دے کر مدد طلب کی تھی اور بڑے بڑے شہروں میں بھی فرمان بھیج دیئے تھے کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے فوجیں بھیجیں۔

اب جو لشکر اس نے مزارا کو بچانے کے لئے بھیجا تھا وہ بڑی تیزی سے کوچ کر رہا تھا ادھر سے مسلمان بڑھے چلے آ رہے تھے۔ آخر ایک میدان میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گیا عیسائی لشکر مسلمانوں سے چار گنا تھا۔ لیکن مسلمان اس لشکر کو دیکھ کر ذرا بھی متروہ نہیں ہوئے۔ انہیں اس بات کا بڑا ہی غصہ تھا کہ عیسائیوں نے بلاوجہ افریقہ کے ساحل پر چھاپے مار کر وہاں کے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی تھی وہ عیسائی لشکر کو دیکھتے ہی جوش میں بھر گئے۔ انہوں نے جلدی جلدی صفیں مرتب کیں۔ عیسائی لشکر بھی صف بستہ ہو گیا۔ عیسائیوں کو اپنی بھاری تعداد میں بڑا گھمنڈ تھا۔ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کے قلم شکاف نعرے لگا کر نیزوں سے حملہ کر دیا۔ عیسائی شور و غوغا کرنے لگے مسلمانوں نے رجز پڑھے اور نیزے سے مار مار کر عیسائیوں کو چھیدنا شروع کر دیا عیسائیوں نے تلواروں سے حملہ کیا ان کا حملہ بڑا سخت تھا انہوں نے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا مسلمانوں سے جوش میں آکر پر زور حملے کر کے عیسائیوں کی پہلی صف کو الٹ دیا لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے خون کا دریا بہا دیا ہر چند عیسائیوں نے مسلمانوں کو روکنا چاہا مگر وہ ان کے روکے نہ رکے اور انہیں مارتے کاٹتے صفوں کو زیر کرتے آگے بڑھنے لگے۔ عیسائیوں کی صفوں کی صفیں ٹوٹنے لگیں مسلمان خونخوار شیروں کی طرح حملے کر کے عیسائیوں کو چیرنے پھاڑنے لگے ان کے پر جوش حملوں نے تمام عیسائی لشکر کو ہلا دیا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں عیسائیوں کے آدھے لشکر کو کاٹ کر ڈال دیا عیسائی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئے ان کے دل چھوٹ گئے وہ سرا سید ہو کر بھاگے

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے جنہیں قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامل فتح حاصل ہوئی۔ عیسائی بڑے ساز و سامان کے ساتھ آئے تھے مسلمانوں کو مال غنیمت بہت ملا اور بے شمار قیدی ہاتھ آئے قاضی اسد نے فتح کی خوشخبری کے ساتھ مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور عیسائی غلاموں کی بھاری تعداد جہاز میں بھر کر امیر زیادۃ اللہ کی خدمت میں افریقہ بھیج دی۔

مسلمان سرقوسہ کی طرف بڑھنے لگے جو شہر راستہ میں آیا انہوں نے بڑی آسانی سے اسے فتح کر لیا کئی شہروں کو فتح کر کے وہ سرقوسہ کے قریب پہنچے۔ یہ شہر سرقوسہ عظیم الشان شہر تھا جزیرہ سسلی میں اس سے بڑا اور مضبوط شہر کوئی نہ تھا۔ اس کا محیط ساڑھے گیارہ میل تھا شہر کی حفاظت کے لئے تین تین قطاریں ایک کے بعد ایک فصیلوں کی بنی ہوئی تھیں مورچے اور برج کثرت سے تھے رومی عیسائیوں نے اس کی حفاظت کا پورا بندوبست کر رکھا تھا یہ شہر بھی ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا فصیلوں کے علاوہ اسے کئی طرف سے سمندر گھیرے ہوئے تھا دو بڑے بندر تھے جن میں جنگی جہاز ہر وقت لنگر ڈالے کھڑے رہتے تھے۔

مسلمانوں کی آمد سے اس علاقہ کے عیسائی گھبرا کر اپنا تمام ساز و سامان دولت اور کھانے پینے کی چیزیں لے کر سرقوسہ میں آ گئے تھے چونکہ اس نواح میں گرجا اور خانقاہ ہیں بہت تھیں اور ہر گرجا اور خانقاہ میں دولت اور قیمتی سامان سب سرقوسہ میں لے آیا گیا تھا۔

قاضی اسد نے خشکی کی طرف سے سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا اور عیسائیوں کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ مصالحت کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن فیجی نے جو اقرار مسلمانوں سے کئے تھے ان سے پھر گئے اور سرقوسہ والوں کو مسلمانوں کی خبریں پہنچانے اور انہیں صلح نہ کرنے کی ترکیبیں دینے لگے قاضی اسد کو ان کی حرکتیں معلوم ہو گئیں مگر انہوں نے انہیں تنبیہ نہیں کی کیونکہ وہ ان کی پناہ میں تھے شہر سرقوسہ کو فتح کرنے کے لئے منہجوں کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے پاس منہجیں نہیں تھیں نہ ہی ان کے پاس اتنے جہاز تھے کہ وہ

سمندر کی طرف سے یلغار کر دیتے نہ اتنا لشکر تھا کہ وہ اتنے بڑے شہر کو ٹھیک طور پر محاصرہ میں لے لیتے اس لئے مسلمان دور سے قلعہ کے ایک طرف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔

قاضی اسد نے رفتہ رفتہ بڑے راستوں اور اہم ناکوں پر قبضہ کر لیا انہیں معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ میکائیل نے ایک فوجی افسر پارٹی سی پے اس کی ماتحتی میں فوج بھیجی ہے قاضی اسد نے کئی دستے اسلامی فوج کے بندرگاہ کے قریب چھپا دیئے جب پارٹی سی پے نے اپنی فوج خشکی پر اتاری اور عیسائی شہر کی طرف بڑھے تو دفعتاً مسلمان ان پر آپڑے اور تلواروں نیزوں سے عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کیا عیسائی بھی ڈٹ گئے خونریز جنگ شروع ہو گئی عیسائی مسلمانوں کو اور مسلمان عیسائیوں کو مارنے کاٹنے لگے لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں خون کی بارش ہونے لگی۔

آخر مسلمانوں نے جوش میں آکر حملہ کیا انہوں نے اللہ بزرگ و برتر کا نام پکارا اللہ اکبر کے نعرے لگائے اس متبرک نعرے نے ان میں جوش بھر دیا اور وہ شیروں کی طرح عیسائیوں پر جا پڑے ان کی تلواروں نے عیسائیوں کے ٹکڑے اڑا دیئے عیسائی گھبرا کر پسپا ہوئے اور جہازوں میں سوار ہونے کے لئے بندر کی طرف دوڑے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں قتل اور گرفتار کرنے لگے اور ان کے پیچھے بندر تک لگے چلے گئے جب عیسائی جہازوں سے ان پر تھوپے پھینکے جانے لگے تب وہ واپس لوٹے اس معرکہ میں بھی مسلمانوں کو فخر حاصل ہوئی مال غنیمت اور قیدی بھی ہاتھ آئے اس طرح قاضی اسد کی ہوشیاری نے عیسائیوں کو مدد نہ پہنچنے دی۔“

(۲۶)

خاتون نے پھر بیان کرنا شروع کیا انہوں نے کہا۔

شہر سرقوسہ کے باہر رومی عیسائیوں کے باغات تھے۔ تفریح گاہیں تھیں ان

باغات اور سیرگاہوں میں خوشنما بارہ دریاں بنی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں نے ان باغات اور عمارتوں پر قبضہ کر لیا۔

چونکہ قاضی اسد نے یہ دیکھ لیا کہ ان کے پاس لشکر بہت ہی تھوڑا ہے۔ اس لئے انہوں نے امیر زیادۃ اللہ کے پاس مدد کی درخواست بھیجی اور محاصرہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔

سسلی کے گورنر بلاطہ کو فینی نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کا لشکر بہت کم ہے اگر وہ شہر سے نکل کر ان پر حملہ کر دے تو ممکن ہے مسلمان شکست کھا کر بھاگ جائیں جب فینی قاصد کو بلاطہ کے پاس بھیج رہے تھے تو اتفاق سے سلوی آگئی اگرچہ وہ فینی سے اب بھی خوش نہیں تھی مگر اس نے قربان گاہ کے سامنے وفادار رہنے کا اقرار کیا تھا دوسرے وہ یہ سمجھ گئی تھی کہ اس کے مقدر ہی میں یہ تھا کہ وہ فینی کی بیوی ہے اس لئے وہ راضی بہ رضا ہو گئی تھی اس نے کہا یہ تم کیا کر رہے ہو پہلی غلطی تو تم نے یہ کی کہ سسلی سے افریقہ گئے اور وہاں سے مسلمانوں کو چڑھا لائے اپنی قوم اور اپنے ملک سے غداری کی عیسائیوں کو اپنا دشمن بنا لیا اب مسلمانوں کی خبریں عیسائیوں کو پہنچا رہے ہو کیا اس سے مسلمان تمہارے خلاف نہ ہو جائیں گے....؟“

فینی :- میں خوب جانتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کو یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو وہ نہ صرف میرے خلاف ہو جائیں گے بلکہ ممکن ہے اس جرم میں مجھے قتل بھی کر ڈالیں کیونکہ جاسوسی سب سے بڑا جرم ہے۔ لیکن کیا کروں ملک اور قوم کی محبت مجھے مجبور کر رہی ہے۔

سلوی :- ”اور جب تم مسلمانوں کے پاس جا رہے تھے اس وقت یہ ملک اور قوم کی محبت کہاں گئی تھی....؟“

فینی نے اس کے رخ روشن کی طرف دیکھ کر کہا۔ سچ پوچھتی ہو.... اس وقت تمہاری محبت تمام محبتوں پر غالب آگئی تھی۔“

سلوی کا چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا اس نے کہا۔ ”تم نے بڑا گناہ کیا ہے بہت بڑا گناہ میں راہبہ بن گئی تھی۔ میں نے قربان گاہ کے سامنے ہمیشہ دو شیزہ رہنے کا

مسلمانوں کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے، قلعہ میں رہ کر ہی مدافعت کرتے رہئے مگر اس نے نہ مانا مجبور ہو کر تمام لشکر نے تیاری شروع کی اور اگلے روز صبح ہوتے ہی سرقوسہ کے پھانک کھل گئے اور عیسائی لشکر سیلاب کی طرح نکلنا شروع ہوا۔

قاضی اسد بن فرات نے دیکھا مسلمان صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے انہوں نے کہا مسلمانوں خدا کا شکر کرو گیدڑ اپنے بھٹ سے نکل رہے ہیں ان کی کثرت کا خیال نہ کرنا ٹڈیاں کتنی ہی ہوں وہ انسانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں اپنے ہتھیاروں کی طرف دوڑو اور مسلح ہو کر میدان میں نکلو۔

مسلمان اپنے خیموں کی طرف دوڑے جلدی جلدی مسلح ہوئے اور سوار و پیادے میدان میں پہنچ کر صف بستہ ہو گئے قاضی اسد بھی مسلح ہو کر بری گھوڑے پر سوار ہوئے اور قلب میں آکر کھڑے ہوئے۔

عیسائیوں نے اپنی صفیں مرتب کر لیں تھیں مہمنہ میسرہ اور قلب قائم کر لئے تھے بلاطہ قلب میں تھا اس نے لشکر کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا عیسائی جوش میں آکر بڑھے ان کا جوش اس وجہ سے زیادہ تھا کہ ان کی تعداد مسلمانوں سے چار گنا تھی۔

قاضی اسد نے عیسائیوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ شیران اسلام! جنت کے دروازے کھل گئے ہیں خدا تمہاری طرف دیکھ رہا ہے تم جہاد کے شوقین اور شہادت کے آئندہ مند اپنی جانوں کو راہ خدا میں خرچ کرو جہاد کا حق ادا کرو اور جنت کے حق دار بن جاؤ۔ عیسائیوں کی کثرت سے ہرگز نہ گھبراؤ خدا تمہارا مددگار ہے اس کی مدد پر بھروسہ رکھو۔

اب عیسائی مسلمانوں کے قریب آ گئے تھے قاضی اسد نے اللہ اکبر کا پہلا نعرہ لگایا مسلمان ہو شیار ہو گئے عیسائی اور قریب آ گئے قاضی اسد نے دوسرا نعرہ لگایا مسلمانوں نے ہتھیار نکال لئے عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا مسلمانوں نے ڈھالوں پر ان کے واررو کے قاضی اسد نے تیسرا نعرہ لگایا مسلمانوں نے اس نعرہ کی تکرار کی اللہ اکبر کا فلک شکاف نعرہ لگایا اور نہایت سختی سے حملہ کیا مسلمانوں نے تلوار کی دھاروں پر عیسائیوں کو رکھ لیا پہلی صف کے بہت سے

عہد کیا تھا مگر تم نے میرا یہ عہد زبردستی توڑا دیا۔
فیہی :- مجھے خود اس کا بہت زیادہ افسوس ہے مجھے تمہاری صورت نے مجھوں بنا دیا تھا دیوانگی کے عالم میں نے یہ حرکت کی سلومی مجھے اپنی اس حرکت کا سخت افسوس ہے میں اکثر رات کی تنہائیوں میں اپنی اس حرکت پر آنسو بہا چکا ہوں اور بہاتا رہتا ہوں۔ میں خداوند سے اپنے عظیم گناہ کی معافی چاہتا رہتا ہوں میں نے کئی پادریوں کے روبرو اپنے گناہ کا اقرار کیا ہے انہوں نے مجھے معافی بھی دے دی ہے میں نے اس صلے میں انہیں کافی دولت بھی دی ہے مگر پھر بھی میرے دل کو اطمینان نصیب نہیں ہوا ہے۔

سلومی :- میں اسی اندیشہ سے ہولتی رہتی ہوں کہ کہیں تمہیں اس گناہ کی سزا نہ ملے اور تم مجھے تنہا چھوڑ کر نہ چلے جاؤ۔
فیہی خوب سمجھتے تھے کہ سلومی ان سے ناراض ہے خفا ہے انہیں اس بات کے سننے سے بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ کیا سلومی تمہیں میرا اس قدر خیال ہے.....؟

سلومی نے معصومانہ انداز میں کہا۔ ہاں۔
فیہی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا انہوں نے بڑے احترام سے اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے چوم کر کہا اپنی زندگی میں آج مجھے خوشی حاصل ہوئی ہے اب مجھے پرواہ نہیں ہوگی کہ میں زندہ رہوں یا مارا جاؤں۔
سلومی نے تیکھی چٹون سے دیکھ کر کہا۔ اچھا جی۔

فیہی :- ”معاف کرنا سلومی اس وقت میں خوشی کی وجہ سے پاگل ہو گیا میں زندہ رہوں گا صرف تمہارے لئے اب میرے پاس غم و فکر پھٹکنے نہ پاویں گے۔“

سلومی :- وعدہ کرو کہ اب مسلمانوں کی مخالفت نہ کرو گے۔
فیہی :- وعدہ کرتا ہوں۔ وعدہ نہیں ایک پجاری اپنی دیوی کے سامنے اقرار کرتا ہے سلومی پریوں کی شان سے مسکرائے گی۔

فیہی کا قاصد بلاطہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے اپنے لشکر میں اعلان کر دیا کہ صبح مسلمانوں پر حملہ کیا جائے گا۔ بڑے بڑے افسروں نے اسے سمجھایا کہ

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔

قاضی اسد بن فرات کا مسلمان بڑا احترام کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ وہ جید عالم تھے۔ ایک عرصہ سے قیروان میں قاضی تھے ان کے فتوے مستند مانے جاتے تھے اب ان کے احترام کے ساتھ ساتھ محبت بھی پیدا ہو گئی تھی یہ محبت اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ وہ اس کبیر سنی میں بڑے پر جوش اور دلیر مجاہد تھے تجربہ کار سپہ سالار تھے اور دور اندیش مدبر تھے قاضی اسد نے محاصرہ بھی جاری رکھا اور اس علاقہ کو فتح کرنا بھی شروع کر دیا انہوں نے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر اس نواح کی بستیوں کو فتح کرنے کے لئے بھیج دیئے انہیں ہر دستہ فتحیاب ہو کر مال غنیمت اور قیدی لے کر آیا ان حملوں سے اس طرف مسلمانوں کا رعب و داب قائم ہو گیا مسلمانوں نے اس پلاٹے سے رسد بھی کافی تعداد میں حاصل کر لی۔ قاضی اسد نے جاسوسوں کی زبانی یہ سن لیا تھا کہ بلاطہ نے ہلمو اور دوسرے شہروں سے امداد طلب کی ہے انہیں یہ یقین تھا کہ ان شہروں کے عیسائی مدد کے لئے ضرور آئیں گے چنانچہ انہوں نے ہلمو کی طرف جاسوس بھیج دیئے تھے اور انہیں ہدایت کر دی تھی کہ اگر کوئی لشکر آتا ہوا دیکھیں تو دوڑ کر اس کی اطلاع دیں۔

بلاطہ کے مارے جانے پر عیسائیوں نے نائب گورنر کو گورنر مقرر کر لیا اور بڑی سرگرمی سے قلعہ کی حفاظت کرنے لگے اس کے ساتھ ہی انہوں نے قسطنطنیہ کے بادشاہ میکائل سے درخواست کی کہ وہ جزیرہ سسلی کی حفاظت کے لئے اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ لشکر بھیجے اگرچہ سرقوسہ میں اس وقت بھی مسلمانوں سے تین گنا لشکر موجود تھے مگر وہ مجاہدین اسلام کی لڑائی کا طریقہ اور ان کا جوش ان کی دلیری دیکھ کر یہ اندازہ کر چکے تھے کہ ان سے جنگ کرنا لوہے کے پنے چاہنا یا کوہ بے ستون سے جوئے شیر لانا ہے۔

وہ اس بات کو بہت غنیمت سمجھ رہے تھے کہ سرقوسہ کے گرد فصیل کی تین تین قطاریں ہونے کی وجہ سے وہ اس قدر مضبوط اور محفوظ تھا کہ مسلمان آسانی

عیسائیوں کو مار ڈالا۔

عیسائیوں کو بھی غصہ آگیا انہوں نے بڑی شدت سے جوابی حملہ کیا اور کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا مسلمانوں نے ان کا حملہ روکنے میں پوری قوت صرف کر دی مگر عیسائی بڑھتے ہی چلے آئے اور مسلمان پیچھے ہٹنے لگے۔

قاضی اسد نے دیکھا اگرچہ وہ ستر سالہ بوڑھے تھے مگر جوش نے انہیں بیتاب کر دیا انہوں نے اپنا گھوڑا بڑھایا ان کا رسالہ ان کے ساتھ چلا انہوں نے عیسائیوں کے قریب پہنچ کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور حملہ کر دیا انہوں نے پہلے حملہ میں ایک عیسائی کو مار ڈالا پھر دوسرے عیسائی پر حملہ کیا اور اس کے بھی ٹکڑے کر دیئے اور تیسرے پر جھکے اس کا بھی سراڑا دیا مسلمانوں نے جب اپنے امیر کو اس جوش سے لڑتے دیکھا تو انہیں بڑی غیرت آئی انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا اور اس سختی سے حملہ کیا کہ لاشوں پر لاشیں گرا دیں خون کے دریا بہا دیئے عیسائیوں نے ہر چند مسلمانوں کو روکنے کے لئے زور لگایا۔ مگر وہ نہ رکے وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

بلاطہ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو وہ بھی اپنا گھوڑا بڑھا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ اس نے حملہ کر کے ایک مسلمان کو شہید کر دیا اس مسلمان کے پاس جو مسلمان تھا اسے غصہ آگیا اس نے بڑے زور سے حملہ کیا بلاطہ زرہ پہننے تھا ان کی تگوار نے زرہ کو کاٹ ڈالا اور ہلکا سا چرکا لگایا بلاطہ گھبرا کر واپس ہوا اور ایک مسلمان نے بڑھ کر اس پر وار کیا اس کی شہ رگ کٹ گئی وہ کشتہ (۱) ہو کر گرا۔

بلاطہ کے گرتے ہی عیسائی سراپہ ہو گئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا اور مارتے کاٹتے اور بھگاتے پھاٹک تک چلے گئے اور جب مسلمانوں پر فصیل کے اوپر سے تیروں پتھروں کی بارش ہونے لگی تب وہ لوٹ آئے اس روز کے معرکے میں قاضی اسد کے بندوق جوش اور حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

خاتون اس قدر بیان کر کے خاموش ہو گئیں۔

سے فتح نہیں کر سکتے تھے حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایسی کلیں نہیں تھیں جن سے وہ فکیل کو توڑ ڈالتے عیسائی اس بات کو بہت غنیمت سمجھ رہے تھے لیکن مسلمانوں نے ایسا سخت محاصرہ کر رکھا تھا کہ جنگی کی طرف سے پرندہ تک پر نہیں مار سکتا تھا۔ ایک روز وہ جاسوس واپس آئے جو ہلمو کی طرف عیسائی لشکروں کی آمد کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے امیر عسکر قاضی اسد کو بتایا کہ والئی ہلمو بڑا بھاری لشکر لئے چلا آ رہا ہے قاضی اسد کو پہلے ہی سے اس بات کا یقین تھا انہوں نے دو ہزار مسلمانوں کو منتخب کر کے ان کے افسر سے کہا دیکھو اگر لشکر زیادہ ہو تو سامنے جا کر مقابلہ نہ کرنا کمین گاہ میں چھپ جانا اور موقعہ دیکھ کر حملہ کرنا اور اگر یہ سمجھو کہ ان کا مقابلہ مشکل ہی ہے تو واپس لوٹ آنا مقابلہ نہ کرنا۔

اس دستہ پر ادریس کو افسر مقرر کیا تھا۔ وہ اس دستہ کو لے کر روانہ ہوئے اور انہوں نے جاسوسوں کو خبر رسانی کے لئے آگے روانہ کر دیا وہ جنگلوں اور پہاڑی دروں میں ہو کر بڑھتے رہے ایک روز جنگل میں مقیم تھے کہ جاسوس گھبرائے ہوئے آئے انہوں نے بتایا کہ دشمن اس قدر قریب آ گیا ہے گویا کہ **پاکل میا جٹنوی** **حزیرہ** سکی کے باشندے عیسائی تھے انہیں کثیر رقم جاسوسی کے بخلافہ میں دی جاتی تھی ان پر پوری طرح اعتبار تو نہیں کیا جاسکتا تھا مگر اور کوئی ذریعہ دشمن کی خبریں معلوم کرنے کا تھا بھی نہیں اس لئے مجبوراً ان پر بھروسہ کرنا ہی پڑتا تھا۔

ادریس کو شک ہوا کہ جاسوسوں نے دانستہ دیر میں خبر اس لئے دی کہ ہم کوئی انتظام نہ کر سکیں اور دشمن ہم پر حملہ کر کے ہمیں ختم کر ڈالے سوچنے اور مشورہ کرنے کا وقت بھی باقی نہیں رہا تھا ادریس نے چند ثانیہ غور کیا انہوں نے جنگل کی طرف دیکھا انہیں کمین گاہ کے لئے وہ مقام مناسب نظر آیا انہوں نے جلدی سے اس دستہ کو مسلح ہونے کا حکم دیا بہت جلد مسلمان مسلح ہو گئے وہ انہیں لے کر جنگل میں گھس گئے اور کچھ آدمیوں کو درختوں پر دیدبانی کے لئے بڑھا دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں عیسائی لشکر نمودار ہوا۔ پانچ ہزار سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ بڑے ساز و سامان اور بڑی شان سے آرہا تھا۔ دیدبانوں نے اتر کر ادریس کو اطلاع دی۔ وہ وہاں سے قریب ہی فروکش تھے۔ دشمن کے آنے کی خبر سنتے ہی آہستہ آہستہ عیسائیوں کی طرف لوٹے۔ جب وہ اس راستہ کے قریب آئے جس سے عیسائی لشکر گزر رہا تھا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ تمام لشکر آگے بڑھ گیا ہے۔ بہت تھوڑا ہے جو ان کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ شیران اسلام! یہی موقعہ ہے ضرب لگانے کا۔ امیر نے تم پر بھروسہ کر کے تمہیں اس مہم پر بھیجا ہے۔ اپنے نام کو بٹ نہ لگنے دینا۔ اگر شکست کھاؤ گے تو دنیا میں رسوا ہو جاؤ گے۔ اور آخرت میں درد دینے والے عذاب میں مبتلا ہو گے۔ تہہ کرلو کہ دشمن کے ٹکڑے اڑا دو گے۔ عیسائی کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ صرف پانچ ہزار ہیں۔ یہ کوشش کرو کہ ایک آدمی بھی بچ کر نہ جانے پائے۔ نعرہ تکبیر بلند کرو۔ اور حملہ کر دو۔ یہ کہتے ہی انہوں نے نعرہ لگایا۔ ان کے ساتھ ہی تمام مسلمانوں نے فلک شکاف نعرہ لگایا اور تیزی سے جھپٹ کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ عیسائی پر شور نعروں کی آواز سن کر گھبرا گئے اور جب مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو اور بھی سرا سدا ہو گئے۔

ادریس نے اپنے دستے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ دو سو مسلمان تو پیچھے سے جو عیسائی آرہے تھے ان پر حملہ آور ہوئے اور باقی اٹھارہ سو راستہ کے کنارے کنارے آگے کی طرف پھلتے چلے گئے اور انہوں نے عیسائیوں پر پر زور حملہ کر دیا۔

اب جو عیسائی پیچھے رہ گئے تھے وہ تقریباً "پانچ سو تھے۔ دو سو مسلمانوں نے آدھے گھنٹے سے پہلے ان کا خاتمہ کر ڈالا اور پھر جھپٹ کر دوسری طرف حملہ آور ہوئے اس طرف ادریس اور ان کے ہمراہیوں نے عیسائیوں کا ستھراؤ کر دیا تھا۔ مسلمان بڑی پھرتی سے اس طرح انہیں قتل کر رہے تھے جیسے کسان رات قریب دیکھ کر جنس کو جلدی جلدی کاٹنے لگتا ہے۔ تمام راستہ عیسائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ مسلمان دور تک پھیل گئے تھے اور وہ عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے۔ کبھی

کبھی وہ بھی کسی مسلمان کو شہید کر ڈالتے تھے۔ جب کوئی مسلمان شہید ہو جاتا تھا تو اس کے پاس کے مسلمان پر زور حملے کر کے پانچ پانچ اور دس دس عیسائیوں کو مار ڈالتے تھے۔ مسلمانوں نے راستہ پر دور تک عیسائیوں کی لاشیں بچھا دی تھیں اور جہاں جہاں لاشیں پڑی ہوئی تھیں وہاں خون کے پرنا لے رہے تھے۔ جوں جوں لڑائی کا زور بڑھتا جاتا تھا مسلمانوں کا جوش بھی بڑھتا جاتا تھا۔ وہ بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں اور داہنے ہاتھوں میں تلواریں لئے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے۔ مسلمانوں میں گویا بازی لگ گئی تھی کہ کون زیادہ قتل کرتا ہے۔ ہر مسلمان گوشہ چشم سے دوسرے مسلمانوں کو دیکھتا جاتا تھا۔ جب کوئی مسلمان کسی عیسائی کو قتل کر ڈالتا تھا تو پھر دوسرے پر اور پھر تیسرے پر حملہ کر کے اسے ٹھکانے لگا دیتا تھا۔ مسلمانوں کے حملے اور تلواروں کی کاٹ دیکھ کر عیسائیوں میں پست ہمتی آگئی تھی۔ وہ جان بچانے کی فکر کرنے لگے تھے۔ لیکن مسلمان موت کا فرشتہ بن گئے تھے۔ وہ کسی عیسائی کو بھی بھاگنے نہ دیتے تھے۔ جو بھاگنے کی کوشش کرتا اسے دوڑ کر مار ڈالتے تھے۔ آخر مسلمانوں نے تمام عیسائیوں کے ٹکڑے (۱) اڑا دیئے۔ کسی ایک شخص کو بھی بھاگ کرنے دیا۔ مسلمانوں کو یہ بڑی فتحیابی حاصل ہوئی۔ اس لشکر کے ساتھ جس قدر غلہ رسد اور سامان جنگ تھا وہ سب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ وہ یہ سب سامان لے کر واپس لوٹے اور اپنے لشکر کے قریب پہونچ کر جنگ اور فتح کے حالات سنائے۔ قاضی اسد اور دیگر مسلمان بہت خوش ہوئے۔ سرقوسہ کے عیسائیوں کو ہلمو کے لشکر کے آنے اور مارے جانے کی جب خبر ہوئی تو ان پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی۔ خاتون اس قدر بیان کر کے خاموش ہو گئیں۔

(۲۸)

خاتون نے پھر بیان کرنا شروع کیا۔

قاضی اسد نے محاصرہ میں اور شدت کردی۔ عیسائی مدد سے ناامید ہو گئے

تاریخ اخبار اندلس جلد دوم کے صفحہ ۷۱ پر لکھا ہے کہ عیسائیوں کی ایک بڑی فوج حاکم ہلمو کی ماتحتی میں آ رہی

تھی۔ مسلمانوں نے کمین گاہ سے نکل کر اس فوج کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

انہوں نے سمجھ لیا کہ مسلمان سارا کیوس (سرقوسہ) کو ضرور فتح کر لیں گے۔ اس سے وہ گھبرا گئے۔ انہیں خوف ہوا کہ اگر مسلمانوں نے تلوار کے زور سے اس شہر کو فتح کیا تو عیسائی تباہ ہو جائیں گے۔ دولت و املاک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ مرد غلام اور عورتیں کنیز بن جائیں گی۔ اس لئے انہوں نے گورنر پر زور دیا کہ وہ صلح کی سلسلہ جنمائی کرے۔

گورنر اپنی ذمہ داری پر کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ قسطنطنیہ کے بادشاہ میکائل سے ڈرتا تھا۔ اس نے ایک بڑی کونسل مشورہ کے لئے طلب کی دراصل چھوٹے بڑے فوجی افسر شہر کے امیر و غریب حتیٰ کہ پادری اور راہب سب ہی محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے اور سب ہی صلح کے خواہشمند تھے کہ اسلامی لشکر سے جاسوس خبر لائے کہ عربوں میں بیماری پھیل گئی ہے اس خبر سے عیسائیوں کو کچھ ڈھارس ہوئی اور انہوں نے صلح کی تحریک کو ملتوی کر دیا۔ جاسوسوں کی اطلاع صحیح تھی۔ اسلامی کیمپ کچھ نشیب میں واقع تھا۔ کچھ بارشیں ہوئی تھیں اور بعض گڑھوں میں پانی بھر گیا تھا۔ ایک مدت سے مسلمان باہر پڑے ہوئے تھے۔ اس لئے اس بگہ کی آب و ہوا خراب ہو گئی تھی۔ قاضی اسد کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے گڑھوں سے پانی نکلویا اور تمام کیمپ کو صاف کرانا شروع کر دیا۔ مگر وبا پھوٹ نکلی اور جو مسلمان صفائی کر رہے تھے سب سے پہلے وہ وبا کا شکار ہوئے۔ ان میں سے زیادہ تر آدمی بیمار ہو گئے۔ قاضی اسد وہاں سے کیمپ دوسری جگہ منتقل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ خود بھی بیمار ہو گئے۔ لشکر کے ساتھ جو طبیب تھے انہوں نے بیماریوں کا علاج سرگرمی سے شروع کیا۔ جن نوجوانوں پر مرض نے حملہ کیا تھا وہ تو جسم میں طاقت ہونے کی وجہ سے مرض کا مقابلہ کر گئے اور چند روز کے علاج سے اچھے ہو گئے مگر لوگ بوڑھے اور کمزور تھے انہیں مرض نے مغلوب کر لیا اور مرنے لگے۔ قاضی اسد بھی بہت بوڑھے تھے۔ مرض کے پہلے حملہ میں ان کی جسمانی طاقت جواب دے گئی اور وہ موت کے قریب پہونچ گئے۔ مسلمانوں کو چونکہ ان سے بڑی انیت و محبت تھی اس لئے انہیں بڑا رنج ہوا۔ اور وہ ان کے لئے دعائیں مانگنے لگے مگر

جرات نہ ہوئی کہ وہ اسلامی جہازوں کی آگ بجھا کر ان پر قبضہ کر لیتا۔
امیر عسکر نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

”مجاہدین اسلام! آج میں نے طارق بن زیاد کی سنت پر عمل کیا ہے اس شیر دل نوجوان نے جب اندلس پر لشکر کشی کی اور جبل طارق پر پہنچ کر جہازوں سے اسلامی لشکر خشکی پر اتارا تو انہوں نے جہازوں میں آگ لگا دی۔ اور مسلمانوں سے کہہ دیا ”تمہاری واپسی کا راستہ باقی نہیں رہا ہے۔ تمہاری پشت پر سمندر ہے۔ پیچھے ہٹو گے تو سمندر میں غرق ہو جاؤ گے۔ آگے بڑھو گے تو ملک فتح کرو گے۔“

”اب میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو طارق نے اپنی سپاہ سے کہا تھا۔ یعنی تمہاری واپسی کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا ہے۔ تمہارے جہاز جل چکے ہیں نیز تمہارے سامنے سسلی کا جزیرہ ہے۔ زندگی اور ناموری چاہتے ہو تو فتوحات کرتے آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ اس سرزمین کفر و شرک میں توحید کی منادی کر دو۔ خدا کے باغی بندوں کو خدا کے سامنے جھکا دو۔ اور قلعوں و شہروں پر اسلامی جھنڈے لہرا دو خدا پر بھروسہ رکھو خدا تمہاری مدد کرے گا۔“

مسلمانوں نے جن میں زیادہ تر بیمار اور سقیم الحال تھے کہا۔ ہم اسی سرزمین کو اپنا وطن بنا دیں گے۔ انشاء اللہ یہاں سے کفر و شرک مٹا دیں گے۔ خدا کا پیغام خدا کے بندوں تک پہنچا کر رہیں گے۔ ہم دشمن سے نہیں ڈرتے۔ موت سے نہیں ڈرتے جہاد ہمارا مشغلہ ہے اور شہادت ہمیں محبوب ہے۔“

محمد بن ابوالجوارى کا خیال تھا کہ عیسائی اپنے جہاز ساحل سے لگا کر فوجیں اتار دیں گے اور مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔ مگر سچ یہ ہے کہ عیسائیوں پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ انہیں خشکی پر اترنے کی جرات نہیں ہوئی۔ انہیں یہی اندیشہ رہا کہ ان کے جہازوں سے اترتے ہی مسلمان بھوکے شیروں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس لئے وہ سمندر ہی میں جہازوں پر سوار رہے۔ حالانکہ مسلمان بیماری سے بے حال ہو رہے تھے ابھی تک وبا کا اثر باقی تھا۔ اگر عیسائی اس وقت حملہ کر دیتے تو شاید جزیرہ سسلی میں انقلاب نہ آتا۔ اس کی

قاضی اسد اپنی حالت کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا میری عمر اتنی ہی تھی میرے بعد ہر اس نے نہ ہو جانا۔ تم میں سے ہر ایک خود کو اسد سمجھتا۔ کسی ہوشیار شخص کو میری جگہ امیر مقرر کرنا۔ فی الحال محاصرہ اٹھالینا۔۔۔ وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ موت کا پیغام آگیا اور شعبان ۴۱۳ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ وہ تقریباً ”سترہ مہینے جزیرہ سسلی میں رہے اور اس عرصہ میں انہوں نے کئی شہر اور قلعے فتح کئے سرقوسہ کا محاصرہ کیا۔“

مسلمانوں کو ان کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا۔ چونکہ لشکر بغیر امیر کے نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے تمام چھوٹے بڑے افسر جمع ہوئے اور انہوں نے محمد بن ابوالجوارى کو سپہ سالار منتخب کر لیا۔ محمد بن ابوالجوارى بھی بڑے بہادر، مدبر، تجربہ کار اور دوراندیش آدمی تھے۔ انہوں نے سپہ سالاری کا چارج لیتے ہی کیمپ میں از سر نو صفائی شروع کرائی بیماریوں کا علاج کرایا۔ مگر اس جگہ کی آب و ہوا بہت خراب ہو چکی تھی۔ وبا پھیلی گئی اور مسلمان زیادہ تعداد میں بیمار ہونے لگے۔

امیر عسکر محمد بن ابوالجوارى نے یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال محاصرہ اٹھالیا جائے اور جہازوں میں سوار ہو کر افریقیہ واپس چلیں۔ اور وہاں سے تازہ دم فوجیں لا کر جزیرہ سسلی کو فتح کریں۔ اسلامی جہاز ایک چھوٹے سے بندرگاہ میں وہاں سے قریب ہی لنگر انداز تھے۔ محمد بن ابوالجوارى نے اول بیماریوں کو روانہ کیا اور ان کے بعد تمام لشکر کو لیکر بندر پر آئے اور سامان جہازوں پر بار کرانے لگے۔

سرقوسہ کے عیسائیوں کو یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتے۔ انہوں نے اس بات کو غنیمت اور فتح سمجھا کہ مسلمان محاصرہ اٹھا کر واپس جا رہے تھے۔ جب سامان جہازوں میں بار ہو گیا تب سپاہی سوار ہونے لگے۔ عین اس وقت قسطنطنیہ سے بے شمار جہازوں کا ایک زبردست بحری بیڑہ لا تعداد سپاہ کو لے کر آگیا۔ بیڑہ اتنا زبردست تھا کہ اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ چنانچہ محمد بن ابوالجوارى نے جلدی جلدی سپاہی اور سامان اپنے جہازوں سے اتار لیا اور جہازوں میں آگ لگوا دی۔ جہاز جلنے لگے۔ عیسائی بحری بیڑہ کی یہ

تاریخ نہ بدلی جاتی۔ مسلمانوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر خدا مسلمانوں کا مددگار تھا۔ اس نے ہی ان کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا تھا۔ آفرین ہے مسلمانوں کو بیماری میں انسان گھبرا جاتا ہے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے پاس رہنا چاہتا ہے مسلمانوں کے عزیز اہل و عیال اور دوست ان کے وطن میں تھے۔ وہ بیمار تھے اور مر رہے تھے۔ لیکن ان کی یہ تمنا بھی نہیں ہوئی کہ وہ اپنے عزیزوں اور بیوی بچوں کے پاس ہوتے وہ سمجھتے تھے کہ جہاد کرنے آئے ہیں۔ جہاد کر رہے ہیں کسی طرح سے بھی مرے شہادت کا ثواب حاصل ہوگا۔ وہ اس بات کو بھی جانتے تھے کہ خدا نے فرما دیا ہے کہ شہید مرا نہیں کرتے۔ بلکہ زندہ رہتے ہیں اور پروردگار انہیں رزق دیتا ہے۔ وہ شہید ہو کر جنت کے حقدار بن جائیں گے۔

چونکہ ابھی تک وبا دور نہیں ہوئی تھی۔ کچھ نئے مریض ہوتے جاتے تھے اور کچھ پرانے مریض مرتے جاتے تھے۔ اس لئے محمد بن الجواری نے کیمپ کو کہیں دور اور فرحت افزا مقام پر منتقل کرنے کی تجویز کی۔ انہوں نے فیہی کو طلب کر کے مشورہ کیا۔ فیہی ان کی بیوی سلومی اور ان کا تھوڑا سا لشکر مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ عیسائیوں میں بھی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ فیہی کے ساتھیوں میں سے بہت سے لوگ بھاگ گئے تھے۔ بھگوڑے جب اپنے گھروں میں پہنچے تو انہیں باغی قرار دیکر پکڑ لیا گیا اور انہیں سزائے موت دیدی گئی۔ نیز ان کی جائیداد اور ان کا سامان ضبط کر لیا گیا۔ ان کے ساتھ عیسائی حکومت نے یہ سلوک کیا یہ خبریں جب ان لوگوں کو پہونچیں جو فیہی کے ساتھ باقی رہ گئے تھے وہ ڈر گئے۔ اور فیہی کے ساتھ رہنے پر مجبور ہو گئے۔

فیہی نے عرض کیا کہ یہاں سے ایک دن کی مسافت پر ایک پہاڑی پر نہایت صحت افزا مقام ہے۔ اس جگہ کسی زمانہ میں ایک شرمائی نیو کا آباد تھا۔ اب یہ شہر قصبہ بن چکا ہے اور یہ بھی مسلمانوں کے خوف سے غیر آباد ہو گیا۔ وہ جگہ نہایت مناسب رہے گی۔

محمد بن الجواری نے افسروں سے مشورہ کیا۔ سب نے فیہی کی رائے کی تائید

کی۔ دو ایک روز تو مسلمان عیسائیوں کے خشکی پر اترنے کا انتظار کرتے رہے مگر جب وہ نہ اترے تو انہوں نے تھوڑا تھوڑا لشکر وہاں سے روانہ کرنا شروع کر دیا تمام سامان رسد بھی منتقل کر دی۔ پھر آخر میں خود تمام لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور مائی نیو کا پہونچ گئے۔ یہ جگہ نہایت ہی مناسب رہی نہایت ہی صحت افزا مقام تھا۔ یہاں آتے ہی وبا جاتی رہی۔ جو لوگ بیمار تھے وہ اچھے ہونے لگے۔ اس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

(۲۹)

مائی نیو کا میں ٹھہر کر محمد بن ابوالجواری نے لشکر کو ترتیب دیا۔ بیماری سے اٹھنے والوں کو صحت اور افزا غذائیں کھانے کو دیں اور جب ان میں طاقت آگئی تو انہوں نے بھی قاضی اسد کی طرح فوج کے کئی دستے قرب و جوار کے شہروں اور قلعوں کو فتح کرنے کے لئے روانہ کئے۔ ان دستوں نے کئی شہر فتح کر لئے ان میں مینو اور جرجنت مشہور اور بڑے شہر تھے۔ مگر اس عرصہ میں قسطنطنیہ کا بادشاہ میکائل مر گیا تھا اور اس کی جگہ ہیٹوفلس بادشاہ تخت نشین ہوا اس بادشاہ نے جزیرہ سسلی سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے قسطنطنیہ سے فوجوں پر فوجیں بھیجی شروع کر دیں اور اب عیسائی فوجیں جہازوں میں سے خشکی پر اترنے لگیں۔ مسلمانوں کے جاسوسوں نے یہ خبر اسلامی لشکر میں پہنچائی۔ محمد بن الجواری نے مائی نیو کا کو مضبوط کر لیا تاکہ اگر عیسائی فوجیں وہاں آجائیں تو وہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔

مگر اسی عرصہ میں محمد بن ابوالجواری بیمار ہوئے اور چند ہی روز میں وفات پا گئے۔ مسلمانوں کو ان کے انتقال کا بھی بڑا رنج ہوا۔ چونکہ عیسائی لشکر ان کا طرف بڑھنے لگے تھے۔ اس لئے انہوں نے نئے افسر کا انتخاب جلد ہی کر لیا۔ زبیر بن غوث امیر مقرر کئے گئے۔ انہوں نے لشکر کا چارج لیتے ہی فوج ترتیب دی۔ لشکر گاہ کے ایک طرف خندق کھود کر اس کو ایسا محفوظ کر دیا کہ اس

طرف سے عیسائی حملہ نہ کر سکیں اور چونکہ انہیں جاسوسوں سے یہ اطلاع پہنچ رہی تھیں کہ عیسائی فوجیں موروث کی طرح ان کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہیں۔ اس لئے انہوں نے ان قلعوں اور شہروں میں قاصد روانہ کر دیئے۔ جنہیں مسلمانوں نے فسخ کر لیا تھا اور وہاں اسلامی دستے متعین تھے۔

زبیر بن عوف فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ان مفتوحہ شہروں اور قلعوں سے فوجیں طلب کی تھیں۔ قاضی اسد کے ساتھ جو لشکر قیرواں سے سو جہازوں میں آیا تھا۔ اس کی کل تعداد دس ہزار سات سو تھی۔ ان میں دس ہزار پیدل تھے اور سات سو سوار تھے۔ اس لشکر میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ کمی ہوتی گئی۔ کچھ لوگ تو لڑائیوں میں شہید ہو گئے۔ کچھ وبا میں مر گئے۔ اب سسلی میں جو مسلمان رہ گئے تھے وہ ساڑھے سات ہزار کے قریب تھے۔ ان میں سے پانچ ہزار زبیر کے ساتھ تھے۔ اور ڈھائی ہزار مختلف شہروں اور قلعوں میں تھے۔

اور عیسائی لشکروں کی تعداد تیس ہزار سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ مسلمان عیسائیوں کے مقابلے میں بہت کم تھے۔ مگر وہ ہراساں نہیں ہوئے۔ البتہ فیہی نے یہ اندازہ کر لیا کہ مسلمان عیسائیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے سب کے سب مارے جائیں گے یا گرفتار کر لئے جائیں گے اس لئے اس نے نئے گورنر سے اپنے قصور کی معافی چاہی۔ گورنر اس وقت قصر عینا میں کچھ فوج لئے مقیم تھا۔ اس نے فیہی کو لکھا کہ تمہارا قصور معاف کر دیا جائے گا۔ تم مجھے قصر عینا میں آکر ملو فیہی گورنر کی چال کو نہیں سمجھے۔ وہ اس کے فریب میں آ گئے اور قصر عینا چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ کاش انہیں معلوم ہو جاتا کہ گورنر سلوی کے حسن کی تعریف سن کر غائبانہ اس پر فریفتہ ہو چکا تھا اور انہیں قتل کر کے سلوی کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ سلوی کو دیکھ چکا ہے۔

اس عرصہ میں سلوی کے ایک لڑکی پیدا ہو گئی تھی۔ لڑکی بالکل ماں پر گئی تھی۔ وہی آنکھیں وہی ناک وہی پیشانی اور وہی چہرہ۔ بلکہ سچ پوچھوں تو اس سے بھی زیادہ حسین تھی۔ ماں اور باپ بیٹی پر جان دیتے تھے۔ اسے آنکھوں سے

ٹھنڈک اور دل کا سرور سمجھتے تھے۔ لڑکی بڑی ہنس مکھ تھی۔ ایک روز سلوی اس لڑکی کو گود میں لئے بیٹھی اسے کھلا رہی تھی۔ بچی کی عمر ایک سال کی ہو چکی تھی۔ وہ ہنس رہی تھی۔ سلوی بھی اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ اتنے میں فیہی آگئے سلوی نے لڑکی کو ہاتھوں میں لیکر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”لو اپنی روز کو“

سلوی نے اپنے خاندان اور سسلی کے نام پر اس کا نام نہیں رکھا تھا۔ بلکہ اس نے انگریزی نام رکھا تھا۔ اس نے کسی سے سن لیا تھا کہ روز انگریزی میں گلاب کو کہتے ہیں۔ لڑکی گلاب کے پھول سے بھی اچھی تھی اس لئے اس نے اس کا نام روز ہی رکھ لیا تھا۔

فیہی نے ہاتھ پھیلا دیئے۔ روز ہمک کر ان کی گود میں پہنچ گئی۔ انہوں نے اسے اپنے سینہ سے لگالیا اور کہا آج نہ معلوم کیوں ہمارا دل اسے بہت ہی پیار کرنے کو چاہتا ہے ہماری روز بہت ہی اچھی ہے۔ گلاب کے پھولوں سے بھی اچھی۔ سلوی کا چہرہ کھل اٹھا ہر ماں اپنے بچے کی تعریف سن کر خوش ہوتی ہے سلوی بھی خوش ہوئی۔ اس نے کہا کہیں نظر نہ لگا دینا میری بچی کو۔ یہ کہہ کر وہ مسکرائے لگی۔ فیہی نے اس کے رخ روشن پر نظریں ڈال کر کہا اوز یہ ہماری کیا ہے؟

سلوی نے حیا سے نظریں جھکا کر کہا۔ ”اسی سے پوچھو۔“
فیہی نے محبت بھری نظروں سے سلوی کو دیکھ کر کہا۔ ”تم سے نہ پوچھوں“
سلوی نے شرما کر کہا ”ہمیں خبر نہیں۔“
فیہی :- تمہاری ادائیں کس قدر دلکش ہیں شرما کر تو تم اور بھی حسین بن جاتی ہو۔“

سلوی نے ناز بھری چتون سے فیہی کو دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا۔ مگر شرم نے اجازت نہ دی۔ فیہی نے کہا تیر نظریں چلاتی ہو۔ خدا اور خداوند کا احسان ہے کہ اس نے تم جیسی رشک حور مجھے عطا کی۔
سلوی اور بھی شرما گئی فیہی اس کی طرف دیکھ رہے تھے انہوں نے کہا۔

”تمہیں معلوم ہے میں کہاں جا رہا ہوں۔“

سلوی :- ”ہمیں کیا خبر“

فینی :- ”میں نے سسلی کے گورنر کو معافی کی درخواست بھیجی تھی۔ اس کا جواب آیا ہے کہ معافی دیدی جائے گی۔ مجھے ملنے کے لئے قصر عینا میں بلایا ہے۔“

سلوی :- ”مگر تم نے ایسا کیوں کیا.....؟“

فینی :- ”مجھے اس لئے ایسا کرنا پڑا کہ مسلمانوں کی قوت کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے اور وہ اس جزیرہ سے نکال دیئے جائیں گے۔“

سلوی :- ”مگر ہمارا ایسا خیال نہیں ہے۔ مسلمانوں کی مدد ضرور آئے گی۔ اور وہ اس جزیرہ سے شکست کھا کر کبھی نہیں جائیں گے۔“

فینی :- ”مگر اب یہ بات ممکن نظر نہیں آتی۔“

سلوی :- ”اگر یہ بات ممکن نہ بھی ہو تب بھی تمہیں عیسائیوں کے پاس نہیں جانا چاہئے۔ اس سے یہ اچھا ہے قیروان چلو اور وہیں باقی زندگی گزار دو۔“

فینی :- ”لیکن مسلمانوں پر ہی کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔“

سلوی :- ”میں نے اس مدت میں دیکھ لیا ہے۔ مسلمان ہماری قوم سے کہیں اچھے ہیں۔ سچے ہیں، مکرو فریب سے واقف نہیں، جو وعدہ کرتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں، جو ان کے پاس پناہ لینے جاتا ہے اسے پناہ دیتے ہیں اور اس کی ہر طرح مدد کرتے ہیں۔“

فینی :- ”پھر بھی اپنی قوم اپنی ہی ہے۔ غیر تو غیر ہی ہوتے ہیں۔“

سلوی :- ”یہ بات تو اس وقت سوچنی چاہئے تھی۔ جب افریقیہ جا رہے تھے۔“

فینی :- ”صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ جب یہ بات نہیں سوچی تھی تو اب سوچ لی۔“

سلوی :- ”اور اب بعد از وقت سوچی ہے۔ ہمارا دل مطمئن نہیں ہے۔ ہر گز گورنر کے پاس نہ جاؤ۔ اس میں ضرور کوئی فی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر پچھتانا پڑے۔“

فینی :- ”شاید تمہیں معلوم ہے کہ نیا گورنر میرا دوست ہے۔“

سلوی :- ”کون ہے..... کیا نام ہے۔ اس کا۔“

فینی :- ”جنرل ہیٹوڈولس۔“

”ہیٹوڈولس“ سلوی نے حیرت سے کہا۔

فینی :- ”کیا تم اسے جانتی ہو.....؟“

سلوی :- ”جانتی ہوں۔ وہ بہت برا آدمی ہے۔ کئی مرتبہ پاپا کے پاس آیا تھا اور اس نے پیغام بھی دیا تھا۔“

فینی نے مسکرا کر کہا ضرور دیا ہوگا۔ تمہاری صورت ہی ایسی ہے۔ بیچارہ وہ بھی اسیر زلف ہو کر رہ گیا ہوگا۔

سلوی :- ”میں کہتی ہوں تم اس کے پاس نہ جاؤ۔“

فینی :- ”فکر نہ کرو۔“

سلوی :- ”تم ضرور پچھتاؤ گے۔“

فینی :- ”نہیں ایسی بات نہ ہوگی۔“

سلوی :- ”اگر ایسا ویسا ہو گیا تو میں کہاں جاؤں گی۔“

فینی :- ”تم فضول ہول رہی ہو۔ کچھ نہ ہوگا۔ اور اگر تمہیں ایسا ہی خیال ہے تو میں زیادہ سے کتنا جاؤں گا۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔“

سلوی :- ”زیادہ کون.....؟“

فینی :- ”وہی زیادہ جو اپنا دستہ لیکر جنت گئے تھے اور کل ہی وہاں سے واپس آئے ہیں..... وہ میرے دوست ہو گئے ہیں۔“

سلوی :- ”میں انہیں نہیں جانتی۔“

فینی :- ”میں ابھی بلائے لاتا ہوں۔“

فینی نے روز کو سلوی کو دیا اور وہاں سے چلے گئے۔ سلوی فینی کو روکنا چاہتی تھی۔ مگر وہ رکنے پر تیار نہ تھے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ روز اس کا منہ دیکھنے لگی۔ بچی چاہتی تھی کہ ماں ہنسے مگر ماں فکر میں پڑ گئی تھی۔ ہنسی اس کے ہونٹوں سے جاتی رہی تھی۔ پھر بھی روز نے اسے اپنی طرف مخاطب کر ہی لیا۔ اور وہ

سلوی :- ”تمہاری مرضی۔“

فینی اور زیاد وہیں سے چلے گئے۔ زیاد نے چلتے وقت ایک دینار (اس زمانہ کی اشرفی) روز کے ہاتھ میں پکڑا دی اور اسے سلوی کی گود میں دیدیا۔ سلوی روز کو کھلانے لگی۔

(۳۰)

فینی کے ساتھ ان کے وفاداروں میں سے کئی آدمی گئے تھے۔ قصر عینا کچھ دور نہیں تھا۔ سلوی جانتی تھی کہ ایک روز میں جانا ایک روز ٹھہرنا اور ایک روز میں آجانا ہو سکتا ہے۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ تین دن لگیں گے۔ وہ فینی کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ اس میں شک نہیں کہ سلوی کو فینی سے سچی محبت اس وقت تک نہیں ہوئی تھی۔ مگر پاس رہنے سے انسیت ہو گئی تھی۔ اور اب وہ ان کا خیال کرنے لگی تھی۔ اور جب سے روز پیدا ہوئی تھی اس وقت سے وہ خانہ داری کے معاملات میں بھی دلچسپی لینے لگی تھی۔ نیز سلوی کے ساتھ کئی عیسائی عورتیں اور لڑکیاں رہتی تھیں وہ ان عیسائیوں کی بیویاں بیٹیاں تھیں جو فینی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے ساتھ افریقیہ بھی گئے تھے اور اب بھی ان کے دم کے ساتھ تھے۔ ان میں جو عورتیں سمجھدار تھیں ان کا خیال تھا کہ سلوی کو فینی سے محض روز کی وجہ سے انسیت ہوئی ہے۔

سلوی فینی کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک ایک دن ایک ایک گھڑی گن رہی تھی۔ وہ جب روز کو کھلاتی تھی تو اکثر کہہ اٹھتی تھی۔ دعا مانگ تیرے ابا آجائیں۔ بچی کیا سمجھتی اور کیا دعا مانگتی تین روز تو اس نے جیسے بھی ہوا گزار دیئے۔ لیکن چوتھے روز صبح ہی سے وہ پریشان معلوم ہونے لگی۔ کسی بات میں اس کا دل نہ لگتا تھا۔ اس کی سیلیاں اور خادما میں اسے تسلی دے رہی تھیں۔ مگر دل تھا کہ کچھ سے کچھ ہوا جا رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا اس نے مشکل سے تھوڑا

بہت کھایا۔ شام کے وقت فینی کے ساتھ جو آدمی گئے تھے ان میں سے دو واپس آئے انہیں دیکھتے ہی سلوی کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے بے صبری سے پوچھا۔ فینی کہاں ہیں.....؟“ وہ دونوں بھی کچھ پریشان معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک نے

اسے کھلانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں فینی آگئے۔ اس کے ساتھ زیاد آئے تھے۔ یہ جوان آدمی تھے۔ انہوں نے ایک نظر سلوی کے حسین چہرہ پر ڈالی اور روز کو دیکھنے لگے۔ روز ان کی طرف کو جھکی۔ انہوں نے اسے اپنی گود میں لے لیا۔ وہ ان کی سیاہ داڑھی سے کھیلنے لگی۔ فینی نے کہا بھائی زیاد یہ سلوی کی طرف اشارہ کر کے تمہاری بھانج ہے۔ تمہیں معلوم ہے مجھے جنرل ہیٹوڈولٹس گورنر سسلی نے بلایا ہے۔ انہیں کچھ وہم ہو گیا ہے۔ ان کو مطمئن کر دوں۔

زیاد :- میں بھی نہیں چاہتا کہ تم اس کے پاس جاؤ۔ فینی :- شاید میرے جانے سے مسلمانوں کے لئے کوئی بہتری کی صورت نکل آئے۔

زیاد :- مسلمان ایسی باتوں پر بھروسہ نہیں کیا کرتے وہ خدا پر نظر رکھتے ہیں۔ اور خدا ہی ان کی مدد کیا کرتا ہے۔

فینی :- ”لیکن کیا حرج ہے کہ میں گورنر سے مل آؤں۔“

زیاد :- وہ اور تمہاری ساری قوم تم سے مشکوک ہے۔ تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ تمہارے لئے خطرہ کی بات ہے۔

سلوی :- ”یہی میں کہہ رہی ہوں۔“

زیاد :- ”اگر تم جانا ہی چاہتے ہو تو جاؤ۔ سلوی آج سے میری بہن ہے۔ اس کی طرف سے بے فکر رہو۔“

سلوی کو بڑا تعجب ہوا کہ ایک مسلمان نے بڑی بے تکلفی سے اسے بہن کہہ دیا وہ اس وقت پہلے سے بھی زیادہ حسین تھی عیسائیوں کی نظریں اس کے بے نقاب چہرہ پر پڑتی رہتی تھیں لیکن زیاد نے اسے آتے ہی ایک نظر دیکھ لیا دوبارہ اس پر نظر نہیں ڈالی روز کو گود میں لئے کھلاتے رہے اس کے دل میں ان کا احترام پیدا ہو گیا۔

فینی نے سلوی سے کہا۔ تو تمہارے بھائی تمہارے گراں رہیں گے۔ میں بھی بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔“

سلوی :- ”میرا دل نہیں چاہتا کہ تم جاؤ مگر تم نہیں مانتے۔“

فینی :- ”اب تو ارادہ کر لیا ہے۔ جانے ہی دو۔“

سلوی :- ”خیریت سے ہیں.....؟“

وہی عیسائی :- جب تک ہم چلے ہیں اس وقت تک خیریت سے تھے۔“

سلوی کو اور بھی فکر ہوا۔ اس نے کہا آئے کیوں نہیں.....؟“

وہی عیسائی :- آپ کو وہیں بلایا ہے۔

”مجھے؟ سلوی نے حیرت سے کہا۔“

اس عیسائی نے ایک لفافہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ جی ہاں یہ خط دیا ہے۔“

سلوی نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور اس کے اندر سے پرچہ نکال کر پڑھنے لگی۔ اس میں لکھا تھا۔

”پیارے سلوی! تمہارا خیال ٹھیک ہی نکلا۔ تم فوراً یہاں آجاؤ۔ میری اور

تمہاری بہتری یہاں آنے ہی میں ہے۔ جنرل ہیٹوڈولس بڑے مہربان ہیں۔ جس

قدر جلد ہو سکے آجاؤ۔“

خط کا مضمون عجیب تھا۔ سلوی نے کئی مرتبہ پڑھا۔ اس نے کہا میرا خیال

ٹھیک ہی نکلا۔ کہیں وہاں جا کر پچھتائے تو نہیں۔ ضرور یہی بات ہے۔ انہوں نے

مجھے بلایا نہیں ہے۔ بلکہ آگاہ کیا ہے۔“

اس نے قاصدوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”مجھے ٹھیک بتاؤ۔ وہ وہاں جا

کر پچھتائے تو نہیں۔ کیا واقعی انہوں نے بلایا ہے.....؟“

اسی عیسائی نے جو پہلے ہم کلام ہوا تھا کہا۔ اگر آپ وہاں نہ گئیں تو ان کی

جان کا خطرہ ہے۔“

سلوی :- ”مجھے یہی اندیشہ تھا۔ انہوں نے میرا کہا نہ مانا، چلے گئے۔ خداوند مجھ پر

اور ان پر رحم کرے۔ اس نے قاصدوں سے کہا۔ ”تم جاؤ میں سوچ لوں غور

کر لوں۔“ قاصد چلے گئے۔ آج سلوی کو معلوم ہوا کہ وہ خود فریبی میں مبتلا رہی

ہے یہ سمجھتی رہی کہ اسے فیہی سے محبت نہیں ہے۔ حالانکہ اسے ان سے محبت

تھی یہت زیادہ محبت۔ اس کا دل امنڈ آیا وہ رونے لگی۔ روز حیرت سے اس کی

صورت دیکھ رہی تھی۔ وہ بچل رہی تھی گود میں جانے کے لئے۔ مگر سلوی اس

کی طرف متوجہ ہی نہیں تھی آخر بچی بھی رو پڑی۔ اب سلوی کو اس کا خیال

آیا۔ اس نے جلدی سے اسے گود میں اٹھا کر سینہ سے لگالیا اور کہا۔ ”میری بچی

..... تیرے ابا..... وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی آواز حلق میں

پھنس کر رہ گئی اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ اس نے ایک دفعہ

اور روز کو سینہ سے لگا کر بھینچا اور پھر پیار کیا۔ وہ سوچنے لگی سوچتی رہی۔ مگر

کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اسے زیادہ کا خیال آیا۔ اس نے جلدی

سے ایک غلام کو زیادہ کے پاس بھیجا۔ اور کہا کہ ان سے کہنا فوراً ”چلے آئیں۔

بہت ضروری کام ہے۔ غلام چلا گیا۔ سلوی دل بہلانے کی کوشش کرنے لگی مگر

دل پر تو آرا سا چل رہا تھا۔ بہلتا کیسے۔ تھوڑی ہی دیر میں غلام نے زیادہ کے

آنے کی اطلاع دی۔ سلوی نے کہا وہ باہر کیوں رہ گئے۔ چلے کیوں نہیں آئے۔

غلام نے عرض کیا۔ ”میں نے کہا تھا۔ کہنے لگے یہ بات تمہیں کے خلاف ہے

کہ ایک دم گھر میں داخل ہو جائیں۔ پہلے اطلاع کرو۔“

سلوی :- وہ مسلمان ہیں۔ ان کی قوم میں پردہ ہے۔ مگر اچھا ہی ہوا وہ ایک دم

نہ آئے اور انہوں نے مجھے روتا ہوا نہیں دیکھا لو تم ذرا روز کو لو۔ میں منہ

دھولوں۔ غلام نے روز کو لے لیا۔ سلوی جلدی منہ دھو کر آگئی اور روز کو لے

کر بولی۔ ”جاؤ اب بلا لاؤ۔“ غلام گیا اور زیادہ کو اپنے ساتھ لے آیا۔ سلوی نے

کہا۔

”بہن سلام عرض کرتی ہے۔“

زیادہ :- ”وعلیکم السلام!“ وہ روز کے لئے پھل لائے تھے۔ انہوں نے آتے ہی

روز کو گود میں لے لیا اور بیٹھ کر اس کے سامنے پھل رکھ دیئے۔ وہ کترنے لگی۔

زیادہ نے بغیر سلوی کی طرف دیکھے ہوئے کہا۔ آج بھائی کو کیوں یاد کیا ہے؟“

سلوی کا پھر دل بھر آیا آنسوؤں کے دو قطرے مڑگاں پر آکر رک گئے اس

نے خط ان کے سامنے رکھ کر کہا۔ یہ تمہارے بھائی کا خط ہے اسے پڑھو۔

زیادہ :- یہ خط شاید لاطینی زبان میں لکھا ہے۔ افسوس ہے میں اس زبان کو نہیں

جانتا۔ اگر تم سنانا مناسب سمجھو تو سنا دو۔

سلوی نے خط پڑھنا شروع کیا۔ زیادہ غور سے سنتے رہے جب خط ختم ہو گیا تو

زیادہ نے کہا۔ عجیب خط ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تھیوڈولس تمہیں فریب سے

بلانا چاہتا ہے۔

تھی۔ بوندیں چشمے کے اندر پانی پر گر کر بے شمار دائرے بنا رہی تھیں۔ یہ دائرے جلد جلد بن اور بگڑ رہے تھے جو بہت ہی بھلے معلوم ہو رہے تھے اس وقت بارش کی آواز کے سوا اور کوئی آواز نہ آرہی تھی۔ سردی بھی قدرے بڑھ گئی تھی۔ ہوا بارش کی وجہ سے بو جھل ہو گئی تھی۔ خاتون نے کہا جب کبھی بھی بارش ہوتی ہے۔ میں اسی جگہ آ بیٹھتی ہوں اور جب تک بارش ہوتی رہتی ہے بیٹھی رہتی ہوں۔“

افسر نے مسکرا کر کہا۔ اگر رات کو بھی بارش ہوتی تھی جب بھی یہاں آ بیٹھتی تھیں.....“ خاتون نے مسکرا کر کہا کیا میں ہلاؤں تھی جو ایسا کرتی۔ رات کو میں یہاں نہ آتی تھی۔ البتہ دن میں جب بارش ہوتی تو آ بیٹھتی۔ باتوں میں وقت زیادہ ہو گیا۔ اب کچھ کھا لیجئے۔“

افسر:- تمہاری داستان کچھ ایسی دلچسپ ہے کہ میں تو سب کچھ بھول گیا۔ تم واقعات کچھ اس طرح بیان کر رہی ہو جیسے تمہارے سامنے ہی سب کچھ ہوا ہے۔ خاتون:- ایسا ہی سمجھو اس داستان کے آخر میں تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

افسر:- مجھے اپنے ہمراہیوں کا بڑا فکر ہے بارش زور سے ہو رہی ہے اور ہوا تیز چل رہی ہے معلوم نہیں وہ کس حال میں ہوں گے۔

خاتون:- اس کا فکر نہ کیجئے۔ وہ بڑے آرام سے ہو گئے انشاء اللہ انہیں ہوا اور بارش نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ میں کھانا لاتی ہوں۔ قبل اس کے کہ افسر کچھ کہیں خاتون چلی بھی گئیں۔ اور تھوڑی ہی دیر میں کھانا لے آئیں۔ دونوں نے ہاتھ بلٹھا کر چشمہ کے پانی سے ہاتھ دھوئے اور کھانا شروع کیا۔ چپ چاپ کھانا کھاتے رہے۔ کھانے سے فراغت کر کے ہاتھ منہ دھوئے۔ اور خاتون برتن اور بچا ہوا کھانا رکھ آئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خاتون کو افسر کے وہاں آنے کی امید تھی کیونکہ انہوں نے دو آدمیوں کا کھانا تیار کیا تھا۔

واپس آکر خاتون بیٹھ گئیں۔ افسر نے کہا۔ اچھا شروع کیجئے اس داستان کو۔ خاتون:- میں بہت جلد یہ داستان بیان کر دینا چاہتی ہوں۔ یہ تاریخی داستان ہے۔ خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔

زیاد نے زہیر بن غوث (۱) سے سلوی اور فہمی کے حالات بیان کئے۔ تھیوڈولس کی مکاری کا حال سنایا۔ انہیں بڑا افسوس ہوا۔ انہوں نے کہا۔ فہمی مستقل مزاج آدمی نہیں ہیں۔ انہوں نے بڑی غلطی کی کہ دشمن کے پاس چلے گئے۔ افسوس یہ ہے کہ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اس وقت ہم خود محصور ہیں۔ تم سلوی کو تسلی دو۔ اگر انہوں نے فہمی کے ساتھ کوئی برائی کی تو میں اسے اس کی ایسی سزا دوں گا کہ لوگ سن کر عبرت کریں گے۔ یا اسے میدان جنگ میں قتل کروں گا۔

زیاد وہاں سے سیدھے سلوی کے پاس آئے۔ جس روز سلوی نے قاصدوں کو اپنے نہ جانے کے متعلق لکھ کر دیا تھا۔ یہ اس کے دوسرے روز کا ذکر ہے۔ زیاد نے صبح کی نماز کے بعد امیر عسکر زہیر بن غوث سے یہ ذکر کیا تھا۔

جب زیاد سلوی کے پاس پہنچے تو آفتاب بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا اور سنہری دھوپ پھیل گئی تھی۔ سلوی مغموم تھی اور روز کو گود میں لئے بیٹھی۔ زیاد کو دیکھتے ہی ان کی تعظیم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ آج بھی زیاد روز کے لئے میوہ لائے تھے۔ انہوں نے بچی کو گود میں لے لیا اور بیٹھ کر اس کے سامنے میوہ رکھ دیا۔ وہ کھانے اور گرانے لگی۔ سلوی نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا بھی کیسی بچی ہو تم میوہ خراب کر رہی ہو۔ زیاد نے مسکرا کر کہا۔ اسے ہوش ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے.....؟“

روز نے منھی سی منھی میں میوے لے کر سلوی کی طرف بڑھائے اور کچھ آواز نکالی۔ زیاد نے ہنس کر کہا۔ ”لو بچی کہہ رہی ہے۔ مجھے کیوں دھمکا رہی ہو تم بھی کھاؤ۔“ سلوی مسکراتے لگی۔ زیاد نے کہا۔ لے لو نہ بچی کے ہاتھ سے میوہ۔ اس وقت وہ سختی بنی ہوئی ہے۔ دے رہی ہے۔“

سلوی نے ہاتھ پھیلا دیا۔ روز نے اس کے ہاتھ پر منھی کھول دی۔ کچھ میوے سلوی کے ہاتھ میں آ گئے کچھ روز کی منھی میں دبے رہ گئے۔ روز نے ہنس کر جلدی سے منھی اپنے منہ میں دے لی۔

زیاد اس بچی کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ انہوں نے کہا بس تمہارا

زہیر کے باپ کا نام غوث تھا مگر تاریخ اسلام مصنف مولانا اکبر شاہ خاں جلد سوم صفحہ ۱۸۱ میں ان کی ولدیت عوف

حصہ اتنا ہی تھا۔ وہ اشارہ کر رہی ہے تم بھی کھاؤ۔

سلوی بھی بچی کی شوخی دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس نے کہا اور ماموں جان کو تو تم نے کچھ دیا ہی نہیں۔

بچی نے کچھ سنا ہی نہیں۔ زیاد نے کہا انشاء اللہ روز بڑی سمجھدار ہے۔ جانتی ہے۔ کہ ماموں جان تو لائے ہی ہیں۔

کچھ دیر کے بعد زیاد نے سلوی سے کہا۔ میں نے آج صبح امیر عسکر زہیر بن غوث سے فیہی، تھیوڈوس اور تمہارے حالات بیان کئے تھے۔ انہیں بڑا افسوس ہوا کہ فیہی کیوں چلے گئے۔ انہوں نے مجبوری ظاہر کی اس وقت عیسائیوں نے محاصرہ کر رکھا ہے۔ وہ فیہی کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ اقرار کیا ہے کہ اگر تھیوڈوس نے فیہی کو کوئی نقصان پہنچایا تو وہ اسے عبرت ناک سزا دینگے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سلوی کو تسلی دینا۔

سلوی نے ان کا اور امیر کا شکریہ ادا کیا۔ زیاد نے کہا۔ سلوی دیکھو بھائی بہن کا بڑا خیال رکھا کرتے ہیں۔ مجھے بھی تمہارا ہر وقت خیال رہتا ہے تم مغموم نہ رہا کرو۔ اس کا صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ خوش رہو اور روز کو بھی خوش رکھو۔

سلوی :- ”خوش رہنے کی کوشش کرتی ہوں۔ مگر دل اندر سے بھر بھر آتا ہے۔ طبیعت پریشان ہو جاتی ہے۔

زیاد :- ”ہم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ انسان مجبور ہے خدا کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ فکر اور غم کرنے اور پریشان ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ قدرت نے تمہیں ایک کھلونا دیا ہے اس سے کھیلو اور اسے کھلاؤ۔“

سلوی :- ”شکریہ! جب ضرورت ہوگی عرض کر دوں گی۔“

زیاد کچھ اور بیٹھ کر چلے گئے۔ اسی روز شام کے وقت قاصد آئے وہ سخت غمزدہ اور گھبرائے ہوئے تھے۔ سلوی انہیں دیکھتے ہی ہول گئی اور اس نے پوچھا۔ ”خیریت تو ہے.....؟“

ایک عیسائی نے کہا۔ خیریت ہی سمجھو۔ سنگ دل اور ظالم تھیوڈوس نے فیہی

کو.....“ اس کی آواز بھرا گئی۔ اور وہ فقرا پورا نہ کر سکا۔ سلوی نے چیختی ہوئی آواز سے کہا تھیوڈوس نے کیا کیا فیہی کو.....؟“

قاصدوں کے آنسو جاری ہو گئے۔ سلوی بے چین ہو گئی۔ اس نے کہا بتاؤ بتاؤ۔ مجھے جلدی بتاؤ کیا ہوا۔“

قاصد :- ظالم نے فیہی کو (1) قتل کر ڈالا۔

قتل کر ڈالا۔ سلوی نے گراہتے ہوئے کہا۔

قاصد :- ”ہاں!“

سلوی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ میرے سرتاج! ظالموں نے تمہیں مار ڈالا۔ میں نے ہمیشہ تم سے بے رخی کی۔ تم مجھے پوجتے رہے۔ آؤ دیکھو آج میں تمہارے لئے سوگوار ہوں۔“ وہ زار و قطار رونے لگی۔ اس نے اپنے سر کے ریشم جیسے ملائم بال کھول ڈالے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور سوگوار ہو گئی۔ اتفاق سے زیاد آگئے۔ شاید انہوں نے بھی یہ بد خبر سن لی تھی.....

انہوں نے آتے ہی کہا۔ بہن! یہ کیا بے صبری ہے۔ اس سے کیا ہوگا۔ کیا تمہارے اس طرح ماتم کرنے اور سوگ منانے سے فیہی واپس آجائینگے۔ ذرا روز کو دیکھو وہ کس قدر پریشان ہے۔ سنبھلو اور صبر کرو۔

سلوی :- ”صبر کروں..... کس طرح.....؟“

زیاد :- غم کر کے نڈھال نہ ہو جاؤ۔ عہد کرو تم تھیوڈوس سے فیہی کا انتقام لو گی۔ میں بھی تمہارے سامنے عہد کرتا ہوں کہ تھیوڈوس سے اپنے دوست کا ضرور انتقام لوں گا۔

سلوی :- ”کیا میں انتقام لینے کے لئے زندہ رہوں گی۔“

زیاد :- انتقام لینے اور روز کو پرورش کرنے کے لئے تمہیں ضرور زندہ رہنا

ابن اثیر نے لکھا کہ تھیوڈوس نے فیہی کو فریب سے بلا کر قصرینا میں قتل کر ڈالا۔ آرمیل بید امیر علی صاحب مر اسابق رکن پریوی کونسل نے تاریخ اسلام کے صفحہ نمبر ۴۲۰ پر لکھا ہے کہ قصرینا میں عیسائیوں نے دھوکہ دے کر شی کو بلا کر قتل کر ڈالا۔ مسلمان مورخوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ فیہی تھیوڈوس نے رقابت کی بنا پر دھوکہ سے بلا کر قتل کر ڈالا۔

سلوی :- زندہ رہو اپنی روز کو پرورش کرنے کے لئے اور فیسی کا انتقام لینے کے لئے۔

زیاد :- جاؤ اپنی حالت درست کرو۔ کپڑے بدلو اور روز کو گود میں لو وہ رو رہی ہے۔ سیاہ کپڑے جو عیسائیوں میں غم کی علامت ہے۔ پن کر آئی۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔ اس نے روز کو گود میں لے کر اسے سینہ سے لگالیا۔ زیاد دیر تک تسلی دیتے اور تشفی کرتے رہے۔ جب سلوی کی طبیعت کو قدرے سکون ہو گیا۔ تب وہ چلے آئے خاتون خاموش ہو گئیں اور ان کے چہرے سے حزن و ملال کے آثار ظاہر ہو گئے۔

(۳۲)

افرنے خاتون کی طرف دیکھا۔ انہیں پڑمردہ خاطر دیکھ کر کہا۔ تم افسردہ دل کیوں ہو گئیں۔

خاتون :- ”اس داستان سے میرا تعلق ہے۔ کبھی کبھی مجھ پر غم کا غلبہ ہو جاتا ہے۔“

افرنے :- ”تمہاری باتوں نے میرے اشتیاق کو اور بھڑکا دیا ہے۔ کسی طرح جلد سے جلد مجھے تمام حالات سناؤ۔“

خاتون :- ”میں اسی لئے مختصر کر کے سنارہی ہوں۔“

افرنے :- اچھا تو سناؤ۔

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔

جب سے قسطنطنیہ میں تھیوڈولس بادشاہ ہوا تھا۔ اس نے جزیرہ سسلی کو بچانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ فوجوں پر فوجیں بھیج رہا تھا۔ ان فوجوں کے ساتھ سرقوسہ کی فوجیں بھی ہو گئی تھیں۔ ان لشکروں نے مائی نیوکا میں مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔ چونکہ عیسائیوں پر مسلمانوں کا رعب قائم تھا۔ اس لئے وہ حملہ نہ کرتے تھے۔ بلکہ وہ اس فکر میں تھے کہ اگر مسلمانوں میں رسد ختم ہو

جائے اور وہ بھوکے مرنے لگیں تب ان پر یلغار کی جائے۔ کئی مرتبہ ایسا موقعہ آیا بھی کہ مسلمانوں کے پاس رسد کم رہ گئی۔ لیکن انہوں نے ہر مرتبہ ہزار پانچ سو جوانوں کو گھاٹیوں کے ذریعہ نکال دیا۔ وہ قرب و جوار کے علاقہ میں گئے اور لڑ بھڑ کر غلہ لے آئے۔ عیسائی لشکر کو ان کے قلعہ سے نکلنے کی جب خبر ہوئی جب وہ واپس بھی آگئے۔ اس لئے مسلمانوں کو فائدہ کی نوبت نہیں آئی۔ اگر مسلمان چاہتے تو وہ تھوڑے تھوڑے کر کے وہاں سے نکل سکتے تھے۔ مگر انہیں یہ خوف تھا کہ اگر عیسائیوں کو خبر ہو گئی تو وہ ان کا تعاقب کریں گے۔ اور چونکہ عیسائی لشکر بہت زیادہ ہے اس لئے ممکن ہے وہ نقصان پہنچا دے۔ اس کے علاوہ افریقیہ واپس ہونے کے لئے ان کے پاس جہاز نہیں رہے تھے۔ محمد بن ابوالجوارى نے جہازوں میں آگ لگوا دی تھی اور کوئی مقام ایسا مضبوط اور محفوظ نہیں تھا جیسا مائی نیوکا تھا۔ اس لئے وہ وہیں مقیم تھے۔ عیسائیوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ مسلمان ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر باہر نکل جاتے اور رسد لے آتے ہیں۔ انہوں نے محاصرہ کو اور تنگ کر دیا۔ اور تمام ٹاکوں پر قبضہ کر لیا۔ اب مسلمانوں کا باہر نکلنا اور رسد لانا مشکل ہو گیا۔ کچھ اسلامی دستے دوسرے قلعوں سے ان مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے۔ لیکن بے شمار عیسائی لشکر دیکھ کر ان کی صفوں کو چیر کر مسلمانوں کے پاس پہنچنے کی جرات نہ کر سکے۔ البتہ انہوں نے یہ کیا کہ وہ سمندر کے ساحل کی طرف اس امید میں چلے گئے کہ شاید افریقیہ سے مدد آ رہی ہو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک روز انہوں نے ساحل سے فاصلہ پر ایک بحری بیڑہ کو جس میں بہت سے جہاز تھے دیکھا۔

ان لوگوں نے اشارے کئے۔ انہوں نے دیکھا بیڑہ رک گیا۔ انہوں نے دعا مانگی کہ خدا کرے یہ بیڑہ مسلمانوں کا ہو۔ ایک کشتی پانی کو چیرتی ہوئی ان کی طرف بڑھی۔ جب وہ قریب آئی تو انہوں نے اس میں عربوں کو دیکھا۔ ان لوگوں کو انہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کشتی ساحل سے آگئی۔ عرب و ترک ان لوگوں کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک اعرابی نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟

سسلی کے مسلمانوں میں ایک شخص عبد اللہ تھے۔ انہوں نے کہا اس جزیرہ

میں مسلمان مصیبتوں اور آفتوں میں گرفتار ہیں۔ عیسائیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے۔

اعرابی :- ”لیکن اس جزیرہ میں مسلمان کہاں سے آگئے۔“

عبداللہ :- نے فنی کے فریاد لے کر جانے اور امیر زیادہ اللہ کے لشکر بھیجنے اور سسلی کا کچھ علاقہ فتح کرنے اور یورپ سے بے شمار عیسائیوں کے آنے کا حال سنایا۔ اعرابی نے کہا۔ دیکھو میں اپنے سپہ سالار سے کہوں گا۔

اعرابی چلے گئے۔ یہ بحری بیڑہ اصمغ بن وکیل کی سرکردگی میں اندلس سے عیسائی بحری ڈاکوؤں کے کھوج میں آیا تھا۔ مسلمان انتظار کرنے لگے انہوں نے دیکھا کہ جہازوں نے لنگر ڈال دیئے۔ انہیں بڑی خوشی ہوئی انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ بے شمار کشتیاں سمندر میں اتاری گئیں ان میں مجاہد سوار ہوئے اور ساحل کی طرف بڑھے۔ عصر کے وقت یہ کشتیاں ساحل پر آگئیں۔ خشکی پر اترتے ہی ایک شخص نے وضو کر کے اذان دی اور تمام مسلمانوں نے جماعت سے نماز پڑھی۔ مسلمان کسی حالت میں نماز نہیں چھوڑتے تھے۔

اصمغ بن وکیل خود لشکر لے کر آئے تھے۔ انہوں نے رات کو وہیں قیام کیا اور صبح کی نماز پڑھتے ہی مائی نیو کا کی طرف روانہ ہو گئے۔

عیسائیوں نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں نے افریقہ سے مدد طلب کی ہے۔ انہیں ہدایت کی تھی کہ اگر کوئی اسلامی لشکر آتا دیکھیں تو فوراً اطلاع دیں۔ ان جاسوسوں نے تھیوڈولس گورنر کو اطلاع دی کہ اسلامی لشکر آگیا ہے۔ وہ مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔

زہیر بن غوث اور ان کے ہمراہی محاصرہ کی وجہ سے ٹکلیں اٹھانے لگے تھے۔ ان کے پاس قریب قریب رسد ختم ہو گئی تھی۔ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جمعہ کے روز سروں سے کفن باندھ کر ٹکلیں اور عیسائیوں سے لڑیں انہیں اصمغ بن وکیل اور ان کے لشکر کے آنے کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ ورنہ ممکن تھا وہ انتظار کرتے چنانچہ جمعہ کے دن صبح کی نماز پڑھ کر مسلمانوں نے فتح و نصرت کی دعا مانگی اور پھر سب نے غسل کیا۔ سفید کپڑے پہنے اور سفید عمامے سروں سے باندھے اور ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ کیونکہ اپنی زندگیوں کی

امید نہیں رہی تھی۔ زیاد نے بھی غسل کیا۔ سفید لباس بدلا، سفید عمامہ باندھا وہ کچھ پھل کر لے کر سلوی سے ملنے گئے۔ سلوی کو غم کھائے جا رہا تھا وہ کمزور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ سچ پوچھو تو زیاد کی تسلی اور روز کی محبت اسے زندہ رکھے تھی ورنہ وہ ضرور مرجاتی زیاد کو دیکھتے ہی روز ان کی طرف جھکی۔ انہوں نے اس معصوم کو گود میں لے لیا روز سمجھا رہی تھی جانتی تھی کہ وہ ان کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر آتے ہیں۔ زیاد نے اس کے سامنے پھل رکھ دیئے وہ کھانے لگی انہوں نے سلوی کو دیکھ کر کہا۔ بہن تم پر میری نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تم گھل گھل کر ختم ہونا چاہتی ہو۔ تمہیں اپنی بچی کا بھی خیال نہیں ہے۔

سلوی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انہوں نے کہا، تم میرے دل کی حالت سے واقف نہیں ہو۔ اگر میں ضبط نہ کرتی اور تمہاری نصیحتوں پر عمل نہ کرتی اگر روز کا خیال نہ ہوتا تو اب تک میں یا تو دیوانی ہو جاتی یا مرجاتی۔

زیاد :- تم عیسائی عورت ہو غم کرنا اور غم میں گھل گھل کر مرجانا ہی جانتی ہو۔ تم عربی عورتوں سے واقف نہیں ہو۔ میں تمہیں ایک کسن لڑکی کا ذکر سناتا ہوں ان کا نام ام ایان بنت عقبہ تھا۔ وہ ملک شام میں تھیں۔ مسلمان عیسائیوں سے لڑ رہے تھے۔ ان کا نکاح ابان بن سعید کے ساتھ اجنادین میں ہوا تھا اور نکاح کو تھوڑے ہی روز ہوئے تھے کہ انہیں اپنے شوہر کے ساتھ دمشق کی جنگ پر جانا پڑا۔ اتفاق سے ان کے شوہر ابان کے تیر لگا اور وہ اس صدمہ سے شہید ہو گئے۔ ام ایان کو جب شوہر کے شہید ہو جانے کی اطلاع ہوئی تو وہ غم سے دوہری ہو گئیں۔ مگر انہوں نے فوراً ”سنبھل کر کہا“

اَللّٰهُ دَنَا اِلَيْهِ رَا حَبْرًا یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔ وہ اپنے شوہر کی لاش پر آئیں اور انہوں نے کہا ”تم شہید ہو گئے مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔ اطمینان رکھو میں دشمنوں سے تمہارا انتقام لوں گی اور اگر خدا نے توفیق دی تو شہید ہو کر تم سے آملوں گی۔“ وہ مسلح ہوئیں اور اپنے چہرے پر ڈھانا باندھ لیا اور میدان جنگ میں ٹکلیں وہ بڑی تیر

انداز تھیں۔ انہوں نے تیر چلا چلا کر کئی عیسائیوں کو مار ڈالا۔ وہ جب تیر چلاتی تھیں اور کوئی عیسائی مرجاتا تو وہ کہتیں۔ یہ ابان بن سعید کا انتقام ہے۔ انہوں نے صلیب بردار کو مار ڈالا۔ غرض وہ بڑی دلیری سے لڑیں اور اس جنگ کے بعد بھی انہوں نے کئی لڑائیوں میں حصہ لیا اور مردانہ وار لڑتی رہیں تم بھی کیوں نہیں انتقام کی آگ اپنے سینہ میں روشن کرتی ہو۔ جس دل میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اس میں غم باقی نہیں رہتا۔

سلوی :- آج سے میں ایسا ہی کروں گی۔ میں انتقام لوں گی اس سنگدل ظالم اور سفاک سے انتقام لوں گی۔ جس نے مجھے غم کی آگ میں جلایا ہے۔

سلوی کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ زیاد نے کہا۔ یہی جذبہ پیدا کرو۔ اس جذبہ سے تمہارے بدن میں قوت پیدا ہوگی اور تم ضرور انتقام لوگی۔ اچھا آج روز کے ساتھ بیٹھ کر پھل کھاؤ۔

سلوی :- ”آج کیا بات ہے.....؟“

زیاد :- ”آج تمہارا بھائی سر سے کفن باندھ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرنے جا رہا ہے معلوم نہیں زندہ لوٹے یا شہید ہو جائے۔ اس لئے بھائی کا کتنا کرو۔“

سلوی :- ”کیا تم بھی مجھے چھوڑ جاؤ گے۔“

زیاد :- ”اگر خدا کو یہی منظور ہے تو اس کی مرضی پوری ہوگی لیکن ہو سکتا ہے کہ ہم فتح یاب ہو کر آئیں۔ وعدہ کرو کہ اب غم نہ کرو گی۔“

سلوی :- ”میں وعدہ کرتی ہوں۔ ایک تمہارا سہارا تھا وہ بھی ٹوٹ رہا ہے۔“

زیاد :- سہارا صرف خدا کا ہوتا ہے۔ اسی کا سہارا لو۔ انشاء اللہ اس کا سہارا کبھی نہ ٹوٹے گا۔

سلوی :- ”اسی کا سہارا لوں گی..... مسلمانوں کے خدا کا۔“

زیاد :- ”کیا کہا تم نے۔“

سلوی :- ”مجھے مسلمان کرتے جاؤ۔“

زیاد :- ”تم نے سوچ لیا ہے۔“

سلوی :- ”اچھی طرح سوچ لیا ہے۔ مسلمانوں کا دین سچا دین ہے۔ اور

مسلمانوں کا خدا سچا ہے۔

زیاد :- خدا کا شکر ہے تم نے حقیقت کو پایا ہے۔

انہوں نے اسے مسلمان کر لیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ مسلمان ہونے میں کچھ جھنجھٹ کرنے پڑیں گے لیکن وہ حیران رہ گئی جب زیاد نے اسے کلمہ شہادت اشہد ان لا اله الاہ و اشہد ان محمد رسول اللہ یعنی گواہی دیتی ہوں میں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اس نے زیاد کے لائے ہوئے پھل کھائے اور جب زیاد روانہ ہوئے تو اس نے ہاتھ اٹھا کر ان کی سلامتی کی دعا مانگی۔

(۳۳)

اصح بن وکیل اپنا لشکر لے کر بڑی تیزی سے مائی نیوکا کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مسلمان مائی نیوکا میں محصور ہوئے تھے۔ اس وقت سے ان شہروں اور قلعوں کے عیسائی جو مزار اور مائی نیوکا کے درمیان تھے اور جنہیں مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا اور جو مسلمانوں کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہو گئے تھے وہ سب باغی ہو کر مسلمانوں کو تصان اور اذیت پہنچانے لگے تھے۔

مگر جب اصح نے اس طرح سے لشکر کشی کی تو وہ ابن الوقت پھر رام ہونے لگے پھر مسلمانوں کا دم بھرنے لگے پھر اطاعت گزار اور فرمانبردار بن گئے۔ اس لئے انہوں نے ہر شہر اور ہر قلعہ میں کئی کئی معزز آدمی بطور پرغال لے لئے۔ تاکہ اگر وہ پھر باغی ہو جائیں تو ان کے عوض ان معزز لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی شہر یا کسی ملک کے معزز لوگ ہی بانی فساد ہوتے ہیں وہ اپنا فائدہ دیکھتے ہیں عوام سادہ لوح ہوتے ہیں۔ وہ معزز لوگوں کے ساتھ ملتے ہیں۔ معزز لوگ چاہیں تو عوام کو گمراہ کر دیں۔ چاہیں تو راہ راست پر ڈال دیں۔ اصح کا لشکر آنے سے سسلی میں پھر مسلمانوں کی دھاک بیٹھنے لگی۔ آخر ان کا لشکر اس عظیم الشان لشکر کے سامنے پہنچ گیا جو زہیر اور ان کے ہمراہیوں کا شہر مائی نیوکا میں محاصرہ کئے ہوئے تھے یہاں وہ اسلامی دستے جو زہیر کی اطلاع پر ان کی مدد کے لئے آئے تھے مگر بے شا عیسائی لشکر دیکھ کر ان تک نہ پہنچ سکے تھے اور اودھانک رہے تھے۔ اصح

پاس آگئے۔

ادھر زہیر اور ان کے ساتھیوں کو اصبح کے آنے کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ عیسائیوں کا زبردست لشکر ان کے اور اصبح کے درمیان حائل تھا..... وہ سروں سے کفن باندھ کر نکلے اور عیسائیوں نے انہیں دیکھا وہ یہ سمجھے کہ انہیں نئے اسلامی لشکر کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے۔ فوراً "تھیوڈولس کو اطلاع کی گئی کہ زہیر حملے کے قصد سے نکلے ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ زہیر کے ساتھ بہت تھوڑے مسلمان ہیں۔ اس نے حکم دیا کہ بیس ہزار لشکر زہیر کا مقابلہ کرے۔ اور تیس ہزار سپاہ اصبح پر حملہ کرے۔ عیسائی لشکر پچاس ہزار تھا۔ چنانچہ بیس ہزار مسلح ہو کر زہیر کے مقابلے میں آگیا اور تیس ہزار اصبح پر حملہ آور ہوا۔ اصبح کے ساتھ دس ہزار مسلمان تھے اور زہیر کے ساتھ پانچ ہزار ہی تھے۔

جس لشکر نے زہیر پر حملہ کیا اس کے ساتھ تھیوڈولس بھی تھا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ زہیر اور اس کے ساتھیوں کا جلد خاتمہ کر کے وہ بھی اصبح کے لشکر پر حملہ کرے گا۔ زہیر اور ان کے ہمراہیوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ عیسائی فوجوں کی صفوں کی دیواریں ان کے سامنے حائل ہو گئیں انہوں نے پرزور حملے کر کے ان دیواروں میں رخنے ڈالنے شروع کئے۔ اور عیسائی جانبازوں کو قتل کر کے ان کی صفوں میں گھس گئے۔

عیسائیوں نے بھی بڑی جوانمردی سے حملہ کیا وہ انہیں روکنے اور مار مار کر پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگے ان کی تلواریں بھی مسلمانوں کو قتل و زخمی کرنے لگیں مسلمانوں نے پیچھے ہٹنے کے لئے حملہ نہیں کیا تھا۔ وہ قتل ہو رہے تھے زخمی ہو رہے تھے مار رہے تھے اور بڑھ رہے تھے۔ زہیر نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے ان کی تلوار موت کا فرشتہ بن گئی تھی۔ جس طرف حملہ کرتے تھے دشمنوں کو کائی کی طرح پھاڑ دیتے تھے ہر حملہ میں ایک دو عیسائیوں کو ضرور قتل کر ڈالتے تھے۔ ان کے جلو میں ڈھائی سو مجاہدین تھے ان میں سے صرف پچاس سوار تھے اور دو سو پیادے جس طرف زہیر حملہ کرتے تھے اسی طرف وہ حملہ کرتے تھے اور جس طرف وہ حملہ آور ہوتے تھے ادھر لاشوں پر لاشیں ڈال دیتے تھے۔ ہر مسلمان موت کی لڑائی لڑ رہا تھا۔ بڑی قوت اور بڑی پھرتی سے حملہ کرتا تھا۔ ان کی تلواریں تیزی سے اٹھ اور جھک رہی تھیں اور سب خون میں ڈوبی ہوئی تھیں ایسی تیز اور آبدار تھیں کہ زہیر کو قتل کر

جسموں کو کاٹ ڈالتی تھیں عیسائی شور کر رہے تھے اور بڑی دلیری سے حملے کر کے مسلمانوں کو مار کر بھگا دینا یا قتل کر ڈالنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلمان جیسے لوہے کے بن گئے تھے۔ بڑی مشکل سے اکا دکا مرتے تھے اور مرتے مرتے بھی ایک دو کو ساتھ لے مرتے تھے۔

تھیوڈولس ابھی تک قلب میں کھڑا اپنے سپاہیوں کو للکار للکار کر جوش دلا رہا تھا اور ماتحت افسروں کے پاس پیغام بھیج رہا تھا۔ انہیں زیادہ سرگرمی زیادہ قوت اور زیادہ پھرتی سے حملے کرنے کی ترغیب دے رہا تھا افسر سپاہیوں کو للکار رہے تھے۔ سپاہی جوش اور طیش میں آ کر بڑھ رہے تھے۔ مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے مگر جب مسلمان ان کے وار ڈھالوں پر روک کر خود حملہ آور ہوتے تھے تو پیچھے کٹ کٹ کر گر پڑتے تھے۔ اور بچے بچے پیچھے ہٹنے لگتے تھے۔

مسلمانوں نے عیسائیوں کی کئی صفیں الٹ دی تھیں۔ اور ہر صف کے بیشتر سپاہیوں کو مار ڈالا تھا۔ لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ خون کا دریا بہا دیا تھا۔ جگہ جگہ انسانی اعضا کٹے پڑے تھے اور ہاتھ پیر اور سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں۔ عیسائیوں کا شور، زخمیوں کی چیخ و پکار، تلواروں کی کھٹکھٹ اور گھوڑوں کے ہنسنے سے شور قیامت برپا تھا۔ مسلمان بھی کبھی کبھی اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر اس شور کو اور بڑھا دیتے تھے۔ خون آلودہ تلواریں اٹھ رہی تھیں ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے لاشوں سے خون اس طرح بہہ رہا تھا جیسے مشکیزے کھل گئے ہوں۔ منظر نہایت ہی ہولناک ہو گیا تھا۔ لیکن دو فریق برابر مار کاٹ میں مشغول تھے۔

پیادہ مسلمان جب کسی سوار کو مار ڈالتے تھے تو جلدی سے گھوڑا پکڑ کر اس پر سوار ہو جاتے تھے۔ اس طرح تقریباً ایک ہزار مسلمان پیدل سوار بن گئے تھے جو مسلمان پیدل رہ گئے تھے وہ سواروں پر زبردست حملے کر رہے تھے۔ اس فکر میں تھے کہ انہیں مار کر ان کے گھوڑے حاصل کر لیں۔ جن مسلمانوں کو گھوڑے مل گئے تھے وہ بھی ان کی مدد کر رہے تھے۔ اور پیادہ مسلمان عیسائی سواروں کو تاک تاک کر مار رہے تھے۔ اور ان کے گھوڑوں پر سوار ہو جاتے تھے۔

زیادہ کے ساتھ پچیس پیدل تھے۔ صرف ان کے پاس گھوڑا تھا وہ ان کے ساتھی

بھی شہید ہو گئے تھے ان کے ہمراہیوں نے مقتول عیسائیوں کے گھوڑے پکڑ لئے تھے اور اب ان پر سوار ہو گئے تھے۔

زیاد صفوں کو زیر و زبر کرتے قلب کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے تھیوڈولس کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جو عیسائی ان کا مقابلہ کرتے وہ اور ان کے ساتھی انہیں قتل کر کے راستہ نکال لیتے تھے۔ آخر زیاد تھیوڈولس کے پاس پہنچ گئے۔ اور انہوں نے اس رسالہ پر اس سختی سے حملہ کیا کہ سارا رسالہ جنبش میں آگیا۔ ان کے ہمراہیوں نے کئی سواروں کو قتل کر ڈالا۔ زیاد نے بھی دو عیسائیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ اب وہ تھیوڈولس کے سامنے پہنچ گئے۔ انہوں نے لکار کر کہا۔ ”او دعاباز! سنبھل فبی کا انتقام لینے کے لئے زیاد آپہنچا۔“

تھیوڈولس بڑا قوی ہیکل انسان تھا۔ وہ زیاد پر حملہ آور ہوا۔ زیاد نے اس کا وار ڈھال پر روکا۔ اس کی تلوار نے ان کی ڈھال پھاڑ ڈالی۔ زیاد ڈر گئے۔ مگر انہوں نے فوراً ہی بڑی پھرتی اور نہایت قوت سے حملہ کیا۔ تھیوڈولس نے بھی ڈھال کو سامنے کر دیا۔ مگر زیاد کی تلوار ڈھال سے رگڑتی شانہ پر پڑی اور چاندی کی زنجیریں کاٹ کر اس کا سراڑا گئی۔ تھیوڈولس ہولناک چیخ مار کر گرا۔ زیاد نے جلدی سے اتر کر خنجر سے ان کا سر کاٹا اور نیزہ پر چڑھا کر کہا۔ ”عیسائیو! اپنے سپہ سالار کا سر دیکھو۔ اب بے فائدہ لڑ کر کیوں جانیں دیتے ہو۔“

عیسائیوں نے جب تھیوڈولس کا سر دیکھا تو انہیں غصہ آگیا۔ انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا۔ یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ مسلمان کافی دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ مگر وہ سنبھلے، انہوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔ اور اس جوش سے حملہ کیا کہ عیسائیوں کو دباتے اور ہٹاتے چلے گئے۔ عیسائیوں نے بھی رکنا اور سنبھلنا چاہا۔ مگر مسلمانوں نے سنبھلنے ہی نہ دیا۔ متواتر حملے کرتے اور ہٹاتے چلے گئے آخر عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے وہ بھاگے۔

دوسری طرف سے اصمغ نے بھی عیسائیوں کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ دونوں طرف کے عیسائی بھاگ کر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے اور اس ٹکر سے سینکڑوں عیسائی کچلے گئے۔ اب ایک طرف سے زہیر نے اور دوسری طرف سے اصمغ نے پر زور حملے کر کے بیشمار عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔ جب عیسائیوں کو معلوم ہوا کہ دونوں طرف

انہیں ہی شکست ہوئی تو گھبرا کر ایک طرف کو بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ شام تک وہ انہیں مارتے کاٹتے اور گرفتار کرتے رہے۔ جب عیسائیوں سے میدان صاف ہو گیا۔ تب زہیر نے گھوڑے سے اتر کر سجدہ شکر ادا کیا۔ جب وہ سجدہ کر کے گھوڑے پر سوار ہوئے تو پندرہ مسلمان آئے جو اصمغ کو ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح وہ سمندر کے کنارے پر پہنچے اور کیسے اصمغ ان کی مدد کے لئے آئے۔ اور زہیر اصمغ کی ملاقات کے لئے چلے۔ دونوں سردار بڑی گرم جوشی سے ملے۔ زہیر نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

مال غنیمت اکٹھا کیا گیا۔ بے شمار دولت اور ساز و سامان اور غلہ ہاتھ آیا۔ رات کو مسلمانوں نے وہیں قیام کیا اور صبح کو اصمغ رخصت ہونے لگے۔ زہیر نے انہیں مال غنیمت دینا چاہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ زہیر نے اصرار کیا۔ آخر بڑی مشکل سے وہ ایک ہزار عیسائی قیدی لے گئے اور یہ عظیم الشان فتح ماہ جمادی الاخر ۲۱۵ھ میں حاصل ہوئی۔

اور خاتون خاموش ہو گئیں۔

(۳۴)

کچھ توقف کے بعد خاتون نے پھر بیان کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ زیاد نے تھیوڈولس کا سر سلومی کے پیروں میں لا ڈالا۔ اور کہا (۱) صفیہ (سلومی کا اسلامی نام) صفیہ رکھا گیا تھا۔ یہ تمہارے دشمن کا سر ہے۔“

صفیہ خوش ہو گئی۔ اس نے کہا خدا کا شکر ہے جس ظالم نے مجھے برباد کیا۔ آج وہ بھی برباد ہو گیا۔ بھائی جان تم نے انتقام لے لیا۔ اب انشاء اللہ میرے دل کو تسکین ہو جائے گی۔ لیکن روز کی نظر بھی سر پر پڑ گئی۔ اس نے چیخ مار دی۔ صفیہ نے جلدی سے اسے گود میں اٹھا کر سینہ سے لگالیا۔ زیاد نے سر الگ کر دیا انہوں نے کہا مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ میں نے روز کا خیال نہ کیا۔ بچی ڈر گئی۔

صفیہ :- ”کوئی بات نہیں۔“

زیاد :- بات کیسے نہیں وہ تو اس بات کی عادی ہو گئی ہے کہ جب میں آؤں اس کے

سہ ماہ ہم آئندہ سلومی کو صفیہ ہی کہیں گے

لئے کچھ لاؤں۔ وہ کھائے اور خوش ہو۔ بات یہ ہے کہ خوشی میں مجھے یہ خیال ہی نہیں رہا۔ میں اس خونخوار درندہ تھیوڈولس کو جب دیکھا تو جوش سے میرا خون کھولنے لگا۔ میں نے اس پر حملہ کیا۔ مگر اس نے حملہ میں سبقت کی۔ اس کی تلوار نے میری ڈھال پھاڑ ڈالی۔ مجھے خوف ہوا کہ وہ ضرور مجھے مار ڈالے گا۔ کیونکہ میرے پاس زرہ نہیں تھی۔ لیکن میں نے اسے دوسرا حملہ نہیں کرنے دیا۔ خود بھی حملہ کیا میری تلوار کاری پڑی۔ اس کی شانے کی چاندی کی زنجیریں کاٹ کر سڑا گئی۔ میں نے اسی وقت گھوڑے سے اتر کر خنجر سے سر کاٹا اور نیزہ پر اٹھا لیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے اپنے دوست کا انتقام لے لیا۔

صفیہ :- اب مجھے صبر آجائے گا۔ تھیوڈولس کا سر دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ زیاد نے زمرہ کا ایک ہار نکال کر روز کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ یہ مجھے مال غنیمت میں سے حصہ ملا ہے۔ آج روز کو یہی دیتا ہوں۔

صفیہ :- ”نہیں ایسا نہ کیجئے۔ یہ ہار بڑا قیمتی ہے اسے اپنی کسی عزیزہ کو دینا۔ زیاد روز سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ہے۔

صفیہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اس نے کہا۔ تم کتنے اچھے ہو۔“

زیاد چلے آئے۔ مسلمان اس مقام پر پندرہ روز سے زیادہ مقیم رہے انہیں خیال تھا کہ عیسائی عارضی طور پر شکست کھا کر بھاگے ہیں ان کے پاس اب بھی بے شمار لشکر ہے بے حد دولت ہے۔ وہ اپنی حالت درست کر کے پھر حملہ کریں گے۔ لیکن عیسائیوں کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں کہ وہ دور ہی سے عباؤں والوں کو دیکھ کر ہول جاتے تھے۔

دراصل مالی نیوکا میں مسلمانوں کو جو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی اس سے ان کا رعب و خوف عیسائیوں کے دلوں پر بٹھا دیا۔ وہ ایسے بھاگے کہ انہوں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس معرکہ میں زہیر اور اصمخ کے ساتھیوں میں سے پونے تین سو مسلمان شہید ہوئے تھے۔ عیسائی سترہ ہزار سے زیادہ مارے گئے اور پانچ ہزار زہیر نے افریقہ بھیج دیئے۔ ان غلاموں کو افریقہ بھیجنے کے لئے زہیر نے اصمخ سے چند جہاز مستعار لئے تھے۔ زہیر نے یہاں کے تمام حالات کی ایک مفصل رپورٹ امیر زیادة اللہ کی خدمت میں بھیجی اور ان سے مدد طلب کی۔

عیسائی مالی نیوکا سے بھاگ کر کچھ تو سرقوسہ میں چلے گئے۔ اور کچھ ہلمو میں وہ جس طرف بھی گزرے اس علاقے کے عیسائیوں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے چلے گئے اس سے اس نواح کے عیسائیوں پر برا اثر پڑا وہ گھبرا سے انہیں خوف ہوا کہ کہیں مسلمان حملہ نہ کر دیں۔ بزدل قسم کے آدمی وہاں سے بھاگ گئے۔ زہیر نے اب سب سے پہلے ان شہروں اور قلعوں کا رخ کیا۔ جنہیں پہلے مسلمانوں کے چلے آنے کی وجہ سے ان کے باشندے باغی ہو گئے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کا رعب و خوف طاری ہو چکا تھا۔ اس لئے جس قلعہ اور جس شہر میں مسلمان پہنچے وہاں کے لوگوں نے معمولی طور پر مقابلے کرنے کے بعد اطاعت اختیار کر لی۔ زہیر جن شہروں اور قلعوں کو فتح کرتے جاتے تھے وہاں پندرہ پندرہ بیس روز ٹھہر کر اس کا ایسا مکمل نظام کرتے جاتے کہ پھر ان کے باغی ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ اس طرح فتوحات کرتے اور مفتوحہ علاقوں کا انتظام کرتے انہیں تقریباً دو سال ہو گئے وہ فتح کرتے ہوئے ہلمو کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ہلمو جزیرہ سسلی کا صدر مقام تھا اور ہلمو ہی کے نام کا ایک صوبہ تھا۔ اور شہر ہلمو اس کا دارالصوبہ بھی تھا۔ یہ شہر حضرت عیسیٰ سے بھی پہلے آباد ہوا تھا۔ جب سے آباد ہوا جزیرہ سسلی کا صدر مقام رہا۔ یہ شہر مستقل طور پر آباد تھا اس کی تفصیل نہایت مضبوط تھی اس کے چاروں طرف بارہ دروازے تھے۔ اور ہر دروازے کے دونوں طرف دو دو برج تھے وہ ایسی اچھی جگہ آباد تھا کہ قدرتی طور پر بھی اس کی حفاظت ہوتی تھی۔

مسلمانوں کا رخ اب اسی شہر کی طرف تھا۔ وہ اس مشہور مقام کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ عیسائی ان کے اس ارادہ کو سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے اس شہر کی تفصیل کی مرمت کرنی شروع کر دی تھی۔ فوجیں اور سامان جنگ اور رسد بھاری تعداد میں وہاں جمع کرنے لگے تھے اب عیسائی اس مشہور شہر پر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ستر ہزار (1) سپاہی وہاں جمع کر دیئے تھے۔

اب روز کا نام جمیلہ رکھ دیا گیا تھا۔ اب اس کی عمر تین سال سے زیادہ ہو گئی تھی وہ مینا کی طرح چمکنے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگی تھی۔ زیاد کو ابا جان کہتی۔

کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے وہ بھی خوش ہوئی تھیں اور صفیہ خواتین اسلام میں ایسی گھل مل گئیں جیسے وہ پشتی مسلمان ہوں۔ تمام عورتوں اور لڑکیوں کو ان سے ہمدردی اور محبت ہو گئی تھی۔

زہیر نے ہلمو کی طرف کوچ کر دیا۔ ایک روز ایک پہاڑی مقام پر لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ زیاد جمیلہ سے باتیں کر رہے تھے۔ صفیہ پاس ہی بیٹھی تھی۔ جمیلہ نے کہا۔ ابا ابا۔ وہ چڑیا۔

زیاد نے کہا ابا نہیں ماموں جان کہو۔ جمیلہ نے کہا۔ نہیں ابا۔ صفیہ نے چشم نمائی کرتے ہوئے کہا۔ ابا نہیں جمیلہ۔ ماموں جان۔ جمیلہ کو گویا ضد ہو گئی تھی۔ اس نے کہا نہیں ابا جان۔ ہرچند زیاد اور صفیہ نے اس سے کہا۔ لیکن اس نے ماموں جان نہ کہا۔ بچوں کو جب ضد ہو جاتی ہے تو پھر وہ کسی کا کہنا بھی نہیں سنتے۔ جمیلہ بھی ابا جان ہی کہتی رہی۔ زیاد نے کہا۔ اچھا بھی جو تیری سمجھ میں آئے کہ۔ یہ سنتے ہی جمیلہ کی ضد جاتی رہی۔ اس نے کہا۔ ”ماموں جان۔“ زیاد اور صفیہ ہنس پڑے۔ خاتون خاموش ہو گئیں۔ جیسے کچھ سوچنے لگی ہوں۔

(۳۵)

خاتون نے بیان کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ مسلمان ہلمو کی طرف بڑھ رہے تھے اور ہلمو سسلی کا صدر مقام تھا۔ اس لئے تمام عیسائیوں کی نگاہیں اس طرف لگ گئیں۔ جو استحکام اور انتظام وہ ہلمو کا کر سکتے تھے انہوں نے کر لیا تھا۔ قسطنطنیہ کے بادشاہ تھیوفلس نے تجربہ کار افسر اور جہاندیدہ سپاہی بھیج دیئے تھے۔ سرقوسہ اور دوسرے مقامات سے دلیر اور جنگجو فوجیں ہلمو کو بچانے کے لئے آگئی تھیں۔ انہوں نے مورچے قائم کر لئے تھے۔ اور نفیل پر دیدبان بٹھا دیئے تھے۔ تاکہ وہ دیکھتے رہیں کہ اسلامی لشکر کب آتا ہے اور کہاں فروکش ہوتا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے جاسوس بھی مقرر کر دیئے تھے۔ مگر یہ جاسوس مسلمانوں سے ڈر گئے تھے۔ اسلامی لشکر کے قریب نہیں جاتے تھے۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ

حالانکہ کئی مرتبہ زیاد نے اور صفیہ نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ ابا جان نہیں بلکہ ماموں جان ہیں۔ وہ اس وقت تو اقرار کر لیتی کہ ماموں جان ہی کہا کرے گی مگر ذرا سی ہی دیر میں اس اقرار کو بھول جاتی۔ اور پھر ابا جان کہنے لگتی۔

زیاد کو اس سے اور اسے زیاد سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔ صفیہ اب زیاد کے پاس ہی رہنے لگی تھی۔ وہ اسلامی لشکر کے ساتھ ساتھ رہتی تھی جب سے تھیوڈولس کو زیاد نے قتل کیا تھا۔ اس وقت سے اس کے دل کو بڑی حد تک تسکین ہو گئی تھی اور اب اس کا سارا وقت جمیلہ کی دیکھ بھال میں گزرتا تھا۔ وہ نماز پابندی کے ساتھ پڑھتی تھی نہایت سادہ لباس پہننے لگی تھی۔ زیاد کے حصے میں کئی غلام اور کئی کنیزیں آئی تھیں۔ انہوں نے ایک غلام اپنے لئے رکھ لیا تھا اور باقی غلام اور کنیزیں صفیہ کی نذر کر دی تھیں۔ نیز مال غنیمت میں سے جو کچھ انہیں ملتا وہ صفیہ کو دیدیتے وہ چاہتے تھے کہ صفیہ ایک دولت مند کی بیٹی اور بیوی ہے عیش و عشرت اور ناز و نعم میں پلی بڑھی ہے اسی شان سے رہے کہ جس شان سے اب تک رہتی رہی ہے۔ لیکن اب صفیہ پر اسلامی رنگ چڑھ گیا تھا۔ وہ تمکنت کو پسند نہ کرتی تھی اور نہایت سادہ طور پر رہتی تھی۔ کنیزوں اور غلاموں سے کم کام لیتی تھی۔ جمیلہ سے تمام غلام اور ساری کنیزیں محبت کرتی تھیں جوں جوں وہ بڑی ہوتی جاتی تھی اس کی باتیں اور بھی پیاری ہوتی جاتی تھیں۔

جب ہلمو کا نواحی علاقہ فتح ہو گیا تو زہیر نے اعلان کر دیا کہ وہ اب ہلمو کا محاصرہ کریں گے۔ حالانکہ ان کے ساتھ لشکر بہت کم تھا اور انہیں یہ بات بھی معلوم تھی کہ ہلمو میں عیسائیوں کا لشکر ستر ہزار ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا خیال نہیں کیا۔ اتفاق سے جس روز انہوں نے ہلمو کی طرف بڑھنے کا اعلان کیا۔ اس روز دو ہزار مجاہدین اسلام افریقیہ سے آگئے اور انہوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ عنقریب بھاری لشکر ان کی مدد کے لئے آنے والا ہے۔ اور اس دستہ کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی آئے تھے۔ اور جو مجاہدین زہیر کے ساتھ تھے ان کے بھی بیوی بچے آگئے تھے ان کے آنے سے لشکر گاہ میں بڑی رونق ہو گئی تھی۔

صفیہ اور جمیلہ کو ان کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ ہر ایک اپنے ہم جنس

کس قدر اسلامی لشکر ہے۔ لیکن چونکہ ہلمو کے گورنر کو اطلاعات دینی ضروری تھیں۔ اس لئے جھوٹی سچی خبریں بھیجتے رہتے تھے اور اس وقت تک جب تک ہلمو کے قریب پہنچے اسلامی لشکر کی تعداد آٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ مگر جاسوسوں نے گورنر ہلمو کو پندرہ ہزار سے بھی زیادہ بتائی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان ہلمو کے سامنے جا کر ٹھہرے تو عیسائیوں کو ان پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔

مسلمانوں نے بھی فوراً ہی حملہ نہیں کر دیا۔ کیونکہ انہیں یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ منتخب عیسائی لشکر ستر ہزار سے زیادہ ہلمو میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی فسیل نہایت مضبوط ہے۔ انہوں نے دوسرے روز شہر کی ناکہ بندی کر دی۔

عیسائی دیکھتے رہے ان کے پاس رسد کافی تھی۔ نیز سامان جنگ بہت زیادہ تھا۔ لشکر کی بھی بھاری تعداد تھی اس لئے اس ناکہ بندی سے انہیں کوئی فکر نہیں ہوا۔ اگر انہیں اسلامی لشکر کی صحیح تعداد کا علم ہو جاتا تو وہ یقیناً "حملہ کر دیتے اور اس وقت ممکن تھا کہ مسلمان ایک مرتبہ اور مشکلات میں پھنس جاتے۔ زہیر کو اس لشکر کا سپہ سالار سپاہیوں اور افسروں نے منتخب کیا تھا۔ لیکن جب سسلی کا بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تو قیروان سے امیر زیادة اللہ نے اپنے چچیرے بھائی ابوالفر محمد بن عبداللہ بن اغلب کو سسلی کا گورنر یعنی اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے بھیجا۔ اور ان کے ساتھ بیس ہزار سپاہی تین سو بڑی کشتیوں میں سوار کر کے روانہ کئے۔ ابوالفر محمد عبداللہ نے سسلی کے ساحل پر اتر کر تھوڑا تھوڑا لشکر ہلمو کی طرف بھیجنا شروع کیا۔ اس لشکر کے آنے سے مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی۔ اور عیسائی جاسوسوں نے ہلمو کے گورنر کو اطلاع دی کہ مسلمانوں کا بھاری لشکر بندر مزار پر آگیا ہے۔ اور وہاں سے تھوڑا تھوڑا ہلمو بھیجا جا رہا ہے۔ گورنر ہلمو نے فوجی افسروں سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے ہوئی کہ ابھی سب لشکر یہاں نہیں آیا ہے اگر سارے مسلمان آگئے تو ان کا مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔ مناسب یہ ہے کہ اس لشکر کے آنے سے پہلے مسلمانوں پر ایک ضرب لگائی جائے۔ چونکہ مسلمان غافل ہیں اس لئے ممکن ہے کہ اس ہمارے حملہ کی تاب نہ لاسکیں اور شکست کھا کر بھاگ جائیں۔ چنانچہ یہی رائے قرار پا گئی کہ اگلے روز تمام دروازوں سے فوجیں نکلیں اور نہایت سختی سے

مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔

مسلمان ناکہ بندی کر کے غافل نہیں ہو گئے تھے۔ وہ ہر وقت ہوشیار اور مستعد رہتے تھے۔ انہیں یہ خیال تھا کہ کسی رات کو عیسائی ضرور شب خون ماریں گے۔ اس لئے وہ رات کو ایک طلا یہ گرد دستہ مقرر کر دیتے تھے۔ اور دن میں بھی ہوشیار رہتے تھے۔

مسلمان صبح کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ انہیں ہلمو کے پھاٹک کھلتے اور عیسائیوں کے سیلاب کو اس میں سے نکلتے دیکھا۔ فوراً پکارنے والوں نے اسلامی لشکر میں پکار دیا۔ النفر النفر یا انصار الدین۔ یعنی دین کے مددگارو چلو چلو۔

مسلمان جلدی سے اپنے ہتھیاروں کی طرف دوڑے اور جلد جلد مسلح ہونے لگے۔ زہیر نے ڈھائی ڈھائی سو آدمی تو راستوں کی حفاظت پر رہنے دیئے۔ باقی سب لوگوں کو ایک طرف کھلے ہوئے میدان میں جمع کر لیا۔ عیسائی بھی اسی طرف پہنچ گئے۔ انہوں نے مینہ میسرہ اور قلب قائم کئے۔ مسلمان پہلے ہی اپنا لشکر ترتیب دے چکے تھے۔ اس وقت عیسائیوں نے دیکھا مسلمان انہیں بہت ہی کم نظر آئے۔ بات یہ تھی کہ جب تک مسلمان قلعہ کے سامنے پھیلے ہوئے رہے تو عیسائیوں کو ان کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی رہی اور جب وہ سمٹ کر ایک جگہ آگئے تو جو ان کی اصلی تعداد تھی وہی معلوم ہوئی۔

عیسائیوں نے ہر طرف سے یلغار کر دی۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مسلمان ان کا حملہ نہ سہار سکیں گے پہلے ہی ریلے میں منتشر ہو جائیں اور پھر یا تو وہ سب مارے جائیں گے یا بھاگ جائیں گے۔

لیکن جب عیسائیوں نے ان پر حملہ کیا اور انہوں نے دلیری اور استقلال سے بڑی جوانمردی کے ساتھ ان کے حملہ کو روکا تو انہیں طیش آگیا۔ انہوں نے تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ مسلمانوں نے ڈھالوں پر ان کی تلوا ریں روکیں۔ کئی مسلمان زخمی ہو گئے۔

زخم خوردہ مسلمانوں کو جوش آگیا۔ انہوں نے جوابی حملہ کر کے کئی عیسائیوں کو مار ڈالا۔ عیسائیوں کو بھی غصہ آیا۔ انہوں نے اور بھی تیزی سے حملے شروع کئے۔ کئی

مسلمان شہید ہو گئے۔ اب فریقین جوش و غضب میں بھر گئے اور بڑی دلیری اور پھرتی سے لڑنے لگے۔ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی تلواریں جلد جلد جھکنے اور اٹھنے لگیں۔ سر اور دھڑکت کٹ کر گرنے لگے خون کے فوارے ابل پڑے صاف و شفاف تلواریں خون اگلنے لگیں۔ مسلمان عیسائیوں کو اور عیسائی مسلمانوں کو بار بار کر ہٹانے لگے۔ صفیں ٹوٹ گئیں ایک فریق دوسرے فریق کی صفوں میں گھس گیا اور جو جس جگہ پہنچ گیا وہیں لڑنے لگا۔ جنگ کی آگ بھڑکنے لگی۔ عیسائیوں کا قاعدہ تھا کہ شور و غل مچایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس قدر شور کیا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ مسلمان خاموشی سے لڑ رہے تھے وہ اپنی ساری قوت پر زور حملوں میں صرف کر رہے تھے۔ نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے اور بڑے استقلال سے اپنے سے دس گنا دشمنوں کے مقابلہ میں پامردی کے ساتھ جہے ہوئے تھے۔

زیاد اور زہیر ہم عنان تھے۔ مائی نیو کا کے مقام پر جو دلیری زیاد نے کی تھی اور تھیوڈولس کا سر کاٹا تھا۔ اس کارنامہ کی وجہ سے ان کی ترقی ہو گئی تھی اور وہ نائب امیر عسکر یعنی نائب سپہ سالار ہو گئے تھے۔ انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس نعرہ کو سن کر مسلمانوں کو ہوش سا آگیا۔ ان کی آنکھیں سی کھل گئیں اور سب نے سنبھل کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔ اس مبارک نعرہ نے ان کے دلوں میں جوش بھر دیا۔ انہوں نے اس زور سے حملہ کیا جیسے وہ تازہ دم ہو گئے ہوں اور انہوں نے بڑی پھرتی سے حملے کر کے عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ خون کے دریا بہا دیئے عیسائیوں کی کئی صفیں کھول دیں، کئی افسروں کو مار ڈالا۔

عیسائیوں نے ان کا حملہ روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ جتنا اور سنبھلتا چاہا لیکن نہ سنبھل سکے۔ مسلمانوں نے انہیں بہت پیچھے دھکیل دیا کچھ دور جا کر عیسائی رکے اور بڑی سختی سے حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے حملوں کو روک لیا۔ اور جوابی حملے شروع کر دیئے۔

عین اس وقت دو ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ نمودار ہوا۔ انہوں نے دور ہی۔ جنگ ہوتے دیکھ لی۔ وہ تیزی سے جھپٹے قریب آکر انہوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا اور دوڑ کر حملہ کر دیا۔ ان کے آنے سے مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ انہوں نے

بھی بڑے زور سے حملہ کر دیا۔ اسلامی جانبازوں کی تلواروں نے عیسائیوں کا ستھرا کر دیا۔ لاشوں پر لاشیں بچھا دیں۔ عیسائیوں کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ پسپا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر اور سختی سے حملہ کیا۔ عیسائی بھاگ نکلے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے بیدریغ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور مارتے کاٹتے فسیل کے قریب تک ان کے پیچھے لگے چلے گئے۔

عیسائی پھاٹکوں میں گھسنے لگے لیکن پھاٹک تنگ تھے ایک دم تمام عیسائی قلعہ میں نہیں گھس سکتے تھے۔ مسلمانوں نے پچھلے عیسائیوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ آخر عیسائی قلعہ میں گھس گئے۔ اس معرکہ میں ان کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے۔ مسلمان چار سو سے کچھ زیادہ شہید ہوئے۔

مسلمان فتح کے نعرے لگاتے واپس لوٹ گئے۔ انہوں نے میدان جنگ میں جا کر شہیدوں کی لاشیں جمع کیں۔ ان کے جنازے کی نماز پڑھی اور گرے گرھے کھود کر دفن کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے عیسائیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اپنی لاشوں کو دفن کر دیں۔ اول تو عیسائیوں نے سوچا کہ لاشیں نہ اٹھائیں لاشوں کے سڑنے سے ہوا خراب ہو جائیگی اور مسلمانوں میں وبا پھیل جائے گی۔ لیکن سنجیدہ لوگوں نے کہا کہ اس سے لاشوں کی بے حرمتی ہوگی۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس کا اثر سپاہیوں پر برا پڑے گا اور وہ لڑنے سے انکار کر دیں گے۔ اس بات کو سب نے مان لیا اور انہوں نے مسلمانوں سے اپنے مردوں کو دفن کرنے کی اجازت لی۔ اور عارضی التوائے جنگ ہو گیا۔

کئی ہزار عیسائیوں نے قلعہ سے باہر نکل کر گرھے کھودے۔ لاشیں دفن کیں اور واپس چلے آئے۔ چونکہ اس معرکہ میں عیسائیوں کی بھاری تعداد ماری گئی اس لئے ان پر اور بھی مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا۔ خاتون خاموش ہو گئیں۔

مسلمانوں نے پھر ہلمو کا محاصرہ کر لیا اور اس سختی سے ناکہ بندی کی کہ قلعہ تک جاسوسوں کا پہنچنا بھی مشکل ہو گیا۔ نہ قلعہ والوں کو باہر والوں کی کچھ خبر رہی اور نہ باہر والوں کو قلعہ والوں کا کچھ حال معلوم ہو سکا۔ نہ قلعہ والوں کو پھر میدان میں نکل کر لڑنے کی جرات ہوئی۔ وہ دنیا سے الگ تھلگ مدد کی امید میں قلعہ کے اندر محصور رہے۔ تھیوفلس نے جہاں تک وہ مدد کر سکتا تھا، مدد کی۔ کئی لشکر بھیجے ان لشکروں کی تیاری میں کافی روپیہ خرچ کیا۔ لیکن اتنے خرچ اور اتنے آدمیوں کی قربانی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ عیسائیوں نے ہر معرکہ میں شکست کھائی ان کے تجربہ کار اور بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ سرقوسہ کے گورنر نے ہلمو کے محاصرہ کی اطلاع دے کر مزید کمک طلب کی۔

لیکن تھیوفلس قسطنطنیہ کے بادشاہ کو یہ بات معلوم تھی کہ ہلمو میں ستر ہزار عیسائی لشکر ہے۔ اسے یہ اطمینان رہا کہ اتنا بھاری لشکر مسلمانوں سے شکست نہیں کھا سکتا۔ ہلمو میں عیسائیوں کو جو ہزیمت ہوئی اور اکیس ہزار آدمی مارے گئے اس کی اطلاع نہ سسلی کے اس گورنر کو ہوئی جو سرقوسہ میں رہتا تھا اور نائب السلطنت کلاتا تھا۔ اور نہ تھیوفلس کو خبر پہنچ سکی۔ اس لئے اس نے مزید مدد بھیجنا بے سود سمجھا۔ پھر اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سسلی میں مسلمانوں کا لشکر بہت کم ہے۔ وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ مسلمان عاجز آکر واپس چلے جائیں گے۔

ہلمو والوں نے کوشش کی کہ اپنی حالت کی اطلاع سرقوسہ کے گورنر کو پہنچا دیں لیکن اس کی کوئی سبیل نہ ہو سکی مسلمانوں نے تمام راستوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ہلمو میں رسد کا ذخیرہ کم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ یہ خوف ہو گیا تھا کہ اگر ایک دو مہینہ اور اس سختی سے محاصرہ رہا تو فاقوں کی نوبت آجائے گی۔ چنانچہ معزز لوگوں نے ایک کونسل کی اور صورت حال پر غور کیا۔ طے یہ پایا کہ جس طرح بھی ہو قاصدوں کو سرقوسہ بھیجنے کی کوشش کی جائے دو نوجوان جو بڑے دلیر اور جی دار تھے اس خدمت کے لئے تیار ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے گھیرے سے باہر نکل کر سرقوسہ پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اس صلے میں انہیں بڑی رقم دی گئی۔

رات کو یہ دونوں پھانک سے باہر نکلے۔ پادریوں نے ان کے مع الخیر سرقوسہ پہنچنے

کی دعائیں مانگیں وہ دونوں رات کے اندھیرے میں خاموشی اور احتیاط سے چلے دونوں ذرا سا کھٹکا ہونے پر چونک پڑتے تھے آخر آدھی رات کے وقت وہ اسلامی لشکر کے قریب سے گزرے تھے اس وقت مسلمان خیموں کے اندر گھسے آرام سے سو رہے تھے۔ وہ دبے قدموں چلتے ہی جب خیموں کی آخری قطار کے پاس پہنچے تو کسی چیز سے ٹکرا کر گر پڑے۔ انہوں نے ٹٹل کر دیکھا ایک سیاہ رنگ کا رسہ راستہ روکے ایک سرے سے دوسرے تک کھنچا ہوا تھا۔ اب وہ سنبھل کر کھڑے ہوئے ابھی اچھی طرح کھڑے ہونے بھی نہ پائے تھے کہ دو مضبوط ہاتھوں نے دونوں کی گردنیں پکڑ لیں۔

انہوں نے گھبرا کر نظریں گھما کر دیکھا انہیں دو عمامے والے نظر آئے۔ فرط خوف سے دونوں کے جسموں کا ست سا نکل گیا۔ ایک تھکمانہ آواز آئی۔ حرکت نہ کرنا۔ ورنہ خنجر سینوں کے پار کر دیئے جائیں گے۔

ان دونوں قاصدوں نے خنجر نکالنے کا ارادہ کیا تھا مگر عمامہ پوشوں کے خنجر ان کے خنجر نکالنے سے پہلے ہی ان کی آنکھوں کے سامنے آگئے وہ ہول گئے اور ان کے ہاتھ جہاں تک پہنچ سکے تھے وہیں رک گئے۔

وہ دونوں عرب تھے جنہوں نے قاصدوں کی گردنیں آدھوچی تھیں ان میں سے ایک نے ایک قاصد کی گردن چھوڑ دی۔ اور دوسرے نے جلدی سے بانیں ہاتھ سے اس کی گردن مضبوط پکڑ لی دونوں کی گردنیں ایسی مضبوط پکڑی گئیں کہ ان کے دم گھٹنے لگے۔ اور گردنوں کی رگیں ٹوٹتی ہوئی معلوم ہوئی۔

دوسرے عرب نے جلدی جلدی قاصدوں کی تلاشی لی۔ ان کے ہتھیار لے لئے گئے۔ اور جب ان کی جیبیں ٹٹولنے لگے تو انہوں نے مزاحمت کرنی چاہی جو عرب ان کی گردنیں پکڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہہ دیا کہ حرکت نہ کرو۔ ورنہ مار ڈالے جاؤ گے۔ یہ کہتے ہی انہوں نے گرفت کو اور سخت کر دیا۔ اور دونوں قاصد چلا اٹھے۔ عرب نے کہا خاموش کھڑے رہو۔ اب اگر ذرا بھی حرکت کی تو تمہاری گردنوں کی رگیں مسل دی جائیں گی۔

دونوں موت کے خوف سے چپ چاپ بتوں کی طرح کھڑے ہو گئے دوسرے عرب

نے ان کی جیبیں ٹٹول ڈالیں۔ ایک قاصد کی جیب سے ایک خط نکلا۔ عرب نے وہ خط اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور ان دونوں کو رسی میں باندھ کر نائب سپہ سالار زیاد کے خیمہ پر لائے۔ ان کو جگایا۔ وہ آئے انکے سامنے دونوں قاصد پیش کر کے تمام حال سنایا۔ اور خط دیا۔

روشنی منگا کر زیاد نے خط دیکھا۔ وہ لاطینی زبان میں تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ خط اور روشنی لیکر صفیہ کے خیمہ پہنچے۔ اور باہر ہی سے اسے آوازیں دیں۔ صفیہ جاگ گئی۔ اس نے کہا۔ بھائی جان کیا بات ہے۔

زیاد :- معاف کرنا بہن! میں نے بے وقت تمہیں تکلیف دی۔ ایک ضروری کام آپڑا۔ کیا تم کچھ دیر کے لئے باہر آسکتی ہو؟

صفیہ فوراً باہر آگئی۔ زیاد نے اسے خط دے کر کہا۔ اسے پڑھ دو اس نے پڑھا لکھا تھا۔

”ہم مسلمانوں کا مقابلہ بڑی دلیری سے کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس کافی رسد اور جنگی سامان ہے دو سال تک بھی محاصرہ رہے تو پرواہ نہیں۔ تم اپنی اسکیم پر عمل کرو۔ اور مسلمانوں نے جن قلعوں اور شہروں کو فتح کر لیا ہے ان پر چڑھائی کر دو۔“

زیاد نے صفیہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور چلے گئے انہوں نے کہا فریب و مکر دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

انہوں نے قاصدوں کے پاس آکر ان سے پوچھا۔ تم ہلمو کے رہنے والے ہو۔ ان کی زبان سے نکل گیا۔ ”جی ہاں۔“

زیاد :- دوسرا خط کہاں ہے۔

انہیں دو خط دیئے گئے تھے۔ ایک تو اسی مضمون کا تھا۔ جو اوپر درج کیا گیا۔ دوسرا خط اور تھا۔ قاصدوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان خطوں میں کیا لکھا ہے۔ وہ سمجھے ایک خط سرقوسہ کے گورنر کے نام ہے دوسرا قسطنطنیہ کے بادشاہ کے نام۔ زیاد کے دوسرا خط پوچھنے پر وہ یہ سمجھے کہ اس خط میں جو زیاد کو دیا گیا دوسرے خط کا ذکر ہے۔

ایک قاصد نے اپنے کوٹ کو ادھیڑ کر دوسرا خط زیاد کو دیدیا۔ انہوں نے روشنی

میں دیکھا وہ بھی لاطینی زبان میں تھا۔ اسے لیکر وہ پھر صفیہ کے پاس گئے اور اسے خیمہ سے باہر بلا کر خط پڑھنے کے لئے دیا۔ اس نے پڑھا لکھا تھا۔

”ہماری حالت بہت اہتر ہو گئی ہے۔ اکیس ہزار سپاہی مسلمانوں نے مار ڈالے۔ دو ہزار بیماری سے مر گئے۔ غلہ کا ذخیرہ ختم ہو رہا ہے۔ جلد ہماری مدد کرو۔ ورنہ ہلمو میں تمام عیسائی مارے جائیں گے۔ اور مسلمان ہلمو کو فتح کر لیں گے۔“

زیاد مسکرائے۔ انہوں نے صفیہ کا شکریہ ادا کیا۔ صفیہ نے کہا۔ عجیب بات ہے پہلے خط کا مضمون کچھ تھا اور اس دوسرے خط کا مضمون اور کچھ ہے۔

زیاد :- کیا دوسرے خط کا مضمون صحیح ہے۔

صفیہ :- ”اور پہلے خط کا مضمون۔“

زیاد :- وہ اس لئے تھا کہ اگر قاصد پکڑے جائیں اور خط چھن جائے تو مسلمان اس کے مضمون سے مغالطہ میں پڑ جائیں۔ میں نے اس بات کو سمجھ لیا۔ اور قاصدوں سے دوسرا خط طلب کیا۔ خدا جانے وہ کیا سمجھے۔ انہوں نے دوسرا خط بھی دیدیا۔ اب تم آرام کرو۔

صفیہ چلی گئی زیاد آگئے انہوں نے قاصدوں کو حراست میں رکھے جانے کا حکم دیا اور صبح کو جب خوب دھوپ پھیل گئی تو زیاد قاصدوں کو لے کر قلعہ کے قریب پہنچے اور قاصدوں سے کہا تم عیسائیوں کو آواز دیکر کہو کہ ہم گرفتار ہو گئے اور دونوں خط مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے۔

انہوں نے آواز دی۔ کئی معزز عیسائی برج میں آگئے۔ قاصدوں نے اس سے کہا۔ ہم دونوں گرفتار ہو گئے۔ اور مسلمانوں نے دونوں خط لے لئے۔

زیاد قاصدوں کو واپس لے آئے وہ قلعہ والوں کو اس سے مطلع کر چاہتے تھے کہ قاصد پکڑے گئے تاکہ وہ مایوس ہو جائیں اور ممکن ہو تو صلح کر لیں، قلعہ پر قبضہ دیدیں۔ ان کی تدبیر کارگر ہو گئی۔ قلعہ کے اندر رونا پڑ گیا۔ وہ سمجھ گئے کہ مسلمان ان کے قاصد کو باہر نہیں جانے دیں گے۔ اور باہر سے بھی کوئی مدد نہ آنے دیں گے۔ پھر بھی وہ مقابلہ کرتے رہے۔ آخر شہر کی آب و ہوا خراب ہو گئی۔ وبا پھوٹ نکلی۔

غرض ہر کام انجام دیتے تھے۔ رات اور دن جتے رہتے تھے اور اس صلہ میں معمولی کھانا جس سے صرف زندہ رہ سکیں اور معمولی کپڑا پاتے تھے۔ بیمار ہو جائیں یا زخمی ہو جائیں اپنا روز کا کام انہیں ضرور کرنا پڑتا تھا جو لوگ کام نہ کرتے ان کام میں تساہلی کرتے ان پر کوڑے برسائے جاتے۔

نیز غلاموں کی اولاد کو اس لئے کھانا کپڑا دیا جاتا کہ بڑے ہو کر وہ بیچ ڈالے جائیں گے اور ان کی قیمت سے دولت ہاتھ آئے گی۔ چونکہ غلاموں کی کثرت تھی ان کے بچے بھی کثرت سے ہوتے تھے اور یہ بچے آئے دن بکتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کی قیمتیں کچھ زیادہ نہ ہوتی تھیں۔ دس دس اور بیس بیس روپے میں بک جاتے تھے۔ البتہ جب کبھی یورپ سے غلاموں کے سوداگر آجاتے تھے تو وہ اچھی قیمتیں دیتے تھے۔ لڑکوں کی قیمت ان کی صحت کے لحاظ سے ملتی تھی اور لڑکیوں کی قیمت ان کے حسن و جمال کے لحاظ سے جو لڑکی جتنی زیادہ خوبصورت ہوتی اس کی قیمت اتنی ہی زیادہ ہوتی۔

غلام اپنے بچوں کی فروختگی پر فخر بھی نہیں کر سکتے تھے وہ روتے رہتے تھے اور ان کی اولاد ان سے چھین کر فروخت کر دیتا تھا تھی نیز جو ناکارہ اور معمولی شکل و صورت کی لڑکیاں رہ جاتی تھیں ان سے ان غلاموں کے لڑکوں کی شادیاں کر دی جاتی تھیں جن سے نسل کشی کی امید ہوتی تھی۔ یہ ظالمانہ قانون تمام سسلی میں رائج تھا۔ اور عیسائیوں کے دور حکومت میں اس قانون سے عام عیسائی نہیں بلکہ پادری بھی فائدہ اٹھاتے تھے۔ ہر گرجا اور ہر خانقاہ میں غلام تھے اور ان غلاموں کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ ہوتا تھا۔ لیکن جن شہروں اور قلعوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا وہاں غلاموں کے بچوں کی فروختگی کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کا حکم دیدیا گیا تھا۔ جیسا مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ کرتے تھے۔ جیسا خود کھائیں ویسا غلاموں کو کھلائیں۔ جیسا خود پہنیں غلاموں کو بھی دیا ہی پہنائیں۔ جتنا کام خود کریں اتنا ہی غلاموں سے لیں۔ غلاموں کو ذلیل نہ سمجھیں۔ انہیں اور ان کے بچوں کو اذیت نہ دیں اس حکم سے غلام انسانیت کے درجہ میں آگئے ان کی تکلیفیں دور ہو گئیں۔ وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے اسلامی حکومت کو رحمت خداوندی سمجھا ان علاقوں سے جن پر اس وقت تک عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ غلام بھاگ بھاگ کر اسلامی

تھے۔ اور غلہ ختم ہو گیا۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ قلعہ کے اندر معززین کی پھر کونسل ہوئی اور اس میں یہ طے ہوا کہ مسلمانوں سے اس شرط پر صلح کر لی جائے کہ جو عیسائی یہاں سے باہر جانا چاہیں ان سے تاوان لے کر مع اہل و عیال اور ساز و سامان کے نکل جانے دیا جائے اور جو لوگ یہاں رہیں ان سے جزیہ لیا جایا کرے۔

چنانچہ ایک وفد مسلمانوں کے پاس بھیجا گیا اور صلح کی درخواست کی۔ مسلمانوں نے ان کی شرائط مسترد کر کے یہ شرطیں پیش کیں کہ جو لوگ شہر میں رہنا چاہیں ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور چار دینار فی بالغ خواہ مرد ہو یا عورت اور دو دینار خواہ لڑکا یا لڑکی جزیہ دینا ہوگا اور جو لوگ باہر جانا چاہیں انہیں اپنی دولت اور ساز و سامان کا نصف دینا ہوگا۔

چونکہ عیسائی تنگ تھے اس لئے انہوں نے یہ شرطیں مان لیں دولت مند آدمی دولت دے کر چلے گئے اور باقی سب لوگ وہیں رہ گئے انہوں نے جزیہ دیدیا۔ اس طرح پہلے (۱) ۲۲۰ھ میں فتح ہو گیا ستر ہزار عیسائی لشکر میں سے کل تین ہزار (۲) باقی بچا۔ بقیہ تمام سپاہی وبا، بھوک اور جنگ کی نذر ہو گئے۔

(۳۷)

خاتون نے سلسلہ داستان جاری رکھتے ہوئے کہا۔

پہلے مسلمانوں کو جو فتح ہوئی اس نے عیسائیوں کو بے چین کر دیا انہیں یہ نظر آنے لگا کہ اب مسلمانوں کے قدم جزیرہ سسلی میں جم گئے ہیں وہ ایک دن تمام جزیرہ کو فتح کر لیں گے۔ اس سے وہ سخت پریشان ہوئے۔ اس پریشانی کی یہ وجہ تھی کہ جزیرہ سسلی میں وہ صرف حکومت ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ اسے دولت کی کان سمجھ کر دولت لوٹ رہے تھے۔ عیسائی، امیروں، جاگیرداروں، زمینداروں اور پادریوں کے پاس بھی بے شمار غلام تھے۔ ان غلاموں کی حالت بالکل جانوروں کی سی تھی۔ وہ آقاؤں کے لئے سخت سے سخت کام کرتے تھے۔ کھیتی کا کام، باغبانی کا کام، خدمت کا کام،

۱۸۰ھ از تاریخ اسلام منصف مولانا اکبر شاہ خاں صاحب جلد سوم نمبر ۱۸۰
دکھائی بی اسکاٹ نے تاریخ اخبار اندلس جلد دوم صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے

علاقہ میں آئے اور آباد ہوئے۔ اس سے عیسائیوں کو تکلیف اور نقصان پہنچنے لگا۔ وہ مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے سخت خلاف ہو گئے اور اس کوشش میں مصروف ہوئے اسلامی حکومت کو الٹ دیں اور مسلمانوں کو جزیرہ سسلی سے نکال دیں۔ انہوں نے سرقوسہ کے نئے گورنر کو اس طرح متوجہ کیا اسے اطمینان دلایا۔ وہ فوج اور روپیہ سے اس کی مدد کریں گے۔ لیکن سرقوسہ کا گورنر اس بات کو سمجھ گیا تھا کہ مسلمانوں کو سسلی سے نکالنا اتنا آسان نہیں ہے۔ جتنا عیسائی سمجھ رہے ہیں۔ اس نے قسطنطنیہ کے بادشاہ کو تمام حالات لکھے۔ اور مدد طلب کی۔ ادھر پادریوں نے پوپ روم کو لکھا کہ ”سسلی میں عیسائی مذہب خطرہ میں ہے اور مسلمان اس جزیرہ پر قبضہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ غلاموں کو آقاء بنا رہے ہیں۔ اس سے گرجوں اور خانقاہوں کی آمدنی کم ہوتی جا رہی ہے۔ جو سالانہ (۱) نذرانے ہم آپ کی خدمت میں بھیجتے رہتے ہیں وہ ہم آئندہ نہ بھیج سکیں گے۔ اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو سکے قسطنطنیہ کے بادشاہ اور دوسرے عیسائی بادشاہوں کو مجبور کیجئے کہ وہ سسلی میں فوجیں بھیجیں اور یہاں سے مسلمانوں کو نکال دیں۔

ادھر تو عیسائی اس قسم کی دوڑ دھوپ کر رہے تھے ادھر ابوالفر محمد بن عبد اللہ بن اغلب ہلمو میں آگئے اور انہوں نے مفتوحہ علاقہ کا انتظام ایسا بنا کر لیا اور قلعوں و شہروں کا ایسا بندوبست کر دیا کہ عیسائیوں کے حملے کا اندیشہ نہ رہا۔ وہ بڑے بیدار مفر اور بہادر تھے۔ انہوں نے شمالی علاقہ کو تسخیر کا بھی ارادہ کر لیا اور ایک فوج آگے بڑھانے کے لئے منتخب کی۔

اس وقت صورت یہ تھی کہ جزیرہ سسلی کے نصف جنوبی حصہ پر مسلمان قابض تھے اور نصف شمالی حصہ پر عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ مسلمانوں کے پاس جو علاقہ تھا اس میں یوں تو کئی چھوٹے چھوٹے شہر تھے لیکن مضبوط اور بڑا شہر صرف ہلمو ہی تھا جو جزیرہ سسلی کا دارالصدر تھا اور عیسائیوں کے قبضہ میں جو علاقہ تھا اس میں کئی شہر تھے۔ مثلاً ٹاور مینا (طرمین) جو مشرقی ساحل پر تھا۔ قسریانہ جو وسط میں تھا مینسیا جو مغربی ساحل پر تھا شہر مینسیا صوبہ مینسیا کا دارالسلطنت بھی تھا اس کے گرد مخروطی شکل کی بہت سی پہاڑیاں تھیں اس کے گرد اس کی حفاظت کے لئے چھ قلعے تھے اس

تاریخ اخبار اندلس جلد دوم صفحہ ۵ پر لکھا ہے کہ جزیرہ سسلی پاپاؤں کا رزق رساں اور مربی بن گیا تھا۔ یہاں دولت سے پوپوں کے خزانے لبریز رہا کرتے تھے

کا بندر اتنا بڑا تھا کہ قریباً چار میل کے رقبہ میں تھا اس بندر میں ایک وقت میں چار جہاز کھڑے ہو سکتے تھے یہ شہر تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ سائراکوس (سرقوسہ) جنوب اور مشرقی ساحل پر واقع تھا۔

زیادہ کو ابوالفر محمد نے ایک عالی شان قصر رہنے کو دیدیا تھا۔ زیادہ کی والدہ زندہ تھیں اور وہ ابوالفر کے ساتھ قیروان سے آگئی تھیں۔ اس قصر میں زیادہ کی والدہ جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اور صفیہ رہنے لگی تھیں۔ کئی کنیزیں اور غلام ان کی خدمت پر مامور تھے۔ ہاجرہ کو صفیہ سے اپنی بیٹی جیسی محبت ہو گئی تھی۔ صفیہ ان کی بڑی خدمت اور ان سے بڑی محبت کرتی تھی۔ اور صفیہ امیر زادیوں کی طرح رہنے لگی تھی۔

جیلہ کی عمر اب آٹھ برس ہو گئی تھی۔ عمر کے ساتھ ساتھ نکھرتی چلی جا رہی تھی جو کوئی اسے دیکھتا تھا بے اختیار اسے پیار کرتا تھا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ نائب السلطنت ابوالفر محمد زیادہ کے مکان پر آگئے۔ کسی خاص مشورے کے لئے آئے تھے وہ قیروان کے بادشاہ امیر زیادہ اللہ کے بھائی تھے۔ نہایت پرہیز گار تھے۔ تمام مسلمان ان کی بڑی عزت و عظمت کرتے تھے۔ زیادہ ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ وہ مردانے میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ ابوالفر نے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد کہا۔ میرا ارادہ ہے کہ طرمین میں جو لشکر بھیجا جا رہا ہے اس پر تمہیں امیر لشکر مقرر کروں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔

زیادہ: میں تو مجاہد ہوں جو خدمت چاہے سپرد کروں۔

ابوالفر: میں بھی لشکر لئے تمہارے پیچھے ہی رہوں گا۔ ہمیں اس تمام جزیرے پر قبضہ کر لینا چاہئے۔

زیادہ: میری بھی یہی رائے ہے مگر ہمارے پاس لشکر کم ہے۔

ابوالفر: ”ابھی امیر لشکر نہیں بھیج سکتے۔ اس موجودہ لشکر سے ہی فتوحات کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔“

زیادہ: ”بہتر ہے۔“

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ شوخ و شنگ جیلہ بھی آئی۔ اس نے بڑے ادب و سلیقہ سے امیر ابوالفر کو سلام کیا۔ ابوالفر اس حسین گڑیا کو دیکھتے رہ گئے۔ انہوں نے

ہوتی ہیں کہ ان کی شرارت دیکھو تو تعجب کرو۔ شوخی اور شرارت سے ہی بچے صحت مند رہتے ہیں۔ وہ دھان پان تو ہے ہی اور ڈانٹ ڈانٹ کر بالکل اسے نہیں پہنچنے دیتیں۔ اور صفیہ ہاجرہ کا لیکچر سن کر دم بخود ہو جاتی وہ خود بھی جمیلہ کو سرزنش کرنا نہ چاہتی تھی۔ مگر اس بات سے ڈرتی تھی کہ کہیں جمیلہ کی شرارت ہاجرہ یا زیادہ کو ناگوار نہ گزر جائے۔ کبھی کبھی صفیہ کہہ بھی دیتی۔ میں تو آپ ہی کے خوف سے اسے ڈانٹ دیتی ہوں کوئی بد تمیزی نہ کر بیٹھے۔

ہاجرہ کہہ دیتیں کرنے دو۔ یہی دن تو شوخی و شرارت کے ہیں۔ خیر سے جہاں دو چار برس کی عمر اور زیادہ ہوئی تو سنجیدگی آجائے گی۔ عرب لڑکیوں کو نہیں دیکھتی ہو کیسی ہرنیوں کی طرح زقندیں بھرتی پھرتی ہیں۔ پارہ کی طرح متحرک رہتی ہیں۔ اور بلبلوں کی طرح چمکتی ہیں۔ جمیلہ کو بھی ہم ایسا ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک روز کسی بات پر صفیہ نے جمیلہ کو ڈانٹ بتائی وہ چپ ہو کر ہاجرہ کے پاس جا بیٹھی۔ وہ سمجھ گئی کہ صفیہ نے کچھ کہا ہے کیونکہ کبھی صفیہ اسے تنبیہ کرتی تھی تو وہ سنجیدہ گڑیا بن کر ان کے پاس جا بیٹھتی تھی۔ ہاجرہ نے کہا۔ امی جان نے کچھ کہا ہے کیا.....؟

جمیلہ صفیہ کو امی جان اور ہاجرہ کو اماں کہا کرتی تھی۔ اس نے کہا امی جان بہت بری ہیں۔

ہاجرہ :- ”کیا بات ہوئی.....؟“

جمیلہ :- ”انہوں نے کپڑے بدلے تھے مجھے بہت اچھی معلوم ہوئیں۔ میں نے انہیں آئینہ لا کر دیا اور کہا کہ دیکھو تم کیسی اچھی معلوم ہو رہی ہو۔“

ہاجرہ :- ”مگر تم نے آئینہ دکھایا ہی کیوں؟“

جمیلہ :- ”وہ مجھے اچھی کیوں لگیں۔“

ہاجرہ :- ”اچھی تو وہ ہیں ہی۔“

جمیلہ :- ”پھر آئینہ کیوں نہیں دیکھا.....؟“

ہاجرہ :- ”اب تجھے کیسے سمجھاؤں۔ وہ تو اچھے کپڑے بھی نہیں پہنتیں۔“

جمیلہ :- ”کیوں نہیں پہنتیں۔؟“

ہاجرہ :- ”ایسی باتیں نہیں پوچھا کرتے۔“

اسے پیار کیا۔ اپنے پاس بٹھالیا۔ زیادہ سے پوچھا یہ کون ہے.....؟

زیادہ نے جواب دیا۔ میری بہن صفیہ کی بیٹی ہے۔

ابوالضر نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا اچھا..... یہ فیہ کی بیٹی ہے۔

زیادہ :- ”جی ہاں۔“

ابوالضر :- ”خدا نظرد سے بچائے۔ بڑی اچھی بچی ہے۔“

جمیلہ ان کے پاس بیٹھ کر شرما گئی۔ ابوالضر نے کہا۔ ”شرما گئی“ ابوالضر نے کہا۔

شرمیلی بھی زیادہ ہے۔“

زیادہ نے جمیلہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ سے ذرا شرما رہی ہے۔

ورنہ یہ تو ایسی شوخ ہے کہ بڑوں بڑوں کا ناک میں دم کر دیتی ہے۔

ابوالضر :- شوخ بچے ہی اچھے ہوتے ہیں۔ کیوں جمیلہ تم شوخ بھی ہو۔

جمیلہ نے مسکرا کر کہا۔ یہ ماموں جان شوخ ہیں۔

ابوالضر اور زیادہ دونوں ہنس پڑے اور جمیلہ وہاں سے بھاگ گئی۔

(۳۸)

ابوالضر کو جمیلہ سے محبت ہو گئی۔ وہ اکثر زیادہ کے پاس آنے اور اسے کھلانے لگے اس کے لئے تحفے بھی لاتے۔ کبھی پھل اور میوے کبھی کپڑا اور کبھی کوئی زیور وہ اسے اپنی بیٹی کی طرح چاہنے لگے۔ جمیلہ بھی ان سے مانوس ہو کر بے تکلف ہو گئی اور ان کے ساتھ بھی شوخی کرنے لگی۔

وہ دیکھنے میں بڑی بھولی سنجیدہ اور متین معلوم ہوتی۔ لیکن جب شرارت پر آتی تو شوخی سے سب کا ناک میں دم کر دیتی۔ مگر اس کی شوخیاں بھی پیاری معلوم ہوتیں تھیں۔ اگر صفیہ کبھی اس کی شوخی پر اسے چشم نمائی کرتی تو ہاجرہ صفیہ کو ڈانٹ دیتیں اور کہہ دیتیں جس بچی میں شوخی نہیں وہ بچی کیا اپنی کہو کیا تم ہمیشہ سے ایسی ہی سنجیدہ تھیں جیسی اب ہو۔ نہ معلوم کس قدر شوخ و شریر ہوں گی۔ ذرا بچی نے شوخی کی اور تم فمائش کرنے لگیں۔ ہمیں یہ بات پسند نہیں۔ ہمارے قبیلہ کی لڑکیاں تو ایسی شریر

جمیلہ :- ”تو یہ باتیں معلوم کیسے ہوں؟“
 ہاجرہ :- ”جب تو بڑی ہو جائے گی تجھے خود ہی معلوم ہو جائیں گی۔“
 جمیلہ :- بڑی تو میں ہو گئی۔

ہاجرہ نے ہنس کر کہا۔ ابھی کہاں بڑی ہوئی ہے؟
 جمیلہ :- اور کتنی بڑی ہو گئی۔ کیا جب امی جان کے برابر ہو جاؤں گی۔
 ہاجرہ :- ”اتنی بڑی بھی نہیں۔“
 جمیلہ :- ”اچھا جب تمہارے برابر ہو جاؤں گی۔“
 ہاجرہ :- ”ہم تو بوڑھی ہیں۔“

جمیلہ نے تالیاں بجا کر ہنستے ہوئے کہا ابا ہا اماں بوڑھی.....
 اسی وقت صفیہ آگئی۔ اس نے جمیلہ کو تیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔ نہیں مانتی ہو
 جمیلہ۔ جمیلہ نے ایک دم سنجیدہ اور پھر کچھ اداس ہو کر کہا۔ دیکھئے یہاں بھی ہمیں
 ڈانٹتے آگئیں۔

ہاجرہ نے صفیہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم کیوں ڈانٹا کرتی ہو ہماری بچی
 کو۔“

صفیہ :- ”یہ بد تمیز ہوتی جا رہی ہے۔“
 جمیلہ نے معصوم نظروں سے ہاجرہ کو دیکھ کر کہا۔ میں نے کیا کیا اماں۔“ جمیلہ کچھ
 ایسی معصوم بن گئی تھی کہ صفیہ کا بھی اسے بے اختیار پیار کرنے کو جی چاہا۔ مگر اس
 وقت اگر اسے وہ پیار کرتی تو اس کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے اس نے کہا
 جمیلہ بڑوں سے ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔

جمیلہ نے معصوم نظروں سے صفیہ کو دیکھ کر کہا۔ اماں ہی تو کہہ رہی تھیں بوڑھی
 ہو گئیں ہیں۔ مجھے ہنسی آگئی۔

ہاجرہ :- ”بات یہی ہوئی۔“ صفیہ بیٹھ گئی۔ ہاجرہ نے مسکرا کر کہا۔ آج تو تم جمیلہ کو
 بہت اچھی لگیں۔“

جمیلہ نے ہاجرہ سے کہا۔ نہ کہنے یہ پھر ڈانٹنے لگیں گی ہمیں۔“
 ہاجرہ :- ”ہمارے سامنے نہیں ڈانٹ سکتیں۔“

جمیلہ :- ”اجی یہ کسی سے ڈرتی تھوڑا ہی ہیں۔“ ہاجرہ اور صفیہ یہ بے ساختہ ہنس
 پڑیں۔ صفیہ نے جمیلہ کو کھینچ کر گود میں بٹھالیا اور اسے پیار کر کے بولیں۔ تم خفا
 ہو گئیں ہم سے جمیلہ.....؟“

اس نے کہا نہیں۔ اور صفیہ کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔ بڑی اچھی ہیں ہماری
 امی جان۔

اس وقت زیاد آگئے۔ ان کے ساتھ نو دس سال کا ایک لڑکا تھا جو مکمل عربی
 لباس پہنے تھا۔ صورت و شکل کا اچھا اور توانا تندرست تھا۔ بہت ہی خوبصورت معلوم ہو
 رہا تھا۔ صفیہ نے کہا۔ یہ کس کے لڑکے ہیں؟“
 زیاد نے کہا انہی سے پوچھو۔“

صفیہ نے لڑکے سے پوچھا۔ بیٹا تم کس کے بیٹے ہو۔“
 لڑکا :- ”میں ابوالنضر محمد کا بیٹا ہوں۔“
 صفیہ :- ”کیا نام ہے تمہارا۔“
 لڑکا :- ”اغلب۔“

صفیہ نے انہیں اپنے پاس بٹھالیا۔ جمیلہ انہیں دیکھنے لگی۔ وہ بھی کبھی کبھی اس
 شوخ گڑیا کو دیکھ لیتے تھے۔ ہاجرہ نے زیاد سے پوچھا۔ کیا امیر ابوالنضر بھی آئے ہیں۔“
 زیاد :- ”نہیں جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو یہ مل گئے۔ کہنے لگے میں
 تمہارے ساتھ چلوں گا۔ میں لے آیا۔“

صفیہ اٹھ کر گئی اور اس کے لئے پھل لے آئی۔ وہ شرمارہے تھے۔ انہوں نے
 کھانے سے انکار کر دیا۔

جمیلہ نے کہا۔ واہ وا تم تو شرمارہے ہو۔ کھاؤ نا.....“

ہاجرہ نے ہنس کر کہا ارے شوخ بول پڑی پٹاخہ سی (اغلب سے) کھاؤ بیٹا اغلب
 نہیں تو یہ جمیلہ تنگ کر دے گی۔“

زیاد نے بھی کہا کھالو بھی۔ اغلب۔“

جمیلہ نے شوخی سے کہا۔ اول ہو..... یہ اغلب نہیں۔“

ہاجرہ :- ”اور کون ہیں.....؟“

جمیلہ :- ”ہوں گے کوئی۔“

اغلب جمیلہ کو دیکھ رہے تھے جمیلہ نے کہا۔ شاید ان کو کھانا نہیں آتا۔
سب ہنس پڑے۔ ہاجرہ نے کہا تم بتا دو۔

جمیلہ نے جلدی سے انار کے دانے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اس طرح کھاؤ۔ صفیہ اور ہاجرہ کے زیادہ اصرار پر اغلب نے شرماتے شرماتے کچھ کھایا۔ جب وہ کھا چکے اور ہاتھ منہ دھو چکے۔ تب زیادہ نے کہا۔
”اب کھو..... کس لئے آئے ہو تم۔“

اغلب :- ”امی جان نے بلایا ہے۔“

جمیلہ :- ”میں چلوں گی۔“

صفیہ :- ”چپ نہیں رہتی ہو جمیلہ۔“

ہاجرہ :- ”مجھے بلایا ہے انہوں نے“

جمیلہ :- ”تمہیں بلایا ہے۔“

صفیہ :- ”بڑی شریر ہے۔ زبان تالو سے لگتی ہی نہیں۔“

جمیلہ :- ”اچھا تم ہی چلی جانا“

ہاجرہ :- ”لو پھر بگڑ گئی ہماری گڑیا۔“

صفیہ نے اغلب سے پوچھا۔ کسے بلایا ہے.....؟

اغلب :- ”سب کو۔“

صفیہ :- ”اور تمہاری امی جان کیوں نہیں چلی آئیں۔“

اغلب :- ”تم نے کب بلایا ہے انہیں.....؟“

بات معقول تھی۔ صفیہ کو یہ معلوم تو ہو گیا تھا کہ ابوالنضر کے ساتھ ان کی بیگم اور بچے آئے ہیں لیکن اس نے کبھی انہیں مدعو نہیں کیا۔ شاید اس وجہ سے کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے چچیرے بھائی زیادۃ اللہ افریقیہ کے بادشاہ تھے۔ اور وہ خود سسلی کے نائب السلطنت تھے۔ ممکن ہے اسے یہ خیال ہوا ہو کہ وہ دعوت قبول نہ کریں نہ آئیں۔ کیونکہ عیسائی گورنر اپنے ہمراہیوں کے یہاں جانا بھی کسر شان سمجھتے تھے۔

صفیہ نے کہا۔ واقعی ہم نے نہیں بلایا..... اچھا۔

مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیں۔ ہاجرہ سے مشورہ لینا ضروری تھا۔ اس نے ان سے کہا۔ کہو کیا جواب دیا جائے۔“

ہاجرہ :- ”ہم چلیں گے۔“

صفیہ :- ”بیٹا ہم کل آویں گے۔“

ہاجرہ :- ”انشاء اللہ کہہ کر کوئی وعدہ کرنا چاہئے۔“

صفیہ :- ”بھول ہوئی انشاء اللہ (اگر خدا نے چاہا) ہم سب کل آویں گے۔“

اغلب تھوڑی دیر اور بیٹھ کر زیادہ کے ساتھ چلے گئے۔

(۳۹)

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔

مسلمان جب ایک دوسرے کے پاس ملنے جاتے تھے تو حسب حیثیت تحفے ضرور لے جاتے تھے۔ چنانچہ دوسرے روز ہاجرہ، صفیہ اور جمیلہ، امیر ابوالنضر کے قصر کی طرف چلیں۔ کئی غلام ان کے ساتھ تھے۔ عورتیں محمل میں تھیں غلام اونٹوں پر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہلمو کو از سر نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ بازار کشادہ کئے جا رہے ہیں۔ دوکانیں تین فٹ کی کرسی دیکر بڑی بنائی جا رہی ہیں اور بازار کے چوراہوں پر پارک لگائے جا رہے ہیں۔ نیز عیسائی امیروں کے پرانے مکانات منہدم کر کے عالیشان مکانات تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ بربری کاریگر آگئے تھے وہ تعمیر کر رہے تھے اور وہ عیسائی قیدی جو جنگ میں گرفتار ہوئے تھے۔ اینٹیں پتھر اور مصالحہ ڈھورہ تھے۔ یہ وہ عیسائی قیدی تھے۔ جن کے پاس سسلی کے قدیم باشندے غلام تھے۔ اور وہ ان بیکس اور مظلوم غلاموں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام لیتے تھے۔ اگر وہ ذرا بھی سستی کرتے تھے تو ان کے کوڑے مارتے تھے۔ مسلمانوں نے ان مظلوم قیدیوں کو آزاد کر دیا تھا۔ وہ عرصہ ۱۰۰ جانوروں کی سی زندگی بسر کرتے رہے تھے، مسلمانوں کے آنے سے انسانوں کی صف میں شامل ہوئے تھے۔ وہ مسلمانوں کے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ بن گئے تھے۔ مسلمانوں نے ان میں سے سنجیدہ اور عمر رسیدہ لوگوں کو ان عیسائیوں قیدیوں پر جو کبھی ان کے آقا تھے۔ جو تعمیر میں مزدوروں کا کام کر رہے تھے ان کا نگران مقرر

کروا تھا۔ اور ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ ان سے کام لیں مگر انتقام نہ لیں۔

یہ خدا کی شان ہے کہ غلام آقا اور آقا غلام بن گئے تھے۔ یہ غلام سینکڑوں برس سے پتے اور تکلیفیں اٹھاتے چلے آرہے تھے انہیں یہ یقین ہی نہیں تھا کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ آزادی کی فضا میں سانس لے سکیں گے۔ جن تکلیفوں اور مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں ان سے چھٹکارا پاسکیں گے۔ لیکن خدا نے ان پر رحم کیا۔ ملک میں انقلاب آیا۔ وہ آزاد ہو گئے اور ان کے آقا غلام بن گئے۔ ان لوگوں نے ان بیرحم اور سفاک عیسائیوں سے انتقام نہیں لیا۔ جو ان پر بات بات پر کوڑے پھٹکا کرتے تھے۔ اور ان سے کام لیتے تھے۔ اور اگر وہ تھک جاتے تو وہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرتے مارتے نہیں تھے۔ بڑے بڑے عیسائی امیر جو کسی زمانہ میں دولت مند ہونے کی وجہ سے بڑے مغرور و متکبر تھے۔ مزدوروں کے زمرہ میں شامل تھے اور مزدوری کر رہے تھے۔ دن بھر کام کرتے تھے۔ تب دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتے تھے۔

انقلاب کہتے ہی اسے ہیں کہ امیر مفلس اور غریب امیر ہو جائیں۔ انقلاب سے تقدیریں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ اسی طرح مغرور دولت مند ذلیل ہوتے ہیں اور مفلس بیکس امیر بن جاتے ہیں۔

غرض ہلرموں کا چپہ چپہ نئے قالب میں ڈھل رہا تھا۔ ہاجرہ، صفیہ، جلیلہ دیکھتی چلی جا رہی تھیں۔ جب وہ امیر ابوالنہر کے قصر پر پہنچیں تو غلاموں کینروں نے ان کا استقبال کیا۔ جب وہ زنان خانے میں پہنچیں تو امیر کی بیگم عائشہ نے ان کا پر تپاک خیر مقدم کیا۔

عائشہ جوان العمر تھیں۔ خاصی حسین تھیں۔ شوخ بھی معلوم ہوتی تھیں انہوں نے اول ہاجرہ کو سلام کیا۔ ہاجرہ نے دعا دی۔ پھر وہ صفیہ سے لپٹ گئیں۔ بولیں مجھے تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔

صفیہ نے کہا۔ تم سے ملنے کا مجھے بھی بڑا اشتیاق تھا کئی مرتبہ آنے کا ارادہ کیا بھی لیکن اس لئے جھجکی کہ شاید تم مجھ سے ملنا پسند نہ کرو۔

باتیں کرتی ہوئی شہ نشین میں جا بیٹھیں۔ عائشہ نے کہا میں تم سے ملنا کیوں پسند نہ کرتی؟

صفیہ نے مسکرا کر کہا۔ اس لئے کہ ایک تو تم حسین ہو۔ معاف کرنا حسین ذرا مغرور ہوتے ہیں۔ عائشہ نے کہا اور تم تو کالی کلوٹی..... اور بھدے نقش و نگار والی

ہو۔ جلیلہ نے جلدی سے کہا۔ واہ میری امی جان تو کوری اور خوبصورت ہیں۔ عائشہ نے جلدی سے جلیلہ کو کھینچ کر گود میں بٹھاتے ہوئے کہا ارے پٹاخہ تجھے تو میں نے پیار ہی نہیں کیا۔

انہوں نے اسے پیار کیا۔ صفیہ نے جلیلہ سے کہا۔

”بیٹی یہ ہماری سیدہ ہیں۔ انہیں سلام کرو۔“

عائشہ :- غلط کہا تم نے میں تمہاری سیدہ نہیں ہوں۔ بہن ہوں (جلیلہ سے) بھی ہم تمہاری خالہ ہیں۔

جلیلہ نے شوخی سے کہا۔ تم خالہ ہو۔ جب تو میں سلام عرض کرتی ہوں۔ سب ہنس پڑیں۔ عائشہ نے اس کا منہ چوم کر کہا۔ خالہ نہ ہوتی تو تم سلام نہ کرتیں۔

جلیلہ :- ”سیدہ کو اس طرح سلام نہیں کرتے۔ کینزیریں امی جان کو سیدہ کہتی ہیں وہ بڑے ادب سے سلام کہتی ہیں۔“

عائشہ :- ”ماشاء اللہ! بڑی سمجھدار ہو۔“

عائشہ نے صفیہ سے مسکرا کر کہا۔ ایک وجہ تو تم نے نہ ملنے کی بیان کی۔ اور کس وجہ سے جھجک تھی۔

صفیہ :- ”دوسرے اس لئے کہ تم نائب السلطنت کی بیگم ہو۔ تیسرے تم پشتینی مسلمان ہو اور میں ابھی مسلمان ہوئی ہوں۔“

عائشہ :- سنو صفیہ ہم مغرور نہیں ہیں۔ خدا نے ہمیں اس لئے عزت نہیں دی ہے کہ ہم اور مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھنے لگیں۔ یہ بات خدا کو بری معلوم ہوتی ہے۔

عزت اور ذلت وہی دیتا ہے۔ آج اس نے ہمیں عزت دی ہے۔ اگر ہم مغرور ہو جائیں اس کی نافرمانی کرنے لگیں تو وہ ہمیں ذلیل بھی کر سکتا ہے۔ سچا مسلمان کبھی مغرور نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ ہم پشتینی مسلمان ہیں۔ یہ بات ہمارے لئے کچھ قابل فخر نہیں ہے ہم نے اپنے باپ دادا کو مسلمان پایا۔ اسلامی ماحول میں آنکھیں کھولیں

مسلمان رہے۔ قابل فخر وہ ہیں کہ جنہوں نے اسلام کی خوبیوں کو جانچا پرکھا۔ خدا کو پچانا اور مسلمان ہوئے وہ ہم سے بہتر ہیں۔

صفیہ :- تمہارے خیالات کتنے اچھے ہیں۔ اگر مجھے پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی تو عائشہ نے شوخی سے صفیہ کو دیکھ کر کہا۔ ”تو کیا کرتیں تم۔“

صفیہ :- ”تم سے روز ملا کرتی۔“

عائشہ :- ”اب ملا کرو گی۔“

صفیہ :- ”انشاء اللہ! مگر ایک درخواست ہے.....؟“

عائشہ :- ”ہمیں یہ لفظ پسند نہیں حکم کہو تو مناسب بھی ہے۔“

صفیہ :- ”یہ جرات کیسے ہو سکتی ہے۔“

عائشہ :- ”بہن، بہن کو حکم دے سکتی ہے۔“

صفیہ :- ”اس عزت افزائی کا شکریہ۔“

عائشہ :- ”کہو کیا حکم ہے۔“

صفیہ :- ”حکم نہیں، کہنا یہ ہے کہ تم بھی کسی روز غریب خانہ پر آکر ہماری عزت افزائی کرنا۔“

عائشہ :- ”یہ تکلفانہ الفاظ باقی ہی رہیں گے۔“ عائشہ یہ حفظ مراتب

صفیہ :- حفظ مراتب تومر تکلف ہمیں پسند نہیں۔ تم بلاؤ یا نہ بلاؤ۔ ہم ضرور آئیں گے۔

صفیہ نے مسکرا کر کہا شکریہ۔“

جمیلہ :- ”تو پکی ہو گئی بات۔“

سب ہنس پڑیں۔ عائشہ نے اس کی پیشانی چوم کر کہا۔ ”ہاں پکی ہو گئی۔“

جمیلہ :- ”امی جان گھر کو خوب سجانا۔“

پھر سب ہنس پڑیں۔ عائشہ نے کہا کیوں؟ گھر کیوں سجایا جائیگا۔“

جمیلہ :- ”تاکہ خالہ جان کے قابل ہو جائے۔“

ہاجرہ نے مسکرا کر کہا۔ ”بڑی باتونی ہے۔“

عائشہ :- ماشاء اللہ سمجھداری کی باتیں کرتی ہے خدا نے حسن کے ساتھ عقل و سمجھ

بھی خوب عطا کی ہے۔ پروردگار عالم عمر بھر میں برکت دے اس وقت اغلب آگئے۔

انہوں نے آتے ہی بڑے ادب سے ہاجرہ اور صفیہ کو سلام کیا۔ دونوں نے انہیں در

وی۔ صفیہ نے انہیں اپنے پاس بٹھالیا۔ عائشہ نے کہا ابوالفر نے تو جمیلہ کو دیکھا تھا۔

اس کی تعریف کی تھی۔ اور اغلب نے تمہیں سب کو دیکھا تھا۔ تمہاری سب کی

تعریف کی تھی۔

ہاجرہ :- ”کیوں نہ ہو۔ آخر کس ماں کے بیٹے ہیں۔“

اغلب :- ”امی جان! آپ نے انہیں کچھ کھلایا تو ہے ہی نہیں۔“

عائشہ :- ”بھی تم نے سچ کہا۔ ہمیں تو ان سے مل کر ایسی خوشی ہوئی کہ سب کچھ

بھول گئی۔ انہوں نے کینڑوں کو آواز دی۔ اغلب اٹھے اور چلے گئے۔ کینڑیں آئیں۔

عائشہ نے انہیں کچھ اشارہ کیا۔ وہ بھی چلی گئیں۔ اغلب ایک خوان لائے۔ اس میں

پھل اور میوہ تھا۔ انہوں نے جمیلہ کے سامنے رکھ دیا۔ عائشہ نے مسکرا کر کہا بھئی

بہت خوب کیا تم نے بچے بچوں کی تواضع کریں اور بڑے بڑوں کی..... کھاؤ جمیلہ۔“

جمیلہ نے معصوم نگاہوں سے اول اغلب کو پھر عائشہ کو دیکھا۔ اس کے بعد صفیہ کی

طرف دیکھا۔

عائشہ نے کہا ”اجازت دیدونا۔ انہیں کھانے کی۔“

صفیہ :- ”جمیلہ کھاؤ۔“

جمیلہ :- ”کیا اکیلی کھاؤں میں۔“

عائشہ :- ”کیسی اچھی تربیت پائی ہے تم نے۔ عام طور پر بچے کھانے کی حیرت

دیکھ کر کچھ بیتاب سے ہو جاتے ہیں اور ان چیزوں کی طرف لپکنے لگتے ہیں۔ مگر تم

..... تم نے ان کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔“

اغلب سے بیٹا تم ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔

اغلب :- ”میں“ جمیلہ نے جلدی سے کہا۔ ”یہ شرماتے ہیں۔“

اس پر سب نے قہقہہ لگایا۔ اغلب کچھ بھینپ گئے۔ صفیہ نے اسے گھور کر

دیکھا۔ ہاجرہ نے مسکرا کر کہا۔ آخر تو اتنی شوخ کیوں ہے۔“

عائشہ نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں شوخ بچے پسند ہیں۔“

صفیہ نے تیکھی چٹون سے ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تم خود بھی

شوخ ہونا۔

عائشہ :- ”ہمیں اس کا اعتراف ہے مگر تم۔“

صفیہ :- ”میں شروع ہی سے شوخ نہیں تھی۔“

عائشہ :- ”سچ کہہ رہی ہو یہ جمیلہ میں شوخی کہاں سے آئی۔“

صفیہ :- ”یہ تو اس قدر شوخ ہے کہ توبہ ہی بھلی۔“

جمیلہ :- ”کئے جاؤ برائیاں۔“

دادی کہا کرتی تھیں کہ تو بڑی ضدن اور فلسفی تھی۔ کبھی ہار نہ مانتی تھی۔“
عائشہ :- پھر جمیلہ ہی کیوں ہار مان لے۔ دراصل بات یہ ہے کہ بچوں کو نئی نئی باتیں معلوم کرنے اور ہر بات کو سمجھنے کا شوق ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بات میں بات نکالتے ہیں۔“

صفیہ نے اغلب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اغلب چینی کی گڑیا جمیلہ کو دیکھ رہے تھے۔ جمیلہ بھی کبھی کبھی انہیں غلط انداز نظر سے دیکھ لیتی تھی۔

یہ سب ہاجرہ کے پاس پہنچے۔ عائشہ اور اغلب نے ہاجرہ کو سلام کیا۔ انہوں نے دعا دی۔ وہ سب ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ جمیلہ طرارہ بھر کر دوڑتی ہوئی گئی۔ اور ایک بڑی قاب میں میوے رکھ کر لائی۔ اور اغلب کے سامنے رکھ کر کہا کھائیے۔ صفیہ نے مسکرا کر کہا لیجئے۔ شروع ہو گئی خاطر۔

عائشہ :- ”یہ بدل ہے۔ اغلب نے جمیلہ کی خاطر کی تھی۔ جمیلہ نے اغلب کی تواضع کر کے بدل کر دیا۔ (اغلب سے) کھاؤ بیٹا۔“

جمیلہ نے شوخی سے کہا۔ کھا چکے، یہ تو شرما جائیں گے۔“
اس پر سب نے قہقہہ لگایا۔ اغلب کچھ ہنسنے پر مسکرائے۔ عائشہ نے کہا۔ کھاؤ بیٹا، نہیں تو یہ شریر جمیلہ خدا جانے تمہیں کیا کیا کہہ ڈالے گی۔“

اغلب نے کہا۔ میں شرما تا نہیں ہوں۔ مگر تنہا کھانا تو اچھا نہیں ہے۔“
عائشہ :- ٹھیک کہتے ہو۔ جمیلہ نے جلدی سے کہا۔ میں کھاؤنگی تمہارے ساتھ۔ عائشہ نے مسکرا کر کہا۔ لو ہو گیا فیصلہ؟ اور جمیلہ و اغلب کھانے لگے۔ عائشہ نے ہاجرہ سے کہا۔ کیا صفیہ اپنے وطن جانے والی ہیں۔

ہاجرہ :- جی ہاں انہیں اپنا وطن دیکھنے کی بڑی تمنا ہے۔

عائشہ نے صفیہ سے پوچھا۔ کہیں وطن میں ہی رہ جانے کا ارادہ ہے کیا؟
صفیہ نے جواب دیا نہیں، میں تو بھائی جان (زیاد) کے ساتھ جاؤں گی۔ اور ان کے ساتھ ہی واپس آ جاؤں گی۔

عائشہ :- ”خدا کا شکر ہے۔ آج میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں۔“

صفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا اچھا..... بہن سے درخواست.....؟“

عائشہ :- یہ برائیاں نہیں ہیں۔ پھر اغلب اور جمیلہ پھل کھانے لگے کینز کئی خوان میں کھانا، پھل اور میوہ لے آئیں۔ ان کے ہاتھ دھلائے گئے اور سب نے کھانا شروع کیا۔

کچھ دنوں کے بعد ہاجرہ نے عائشہ کو دعوت دی۔ جب عائشہ ہاجرہ کے گھر پہنچیں تو سب سے پہلے جمیلہ دروازہ پر ملی اور بڑی شوخی سے بولی خالہ آپ آگئیں۔

”مگر انہوں نے گھر سجایا ہی نہیں۔“

عائشہ :- ”مگر ہم مہمان نہیں ہیں۔“

جمیلہ :- ”اچھا..... مگر مہمان کسے کہتے ہیں۔“

عائشہ :- ”جو جان پہچان میں سے آجائے۔ یا دور کا رشتہ دار ہو۔ اسے مہمان کہتے ہیں۔“

جمیلہ :- ”اور تم.....؟“

عائشہ :- ”بھول گئیں۔ ہم تو تمہاری خالہ ہیں۔“

جمیلہ :- ”خالہ دور کی رشتہ دار نہیں ہوتیں۔“

صفیہ :- ”اب دیئے جاؤ جواب..... یہ تو بات میں بات نکالتی رہیگی۔“

عائشہ :- ”ماشاء اللہ ذہن رسا پایا ہے۔“

صفیہ نے جمیلہ سے کہا۔ اب یہیں کھڑی رکھ لی جائے گی انہیں۔“

جمیلہ نے عائشہ کی انگلی پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ نہیں جی، آؤ خالہ جان کرے کے اندر۔ عائشہ نے چلتے چلتے کہا۔ بھی تم نے اغلب کو تو پوچھا ہی نہیں۔“ جمیلہ نے معصوم نگاہوں سے اول اغلب کو دیکھا۔ پھر صفیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں امی جان! تم نے اغلب کو تو پوچھا ہی نہیں۔“

عائشہ اور صفیہ دونوں ہنس پڑیں۔ عائشہ نے کہا۔ ”تم پوچھو۔“

جمیلہ :- مگر وہ مہمان تھوڑا ہی ہیں۔ مہمانوں کو پوچھا کرتے ہیں۔“

صفیہ نے عائشہ سے کہا۔ اب دو جواب۔ یہ ہار ماننے والی ہے۔“

عائشہ نے مسکرا کر کہا۔ بالکل نہیں۔ آخر بیٹی کس ماں کی ہے۔ تم ہار ماننا ہو گی؟“

صفیہ :- ”سچ یہ ہے میں نے بھی کبھی ہار نہیں مانی۔ جب میں بڑی تو میری ماں اور

عائشہ :- بعض خاص معاملات میں درخواست کرنی ہی پڑتی ہے۔ میرا معاملہ بھی خاص ہے۔“

صفیہ :- ”درخواست نہیں حکم دیجئے۔“

عائشہ :- ”پھر وہی‘ اس وقت میں محض عائشہ اور تمہاری بہن ہی بکر آئی ہوں۔“

صفیہ :- ”سر آنکھوں پر۔ اچھا کہئے کیا بات ہے.....؟“

عائشہ :- ”میں جانتی ہوں کہ مجھے ایک دم ایسی بات نہیں کہنی چاہئے لیکن تم اپنے وطن جارہی ہو۔ نہ معلوم کب واپس آؤ۔ اس لئے کہتی ہوں۔ اور مجھے یقین ہے۔ تم میری اس جسارت کو معاف کر دو گی۔“

صفیہ :- ”یا اللہ! آخر یہ کس بات کی اتنی تمہید ہے۔“

عائشہ :- بات ہی ایسی ہے۔

صفیہ :- ”تو جلدی کہہ ڈالئے۔ مجھے خلجان ہو رہا ہے۔“

عائشہ :- ”بات یہ ہے بہن! اغلب کو اپنی فرزندگی میں لے لو۔“

صفیہ کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی خاتون نائب السلطنت کی بیوی جمیلہ کے لئے پیغام دینگے۔ اس جمیلہ کے لئے جو ایک عیسائی باپ کی بیٹی اور اس عیسائی ماں کی دختر ہے جو تھوڑے ہی عرصہ سے مسلمان ہوئی ہے۔ وہ سکتے کے عالم میں بیٹھی رہ گئی۔ عائشہ نے کہا۔ کیا میری بات ناگوار گزری ہے۔

نہیں۔۔۔ مجھے حیرت نے خاموش کر دیا ہے۔ کہاں تم کہاں میں۔“

عائشہ :- ”حیرت نہ کرو۔ میں جواب چاہتی ہوں۔“

صفیہ :- ”اماں (ہاجرہ) اور بھائی جان (زیاد) کو اس کا اختیار ہے۔“

عائشہ :- ”میں جانتی تھی تم یہی جواب دو گی۔ (ہاجرہ سے) میں اماں جان آپ سے درخواست کرتی ہوں۔“

ہاجرہ :- ”تم نے امیر ابوالنضر سے دریافت کر لیا ہے.....؟“

عائشہ :- ”جی ہاں۔ ان کی ہی اجازت سے آئی ہوں۔“

ہاجرہ :- ”مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ میں زیادہ کو بھی رضامند کر لوں گی۔“

عائشہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ انہوں نے کہا۔ بہت بہت شکریہ!“

عائشہ نے اس خوشی میں موتیوں کی ایک مالا جمیلہ کی گردن میں ڈال دی۔ اور اس کی پیشانی چوم لی۔ اس طرح منگنی کی رسم ادا ہو گئی۔ خاتون خاموش ہو گئیں۔

(۴۱)

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔

اسی روز جب عائشہ رخصت ہو گئیں۔ اور زیادہ آئے تو ہاجرہ نے ان سے کہا کہ عائشہ نے اغلب کے لئے پیام دیا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے۔“

زیادہ نے کہا، مگر ہمیں جمیلہ پر کیا اختیار ہے۔ اس کی ماں سے پوچھنا چاہئے۔

ہاجرہ :- ”وہ اس معاملے کو تم پر چھوڑتی ہے۔“

زیادہ :- یہ ان کی شرافت ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ خود صفیہ کی شادی ہو جاتی۔

ابھی وہ جوان ہیں اور ان کی خواستگاری کئی مرد مسلمان کر رہے ہیں۔“

ہاجرہ :- ”میں نے کئی مرتبہ اس ذکر کو چھیڑا تھا۔ وہ اس کے لئے تیار نہیں ہے۔“

زیادہ :- ”تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ اسلام عقد ثانی کی اجازت دیتا ہے۔“

ہاجرہ :- ”سب کچھ بتا دیا تھا۔ اب جمیلہ کے متعلق کہو۔“

زیادہ :- ”وہ رضامند ہیں۔“

ہاجرہ :- ”اگر تم رضامند ہو تو وہ بھی ہیں۔“

زیادہ :- لڑکا اچھا ہے۔ اگر وہ راضی ہو جائیں تو رشتہ مناسب ہی رہیگا۔“

ہاجرہ :- تو سنو، میں نے تمہاری رضامندی کی ذمہ داری لے لی تھی۔ آج منگنی کی رسم ادا ہو گئی ہے۔“

زیادہ :- ”اچھا ہوا ہمیں کوچ کا حکم ہو گیا ہے۔ کل صبح کی نماز پڑھ کر روانہ ہو جانا ہے۔“

ہاجرہ :- ”ہم سب بھی تیار ہیں۔ ہم صفیہ کو بتا دیں۔“

زیادہ:- ”بتا دیجئے۔“ اور ہاجرہ نے صفیہ کے پاس جا کر کہا۔ ہم نے منگنی کا ذکر زیادہ سے کر دیا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اب صبح طیرمین کی طرف کوچ ہوگا۔“ صفیہ کا چہرہ شکفتہ ہو گیا۔ جمیلہ بھی وہاں آگئی۔ صفیہ نے اس سے کہا۔ جمیلہ تم روز پوچھا کرتی تھیں کب طیرمین چلو گی۔ آج حکم ہو گیا ہے۔ اب صبح چلیں گے۔ جمیلہ خوشی سے ناچنے لگی۔ ان سب نے اسی وقت سے تیاری شروع کر دی اور اگلے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی لشکر کی روانگی شروع ہو گئی۔ زیادہ بھی مکان پر آکر مسلح ہوئے۔ محل آگئے۔ ان میں ہاجرہ، صفیہ، جمیلہ اور کنیزیں سوار ہوئیں۔ محل چلے۔ اور شہر سے باہر آکر لشکر کے درمیان پہنچا دیئے گئے۔ زیادہ بھی ان کے پاس ہی آگئے۔ اور پھر لشکر نے طیرمین کی طرف کوچ کر دیا۔ چونکہ طیرمین عیسائی علاقہ میں واقع تھا۔ اس لئے اس طرف کے عیسائیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں مسلمانوں کے خوف سے ویران ہو گئیں۔ ان بستیوں کے مرد و زن بڑے شہروں میں پہنچ گئے۔ زیادہ نے مجاہدین اسلام کو ہدایت کی کہ وہ زراعت اور باغوں کو ہرگز نقصان نہ پہنچائیں۔ مسلمانوں نے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔ وہ ٹاور مینیا (طیرمین) کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عیسائی بات کو سمجھ گئے تھے کہ مسلمانوں کا ارادہ طیرمین پر حملہ کرنے کا ہے۔ چونکہ یہ ایسا مقام تھا جس سے اس تمام علاقہ پر اثر پڑتا تھا۔ اس لئے عیسائیوں نے اسے بچانے کا پورا پورا بندوبست کر لیا۔ ٹاور مینا میں اگرچہ کافی فوج تھی۔ کافی سامان جنگ تھا اور کافی غلبہ تھا۔ لیکن انہوں نے پھر بھی سرقوسہ کے گورنر کو مدد کے لئے لکھا تھا۔ ٹاور مینا میں اس وقت جو حاکم تھا۔ وہ تھیوڈولس کا دور کا رشتہ دار تھا۔ بڑا بہادر و تجربہ کار افسر تھا۔ کئی معرکوں میں نام پیدا کر چکا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ بحری و براکوں کو شکست دی تھی۔ لیکن اسے مسلمانوں سے لڑنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ان کا مقابلہ کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ وہ بڑا مستعد آدمی تھا۔ اس نے رات بھر شر کا گشت لگانا شروع کر دیا۔ ادھر مسلمانوں کے قریب سے قریب آنے کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ عیسائیوں میں اس بڑا ہراس پھیلا ہوا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمان جس قلعہ پر حملہ کرتے ہیں جب تک اسے فتح نہیں کر لیتے اس وقت تک وہاں سے نہیں ہٹتے۔ لیکن طیرمین کا حکم مسلمان تھا۔ اسے خوف نہ تھا۔ اس کا نام ایراثاس تھا۔ وہ خوب جانتا تھا

کہ طیرمین کی فصیل نہایت مضبوط ہے، لشکر کافی ہے۔ نیز مسلمان جو آرہے ہیں وہ تھوڑے ہیں۔ اس لئے اسے اطمینان تھا۔ آخر کار مسلمان شہر کے سامنے پہنچ گئے۔ ان کے آنے سے عیسائیوں کا خوف اور بڑھ گیا۔ لیکن ایراثاس نے سب کو تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ مسلمان بہت ہی کم ہیں۔ ہمارے پاس لشکر زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ سرقوسہ سے اور مدد بھی آنے والی ہے۔ ہم مسلمانوں کو شکست دے کر بھاگ دیں گے۔“

مسلمانوں نے فصیل کا معائنہ کیا۔ شہر کے گرد پھرے۔ انہیں کسی طرف کی فصیل کمزور نظر نہیں آئی۔ ہر طرف عیسائی لشکر پھیلا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اس شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ جتنے راستے تھے سب پر زبردست پہرہ بٹھا دیا۔ اس سے طیرمین کے عیسائیوں کا تمام جزیرے سے قطع تعلق ہو گیا۔

کئی مہینے تک مسلمان محاصرہ کئے پڑے رہے وہ چاہتے تھے کہ عیسائی قلعہ سے باہر نکل کر ان پر حملہ کر دیں لیکن عیسائیوں کو یہ جرات نہیں ہوئی۔ مسلمانوں نے چند مرتبہ شہر پر دھاوا کیا۔ لیکن عیسائیوں نے فصیل تک نہ پہنچنے دیا۔ پتھروں اور تیروں کی بارش کر کے انہیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیتے۔ زیادہ نے کئی تدبیریں کیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ نہ تو عیسائی قلعہ سے باہر نکلے اور نہ وہ فصیل تک پہنچ سکے۔ وہ خاموشی سے محاصرہ کئے پڑے رہے جب محاصرہ نے طول کھینچا تو ایک روز صفیہ نے زیادہ سے کہا۔ کیا بات ہے کہ تم طیرمین کو اب تک فتح نہیں کر سکے۔.....؟“

زیادہ نے کہا۔ عیسائی قلعہ سے باہر نہیں نکلتے۔ اور اگر ہم حملہ کرتے ہیں تو ہمیں فصیل تک جانے نہیں دیتے بڑی پر زور مدافعت کرتے ہیں۔

صفیہ:- ”پھر کیا سوچا ہے تم نے؟“

زیادہ:- ”یہی کہ ہم محاصرہ کئے رہیں۔ جب ان کے پاس رسد نہ رہے گی تو وہ اطاعت اختیار کر لیں گے۔“

صفیہ:- ”اس بھروسہ میں نہ رہنا۔“

زیادہ:- ”کیوں.....؟“

صفیہ:- ”اس لئے کہ ان کے پاس باہر سے رسد پہنچتی رہے گی۔“

دشوار گزار تھیں ان کی شاخیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں تھیں۔ صفیہ شاخوں کو ہٹاتی گھستی چلی گئی زیاد نے کہا۔ تم مجھے آگے بڑھنے دو میں شاخیں ہٹاؤں گا۔

صفیہ :- ”تم راستہ نہ نکال سکو گے اگر ذرا بھی ادھر ادھر ہو گئے تو تمام رات جھاڑیوں کی بھول بھلیوں میں گھومتے پھرو گے۔“

وہ بڑھتے رہے تقریباً ”ایک گھنٹہ چل کر وہ ایک ایسے راستے پر نکلے جس کے دونوں طرف اونچی اونچی ڈھانگلیں تھیں۔ اب وہ اس راستے پر چلتے رہے۔ یہ راستہ شہر کی طرف گیا تھا۔ جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے دور سے چند سپاہیوں کو دیکھا وہ زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ چاندنی میں صاف نظر آرہے تھے۔ صفیہ نے کہا اس طرف پہرہ ضرور ہے۔ مگر معمولی ہے۔ عیسائیوں کو اطمینان ہے کہ اس طرف سے مسلمان نہیں آسکتے۔

زیاد :- تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آؤ واپس چلیں۔ انشاء اللہ ہم اس راستے سے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ تمہارا بہت بہت شکریہ!“

صفیہ :- شکریہ کی ضرورت نہیں۔ میں بھی اسلام اور اسلامی حکومت کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔“ اب یہ دونوں واپس لوٹے۔ خاتون اس قدر بیان کر کے پھر خاموش ہو گئیں۔

(۴۲)

خاتون واقعات بیان کر رہی تھیں اور نوجوان افسر غور سے سن رہے تھے۔ ابھی تک بارش ہو رہی تھی۔ بوندیں چشمہ میں زور شور سے پڑ رہی تھیں۔ ہالے بن بن کر بگڑ رہے تھے۔ افسر نے کہا۔ بارش کا زور ابھی تک نہیں گھٹا ہے۔ خاتون نے کہا۔ نہ ابھی گھٹے گا۔ اس نواح میں جب بارش ہوتی ہے تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان میں کوئی سمندر ہو۔ اور اس کی کھڑکیاں کھل گئیں ہیں۔ یہاں چٹانوں سے گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے بارش کا زور معلوم نہیں ہوتا۔ اگر باہر نکل کر دیکھو تو معلوم ہو کہ بارش کا طوفان آیا ہوا ہے۔ میں عرصہ سے یہاں رہتی ہوں اور بارش کا زور دیکھتی ہوں۔ اکثر بڑے بڑے پتھر اور موٹی موٹی چٹانیں اپنی جگہ سے پھسل جاتی ہیں۔“

افسر :- ”خفلی بڑھتی جاتی ہے۔“

زیاد :- ”شاید تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ہم نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی ہے۔“

صفیہ :- ”میرا خیال ہے کہ ایک راستہ کھلا ہوا ہے۔“

زیاد :- ”ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمام راستوں پر ہمارا قبضہ ہے۔“

صفیہ :- ممکن ہے۔ لیکن ایک راستہ عام نہیں ہے۔ آج رات میرے ساتھ چلنا۔ زیاد رات کا انتظار کرنے لگے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر وہ صفیہ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا تم تیار ہو۔“

صفیہ :- ”ہاں تیار ہوں۔“ زیاد نے ہنس کر کہا۔ یہ کیا تیاری ہے تم تو عرب خاتون بنی ہوئی ہو۔“ جب سے صفیہ مسلمان ہوئی تھی اس وقت سے عرب خاتونوں کا سالباس پہننے لگی تھی۔ یہ لباس اس پر بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ اور کیا بن جاؤں۔“

زیاد :- ”ایک خوبصورت لڑکا بن جاؤ۔“

صفیہ :- ”لاؤ لباس“ اور زیاد نے ایک نوجوان مرد کا لباس لا دیا وہ اس لباس کو پہن کر ایک خوبصورت عرب بن گئی۔ زیاد نے کہا۔ یہ لباس بھی تم پر پھوٹ نکلا ہے۔ صفیہ مسکرائے لگی۔ وہ دونوں وہاں سے چلے اور فروگاہ کے آخری کنارے پر پہنچے۔ چاند تیر رہا تھا اور دودھیا چاندنی چمک رہی تھی۔ ہر چیز چاندنی میں نہا رہی تھی۔ بڑا خوشنما منظر تھا۔ صفیہ زیاد کو لیکر شمال کی طرف بڑھی۔ اس نے کہا میں جانتی تھی تم نے وہ راستہ نہیں دیکھا۔“

زیاد :- ”مگر تم شہر کی طرف کہاں چل رہی ہو۔“

صفیہ :- ”ابھی ہمیں دور تک چلنا ہوگا۔“ زیاد اس کے ساتھ چلتے رہے جوں جوں یہ آگے بڑھتے جاتے تھے سطح زمین اونچی ہوتی جاتی تھی۔ ایک جگہ پہونچکر صفیہ رک گئی۔ اس نے کہا یہاں پر ایک نالہ ہے۔ اسے تلاش کرو۔ دونوں تلاش کرنے لگے۔ ایک جگہ جھاڑیوں کے جھنڈ تھے۔ صفیہ نے خوش ہو کر کہا۔ بس اب نالہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں راستہ مل گیا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ زیاد صفیہ کے ساتھ چلے۔ وہ بیدھڑک جھاڑیوں میں گھس گئی۔ پھر زیاد بھی گھس گئے۔ جھاڑیاں بڑی تنگ اور

خاتون :- ہاں رات تک کافی سردی ہو جائے گی۔ اگر ٹھنڈ معلوم ہونے لگی ہو تو کچھ اوڑھنے کو لاؤں۔“

افسر :- نہیں۔ ابھی ایسی سردی نہیں ہوئی ہے۔ تم داستان شروع کرو۔

خاتون نے بیان کیا :- زیاد اور صفیہ جس راستے سے گئے تھے اسی سے واپس آگئے۔ صفیہ پر مردانہ لباس ایسا پھب رہا تھا کہ اسے پیار کرنے کو جی چاہتا تھا۔ وہ نوجوان اور حسین تھی۔ ہر لباس اس پر زیب دیتا تھا۔ زیاد کو بھی اچھا معلوم ہوا۔ لیکن انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ صفیہ واپس آکر اپنے خیمہ میں چلی گئی اور زیاد اپنی قیام گاہ پر آکر آرام کرنے لگے۔ صبح کی نماز پڑھ کر انہوں نے ایک ہزار مجاہدین منتخب کئے۔ اور انہیں اس طرف پھیلا دیا۔ جس طرف وہ رات گئے تھے۔ چونکہ اسلامی لشکر میں روزانہ نقل و حرکت ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے قلعہ والوں نے کچھ نہ سمجھا۔ جب رات ہو گئی اور مسلمان کھانا کھا کر فارغ ہو گئے تب زیاد مسلح ہوئے۔ ان کے خیمہ کے قریب ہی صفیہ اور ہاجرہ کے خیمے تھے۔ اور ان دونوں خیموں کے اس طرف ان خواتین کے خیمے تھے جو کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ آئی تھیں۔

چاند نکل آیا تھا اور چاندنی پھیل گئی تھی۔ ہر چیز چاندنی میں نما کر خوشنما بن گئی تھی۔ اس وقت جمیلہ دوڑتی ہوئی آئی۔ اور زیاد سے بولی۔ کہاں جا رہے ہو ماموں جان! آج تو میں نے پکڑ لیا۔ تم روز چاندنی میں سیر کرنے جاتے ہو۔ زیاد :- ”نہیں بیٹی! ہم قلعہ میں جا رہے ہیں۔“

جمیلہ :- ”مجھے بھی لے چلو۔“

زیاد :- ”ابھی تو ہمیں لڑنا پڑے گا۔“

جمیلہ :- ”میں بھی لڑوں گی۔“

زیاد :- ”شاباش! مسلمان بچوں کی یہی جذبات ہونے چاہئیں۔“

اس وقت صفیہ آگئی۔ اس نے کہا۔ ”کیا جا رہے ہو۔“

زیاد :- ”ہاں۔“

صفیہ :- ”عشاء کی نماز سے پہلے ہی۔“

زیاد :- جھاڑیوں کے پاس نماز ادا کر لیں گے۔

صفیہ :- میں بھی چلتی۔ مگر جمیلہ.....“

جمیلہ نے جلدی سے کہا میں بھی چلوں گی۔“

زیاد :- تم دونوں آرام کرو۔ اگر ہو سکے تو فتح کی دعا کرنا۔

صفیہ :- خداوند عالم تمہیں فتح یاب کرے۔

وہ جمیلہ کو لیکر چلی گئی۔ زیاد ایک ہزار مجاہدین کے پاس آئے اور انہیں ساتھ لے کر جھاڑیوں کی طرف چلے۔ وہاں پہونچکر انہوں نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ فتح کی دعا مانگی اور پھر جھاڑیوں میں گھس گئے۔

چند سپاہی تلواروں سے جھاڑیاں صاف کرتے اور راستہ بناتے آگے چلے۔ کچھ رات گئے وہ اونچی ڈھانگوں والے راستے پر پہونچے۔ چار چار کی قطار میں سب چلنے لگے۔ چونکہ راستہ کے دونوں طرف ڈھانگیں پہاڑ کی طرح اونچی تھیں۔ اس لئے وہاں چاندنی ابھی نہیں پھیلی تھی۔ اجالا ضرور تھا مگر ایسا نہیں کہ دور سے لوگ نظر آجائیں۔ یہ خاموشی آہستگی اور احتیاط کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ جب قلعہ قریب آگیا تو زیاد نے اس دستہ کو وہیں روک دیا۔ اور اس میں سے دس آدمیوں کو لے کر کنارہ سے لگے چلے۔ وہ عیسائی پیریداروں کے بالکل نزدیک پہونچ گئے۔ اس دروازہ پر پچیس آدمیوں کا پہرہ رہتا تھا۔ چونکہ عیسائیوں کو یہ اطمینان تھا کہ مسلمانوں کو اس راستہ کا پتہ نہ چلے گا۔ اس لئے اس طرف حفاظت کا کچھ زیادہ انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ جو پچیس آدمی پہرہ پر رہتے تھے۔ وہ بھی مستعدی کے ساتھ پہرہ نہ دیتے تھے۔ اگرچہ ابھی کچھ زیادہ رات نہیں آئی تھی مگر وہ سو گئے تھے۔ زیاد اور ان کے دس ساتھی کچھ دیر کھڑے رہ کر آہٹ لیتے رہے۔ پھر جب ان کو یقین ہو گیا کہ وہ سو رہے ہیں تو وہ بڑی آہستگی کے ساتھ بڑھے۔ اور ان کے سروں پر پہونچکر تلواریں میانوں سے کھینچ کر ایک دم حملہ آور ہوئے۔ دس آدمیوں کو تو انہوں نے پہلے ہی مار ڈالا پندرہ آدمی ہربڑا کر اٹھے۔ مسلمانوں کو دیکھتے ہی ان کے ہوش جاتے رہے اور مسلمانوں نے ان کی حیرت سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے جلدی جلدی وار کر کے دس کو اور مار ڈالا۔ پانچ جو باقی رہ گئے تھے۔ انہوں نے بھاگنے کا قصد کیا۔ پانچ مسلمان ان پر بھی جا ٹوٹے۔ اور انہوں نے ان کا بھی خاتمہ کر دیا۔ زیاد نے بڑھکر دیکھا اس طرف ایک چھوٹا دروازہ تھا۔ وہ اندر کی طرف سے بند تھا۔ وہ لوٹ آئے اور دستہ کو ساتھ لیکر دروازہ پر پہونچے۔ انہوں نے تلوار کے دستہ سے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ کچھ دیر کے بعد کسی نے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولا۔ مسلمان اس کی بات نہیں سمجھے۔ جو نئی دروازہ کھلا زیاد مع چند مسلمانوں کے اس میں گھس گئے جس شخص نے

دروازہ کھولا۔ وہ مسلمانوں کو دیکھتے ہی مبہوت رہ گیا۔ ایک مرد مسلمان نے تلوار سے اس کی تواضع کی۔ اس کا سر کٹ کر دور جاگرا۔ زیاد نے دیکھا دروازہ کے قریب ہی بہت سے عیسائی سو رہے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو قتل کرنے کا اشارہ کیا۔ مسلمان ان پر ٹوٹ پڑے اور جلدی جلدی انہیں قتل کرنے لگے۔ کئی عیسائیوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ مسلمانوں کو دیکھتے ہی ان پر خوف کا غلبہ ہو گیا۔ وہ کانپنے لگے۔ مسلمانوں نے انہیں بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اس طرف باہر کے پیرداروں کے علاوہ مسلمانوں نے ڈیڑھ سو عیسائیوں کو اور مار ڈالا۔ نیز اس طرف پانچ سو عیسائی سپاہی تھے۔ اب وہ جاگ گئے اور انہوں نے مسلمان آگئے، مسلمان آگئے کا شور کیا۔ یہ آواز تمام قلعہ میں گونج گئی۔ عیسائی اٹھ اٹھ کر جلدی جلدی مسلح ہونے لگے۔

زیاد نے دروازہ کا رخ کیا۔ جو عیسائی ان کے سر راہ ہوئے انہوں نے بیدریغ انہیں قتل کر ڈالا یا بھگا دیا۔ دو مسلمانوں نے دوڑ کر پھانک کھول دیا اور قلعہ سے نکل کر اسلامی لشکر کی طرف دوڑے تاکہ تمام لشکر کو چڑھا لائیں۔ لیکن اس عرصہ میں عیسائیوں نے مل کر زیاد اور ان کے ہمراہیوں پر سختی سے حملہ کر دیا۔ مسلمان ان کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ نہایت ہی گھسان کی لڑائی ہونے لگی۔ تنوں سے سر کٹ کر اچھلنے لگے۔ خون کی بارش ہونے لگی۔ چاندنی رات میں خوفناک تلواریں اٹھ اٹھ کر جانبازوں کے سراڑانے لگیں۔

عیسائیوں نے اس قدر شور مچایا کہ مرد اور عورتوں کے علاوہ بچے بھی اٹھ گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمان قلعہ کے اندر آگئے ہیں تو خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔ ان کو گھروں سے باہر نکلنے کی بھی جرات نہ ہوئی۔ پادری بھی اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے گرجاؤں میں جا کر زور زور سے گھنٹے بجانے شروع کر دیئے تھے گویا وہ خداوند کو اطلاع دے رہے تھے کہ عیسائیوں پر نازک وقت آگیا ہے مدد کریں۔ متبرک چیزیں گرجاؤں کے دروازوں پر لٹکا دی گئیں اس خیال سے کہ ان کی برکت سے ہی مسلمان ڈر کر بھاگ جائیں۔ لیکن مسلمان ایسی بلائے بے درماں تھے کہ کسی چیز سے بھی نہیں ڈرے اور بڑے زور و شور سے قتال کرتے رہے۔ بے شمار عیسائیوں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا اور چاروں طرف سے ان پر تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ لیکن مسلمان بڑے استقلال اور بڑی جرات سے لڑنے لگے وہ بھی شہید ہو رہے تھے اور عیسائیوں کو بھی قتل کر رہے تھے۔ جبکہ ہنگامہ دارو گیر بلند تھا اور فریقین زور و شور

سے لڑ رہے تھے اس وقت اللہ اکبر کے پر شور نعرے کی آواز آئی۔ اسلامی لشکر آگیا تھا۔ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہوئے اور عیسائیوں پر حملے کرنے لگے۔ یا تو عیسائیوں نے زیاد اور ان کے ہمراہیوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا یا اب تازہ دم مسلمانوں نے آکر ان کے گرد گھیرا ڈال لیا اور بڑی ہی پھرتی سے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا۔ وہ دوڑ دوڑ کر قلعہ کے اندر آ رہے تھے اور آتے ہی تیزی سے حملے شروع کر دیتے تھے۔ انہوں نے بے شمار عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ اب عیسائی یہ سمجھ گئے کہ اگر جنگ جاری رہی تو مسلمان ایک عیسائی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور امان امان چلانے لگے۔ زیاد نے اعلان کر دیا کہ اب کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ عیسائی سپاہیوں کو گرفتار کر لیا جائے نیز جو لوگ گھروں میں بند ہیں۔ ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ پادریوں کو کچھ نہ کہا جائے۔ گرجاؤں میں کوئی مسلمان داخل نہ ہو۔

مسلمانوں نے ان احکام پر پوری پوری تعمیل کی۔ اس طرح ٹاور مینا یعنی (طیرمین) پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

(۴۳)

طیرمین پر قبضہ ہو جانے سے اس نواح کے عیسائیوں پر ان کا ایسا رعب و خوف طاری ہوا کہ وہ سہم گئے اور ہر وقت خوفزدہ رہنے لگے زیاد نے نواحی بستیوں پر کوئی ناخست نہیں کی۔ کیونکہ انہیں یہ خیال تھا کہ مینا سرقوسہ سے ضرور عیسائی فوجیں آئیں گی۔ اس لئے وہ طیرمین کا بندوبست کرنے لگے اب وہ یہ چاہتے تھے کہ عیسائیوں و اخلاق اور اسلام کے بہترین قانون سے مسخر کیا جائے۔ انہوں نے اسلامی قانون اٹھ کر دیا تھا۔ یہ قانون نہایت سہل اور بڑا ہی مفید تھا۔ جزیرہ سسلی میں عیسائیوں نے یا عیسائی حکومت بیرٹھنی نے جو قوانین جاری کر رکھے تھے وہ نہایت ہی ظالمانہ و تکلیف دہ تھے۔ نیز ایسے ایسے ٹیکس تھے جن کی ادائیگی کے بعد لوگوں کے پاس کچھ بچتا ہی نہ تھا۔ اور غریبوں اور مزدوروں کی زندگیاں ہی تلخ تھیں۔ اور جو لوگ اپنے مذہم مذہب پر تھے اور عیسائی نہ ہوئے تھے۔ ان سے جاگیردار چالیس فیصدی اپنا پیچیس

فیصدی حکومت کا اور دس فیصدی پادریوں کا پیداوار پر لگان لیتے تھے اس لگان کی تشخیص وہ خود کرتے تھے۔ پیداوار کا اندازہ کر لیتے تھے اور اس اندازہ ہی پر لگان تشخیص کر دیتے تھے۔ اکثر پیداوار ان کے اندازے سے بہت کم ہوتی تھی۔ لیکن وہ ایک پائی بجز معاف نہیں کرتے تھے۔ کاشتکار اس لگان کو ادا ہی نہیں کر سکتے تھے۔ عدم ادائیگی لگان میں آلات کثورزی جانور اور نقدی سب چھین لیتے تھے اور اگر ایک سال کے اندر مطالبہ ادا نہ کر سکتے تو بیوی بچے غلام اور کنیزیں بنالی جاتیں اس لگان کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے ٹیکس تھے۔ اتنے ٹیکس تھے کہ ان کی فہرست بڑی لمبی بنتی تھی۔ بچارے کسی طرح ادا ہی نہیں کر سکتے تھے۔ جو لوگ عیسائی ہو گئے تھے۔ ان پر پیداوار پر پچیس فیصدی جاگیرداروں کا پندرہ فیصدی حکومت کا اور پانچ فیصدی گرجا کا ٹیکس تھا۔ جو پادریوں کا ٹیکس کہلاتا تھا۔ عدم ادائے مطالبہ میں ان کے ساتھ یہ رعایت تھی کہ ان کی بیوی اور بچے نہیں پکڑے جاتے تھے۔ البتہ وصولیابی میں اس قدر سختی کی جاتی تھی کہ انہیں موت کا ذائقہ آجاتا تھا۔ مزدوروں اور سوداگروں پر سوائے لگان کے اور ہر قسم کے ٹیکس تھے۔ ظالم حکومت اور بے رحم عمال حکومت یہ نہیں دیکھتے تھے کہ جب کاشتکاروں سے پیداوار تمام لے لی جاتی ہے اور مزدوروں و سوداگروں سے ٹیکس کے ذریعہ انہیں نچوڑ لیا جاتا ہے تو وہ کہاں سے کھائیں۔ اور کس طرح (۱) زندہ رہیں۔

ان ظالمانہ قوانین اور ٹیکسوں کے مقابلہ میں اسلامی قانون نہایت ہی منصفانہ اور بہت ہی ہلکا تھا۔ اسلامی حکومت نے جاگیرداری توڑ دی تھی۔ اس سے بد معاش جاگیردار سیدھے ہو گئے تھے۔ جن زمینوں میں وہ خود کاشت کراتے تھے وہی ان کے پاس باقی رہ گئی تھیں۔ کاشتکاروں سے وہ ایک حصہ وصول نہیں کر سکتے تھے اور کاشتکاروں و جاگیرداروں پر پیداوار کا دسواں حصہ مال گزاری میں لیا جاتا تھا۔ پیداوار کی جانچ بہت احتیاط سے کی جاتی تھی۔ کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک عام ٹیکس تھا اور وہ جزیہ تھا۔ یہ ٹیکس غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے صلہ میں لیا جاتا تھا۔ یہ ٹیکس کچھ زیادہ نہ تھا۔ یعنی ہر بالغ سے چار دینار اور ہر نابالغ سے دو دینار۔ اس میں بھی یہ تشخیص تھی کہ جو لوگ نادار تھے، اپانچ تھے یا جو بیوائیں تھیں۔ یا جو یتیم بچے تھے اور پادریوں سے یہ ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ اور کوئی ٹیکس نہیں تھا۔ یہ اسلامی ٹیکس بینر نظمی حکومت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھے۔ اس لئے انہیں عیسائی اور قدیم باشندے بڑی خوشی سے ادا کر دیتے تھے۔ ایک عرصہ کے بعد انہیں اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا اور انہوں نے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنی شروع کی۔ انہیں یہ خوف جاتا رہا کہ اگر مطالبہ ادا نہ ہوا تو ان کی بیوی و بچے ان سے چھین لئے جاویں گے۔

انصاف کے لئے جو حاکم مقرر کئے گئے اور انہیں دیوانی و فوجداری کے اختیارات دیئے گئے وہ انہی کی قوم میں سے لئے گئے۔ عدالت عالیہ میں البتہ دو جج ایک قدیم باشندوں میں سے اور ایک عیسائیوں میں سے ہوتے تھے اور چیف جج مسلمان قاضی ہوتے تھے۔ اپیل ہر عدالت ماتحت کے حکم سے ہو سکتی تھی۔ پہلے عیسائیوں کے زمانہ میں زبردستوں کی حکومت تھی وہ جو چاہتے تھے قانون بناتے تھے اور غریبوں کو ان پر عمل کرنا پڑتا تھا۔ یہ قانون غریبوں کو پینے اور انہیں فرمانبردار بنائے رکھنے کے لئے بنائے جاتے تھے۔

امیروں اور پادریوں پر ان قوانین کی پابندی ضروری نہیں ہوتی تھی۔ یہ عیش پرست تھے۔ اور غریب ان کی عیش پرستی کے آلہ کار..... مگر اسلامی قانون امیروں غریبوں اور عیسائیوں غیر عیسائیوں سب کے لئے یکساں تھا۔ زبردست زبردستوں پر ظلم

تمام عیسائی مورخوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ عیسائی بینر نظمی حکومت میں جزیرہ سسلی ہی میں نہیں بلکہ تمام محروسہ میں نہایت ظالمانہ ٹیکس قائم تھے۔ ان ٹیکسوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ یاد بھی نہیں رہتی تھی پیداوار تمام مزارعوں سے چھین لی جاتی تھی اور اسی پر بس نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کے اہل و عیال کو بھی زبردستی لے لیا جاتا اور غلام و کنیز بنالیا جاتا تھا۔ مزدوروں کی حالت اور بھی اہتر تھی وہ تمام دن محنت مزدوری سے جو کماتے تھے اس کا زیادہ حصہ ٹیکسوں میں دے دیتے تھے اس پر بھی مطالبہ باقی رہ جاتا تو ان کے بیوی بچے چھین لیے جاتے تھے سوداگروں پر اتنے ٹیکس تھے کہ انہیں آمدنی کے علاوہ جمع میں سے بھی کچھ ادا کرنا پڑتا تھا جب ان کی گلو خلاصی ہوتی تھی۔ امیر اور پادری لوگ اس دولت سے عیش و عشرت کرتے تھے

و ستم نہیں کر سکتے تھے۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ عیسائی غیر عیسائی سب ہی نے ان قوانین کو بہت پسند کیا۔ جب مسلمانوں کے عدل و انصاف کا چرچا ہوا تو بیکس غریب نادار اور مفلسی کا شکار اور مزدور جوق در جوق زیاد کے پاس آئے اور ان سے فریادیں کرنے لگے وہ درخواستیں کرتے تھے کہ ان کی بستیوں پر قبضہ کر کے ظالم بھیڑیوں سے انہیں آزادی دلائیں۔

جاگیرداروں اور دولت مندوں کو یہ بات کسی طرح بھی گوارا نہیں تھی کہ ان کی وہ رعایا جس کی گاڑھی کمائی پر ان کی عیاشی منحصر ہے ان سے منحرف ہو کر ان کی تباہی کا باعث بن جائے اس لئے وہ انہیں روکتے اور ہر طرح کی دھمکیاں دیتے تھے۔ دباؤ ڈالتے تھے مگر وہ رکتے ہی نہیں تھے۔ سیدھے زیاد کے پاس آرہے تھے اور فریاد کر رہے تھے۔

صفیہ اپنے مکان میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ایک عرصہ کے بعد اسے اپنا وطن اپنا گھر اور گھر کا ساز و سامان دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ خوش تھی بہت خوش اور جاگیرداروں کی طرح اس کی جاگیرداری بھی ضبط ہو گئی تھی۔ لیکن اسے اس کا مطلق بھی ملال نہیں تھا۔ اسے یہ بھی نقصان پہنچا تھا کہ اس کی کاشت میں کوئی زمین نہیں تھی اسے کوئی آمدنی نہیں رہی تھی۔ اس کے باپ نے چند باغات لگوا دیئے تھے۔ یہ باغات لاوارث ہونے کی وجہ سے پادریوں کے قبضہ میں چلے گئے اور پادری جس ملکیت پر قبضہ کر لیتے تھے اسے کسی طرح بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ وہ باغات چھوڑنے کو اب بھی تیار نہ ہوئے۔ صفیہ نے اپنی ملکیت کا دعویٰ دائر کر دیا سب ججوں نے ثبوت لے کر اس کا دعویٰ ڈگری کر دیا۔ لیکن پادری قبضہ دینے کو تیار نہ ہوئے۔ مجبور ہو کر اسلامی حکومت کو مداخلت کرنی پڑی اور صفیہ کو قبضہ دلایا گیا اور جو آمدنی ان باغوں سے پادریوں کو ہو چکی تھی وہ سب واپس کرنی پڑی۔

زیاد نے چند دستے ان لوگوں کے ساتھ جو فریادی بن کر آئے تھے کر دیئے ان دستوں کے ساتھ غریب کاشتکار اور مفلس مزدور ہو گئے۔ انہوں نے بے رحم ظالم جاگیرداروں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی اور مسلمان تمام علاقہ پر قبضہ کرتے چلے گئے۔

(۴۴)

اب بارش بند ہو گئی تھی۔ بادل پھٹنے لگے تھے۔ کہیں کہیں سے نیلا آسمان نظر آنے لگا تھا۔ نوجوان افسر نے کہا۔ بارش بند ہو گئی ہے۔

خاتون :- ”جی ہاں بارش بند ہو گئی۔ تمہیں شاید اپنے سپاہیوں کا خیال ہے اطمینان رکھو۔ وہ امن و اطمینان اور آرام کی جگہ ہیں۔

افسر :- یہ ٹھیک ہے مگر وہ میرے ساتھ ہیں۔ میرے بھائی ہیں، میرا فرض ہے کہ انہیں چل کر دیکھوں۔“

خاتون :- ”چلو، میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں مگر سردی بڑھ گئی ہے۔ باہر کافی سردی معلوم ہوگی۔ کچھ اوڑھ لو۔ افسر نے مسکرا کر کہا خدا کے فضل سے میں نوجوان ہوں صحت مند ہوں، طاقتور ہوں۔ انشاء اللہ مجھے ایسی معمولی سردی نقصان نہ پہنچائے گی۔ البتہ تم ضرور کچھ اوڑھ لو۔

خاتون :- غورتوں کو سردی کم معلوم ہوتی ہے مجھے بھی کپڑا اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

افسر نے مسکرا کر کہا۔ ابھی ماشاء اللہ تمہاری صحت اور طاقت اچھی ہے۔“

خاتون نے افسردہ خاطر ہو کر کہا۔ اب کہاں ہے صحت..... ہاں کبھی تھی۔

دونوں وہاں سے نکلے اور چلے۔ جب غار سے باہر نکلے تو واقعی سردی کافی تھی۔ تیز ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ دونوں بڑی احتیاط سے پتھروں چٹانوں پر چڑھ کر اس جگہ پہنچے جہاں مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس وقت بہت سے مسلمان اس سرنگ کے اندر سے باہر نکل آئے تھے۔ افسر نے ان سے پوچھا۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تمہیں ”کئی آدمیوں نے کہا خدا کا شکر ہے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اگر ہم اسی میدان میں رہتے جہاں مقیم تھے تو ضرور تکلیف اٹھاتے خیمے اکھڑتے سلمان اور اسباب بھیگ جاتا ممکن ہے رسد بھی بہہ جاتی۔ سردی بھی ستاتی بیمار بالکل امن رہا۔ بارش ہوتی رہی، اور ہم کھانا تیار کرتے رہے۔“

افسر:- کھانے سے فراغت کر لی تم نے؟

سپاہی:- ”جی ہاں۔“

افسر:- ”کوئی باقی تو نہیں۔“

سپاہی:- ”جی نہیں سب کھا چکے۔“

تھوڑی دیر کے بعد ظہر کا وقت ہو گیا۔ ایک شخص نے ظہر کی اذان دی اور سب نے وضو کر کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ افسر نے پوچھا رات کے لئے لکڑیوں کا انتظام ہو گیا ہے۔ سب نے کہا جی ہاں کافی لکڑیاں جمع کر لی ہیں۔

اب خاتون و افسروہاں سے کسی قدر فاصلے پر ایک پتھر پر جا بیٹھے۔ بارش ہونے سے پتھر چٹائیں، درخت شاخیں پتے سب دھل کر نکھر گئے تھے۔ عجب ہمار آگئی تھی۔ اور ہر چیز بڑی دلفریب ہو گئی تھی۔ ہوا کے تھپڑے بادلوں کو اڑائے لئے جارہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی شریر بادل برس بھی پڑتا تھا۔ آسمان صاف ہوتا جارہا تھا۔ خاتون نے کہا کس قدر دلکش منظر ہو گیا ہے۔

افسر:- جی ہاں! خدا کی شان ہے۔ وہ مردہ چیزوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ بارش سے مردہ زمین کھلائے ہوئے درخت اور پودے زندہ اور پرہیز ہو جاتے ہیں۔ وہ بڑا قادر ہے۔ اسی کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے۔

خاتون:- ”یہی بات ہے۔“

افسر:- ”مہربانی کر کے وہ داستان شروع کر دیجئے۔“

خاتون:- ”اچھا۔“

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔ طیرین کے فتح ہو جانے سے صفیہ کو بہت خوشی ہوئی۔ جمیلہ نے اگرچہ اس گھر کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر اسے بھی مسرت ہوئی۔ طیرین کا علاقہ تسخیر کرنے میں کافی عرصہ لگ گیا۔ کئی سال بیت گئے۔ جو علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو جاتا تھا اس کے انتظام و انصرام میں مہینوں لگ جاتے تھے۔ زیاد بھی طیرین میں ہی تھے۔ مگر وہ علیحدہ ایک اور مکان میں ٹھہرے تھے اس مکان کو والامارت کہنے لگے تھے۔ ان کی والدہ ہاجرہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ کبھی صفیہ اور جمیلہ آجاتی تھیں اور کبھی زیاد اور ہاجرہ چلے جاتے تھے۔ صفیہ کو یہ معلوم تھا کہ

ابوالنضر نے طیرین آنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کے ساتھ عائشہ اور اغلب بھی آویں گے۔ اس لئے وہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔ کبھی یہ انتظار اسے تکلیف دینے لگتا تھا۔ کئی مرتبہ اس نے زیاد سے پوچھا بھی کہ امیر ابوالنضر آویں گے۔ یا نہیں وہ بتا دیتے کہ ان کا بہت جلد آنے کا ارادہ ہے۔ وہ مطمئن ہو جاتی۔ ایک روز عائشہ کا قاصد صفیہ کے پاس آیا بڑے بڑے تحفے اور ایک محبت نامہ لایا۔ اس میں لکھا تھا کہ میں اور امیر ابوالنضر جلد سے جلد تمہارے پاس پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نیز اب تک اس لئے نہ آسکے کہ جس طرح طیرین پر مہم بھیجی گئی اسی طرح اور کئی مقامات پر بھی بھیجی گئی ہے۔ ابھی ان مہموں کی طرف سے اطمینان نہیں ہوا۔ اطمینان ہوتے ہی ہمیں پہنچا سمجھو۔ درخواست یہ ہے کہ شادی کی تیاری کر لینا۔ اغلب ماشاء اللہ جوان ہوتے جارہے ہیں۔ ہم شادی کرنے کے لئے ہی آویں گے۔

اس خط کو پڑھ کر صفیہ بہت خوش ہوئی وہ دیکھ رہی تھی کہ جمیلہ بھی جوانی کی حد کو پہنچی جا رہی ہے اس کی شوخی اور شرارت متانت و سنجیدگی میں بدل گئی تھی۔ اب وہ شرارت نہیں کرتی تھی۔ بلکہ شرم و حیا کی پتلی بن کر رہ گئی تھی۔

جمیلہ کے لئے کئی بیش قیمت تھان تھے۔ جو ریشمین تھے، کئی سونے کے زیور تھے۔ صفیہ نے ان کپڑوں سے جمیلہ کے لئے کئی جوڑے تیار کرائے اسے پہنائے اور زیورات بھی پہنا دیئے۔ وہ اس لباس اور زیورات کو پہن کر رشک پری بن گئی۔

جمیلہ جوان ہوتی جا رہی تھی اور صفیہ کی عمر ڈھلتی جاتی تھی لیکن وہ اس قدر حسین اور ماہرہ تھی کہ اس وقت بھی اچھی معلوم ہوتی تھی۔ صفیہ نے کوشش کر کے ایک عرب دو شیزہ سے زیاد کی شادی کرادی تھی۔ چند روز کے بعد زیاد آئے انہوں نے بتایا کہ امیر ابوالنضر مع اہل و عیال کے آرہے ہیں۔ اجازت ہو تو میں انہیں اپنے یہاں ٹھہراؤں۔ صفیہ جانتی تھی کہ وہ شادی کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ زیاد کے یہاں ہی ٹھہریں۔ چنانچہ اس نے اجازت دیدی۔ زیاد نے اپنا مکان اور صفیہ نے اپنا محل درست اور صاف کرایا۔

آخر ایک دن ابوالنضر آگئے۔ زیاد کے یہاں مقیم ہوئے اغلب واقعی جوان ہو گئے تھے۔ بڑے خوب نوجوان تھے۔ ان کے چہرے سے ایسا جلال ظاہر تھا کہ ان کی طرف

”اچھا تو بیان کرو۔ خاتون نے کہا، اغلب اور جمیلہ میں بڑی محبت ہو گئی ایسی جس کی مثال کم ہوگی۔ جمیلہ اغلب پر جان دیتی تھی اور اغلب جمیلہ پر۔ اکثر اغلب جمیلہ کے ساتھ طیرمین سے باہر چلے جاتے۔ وہ نقاب ڈال کر جاتی اور گھنٹوں جنگلوں اور باغوں میں گھومتے رہتے۔ اکثر دونوں صفیہ کے باغ میں رہ جاتے۔ اغلب جمیلہ کو گھوڑے کی سواری اور ہتھیار چلانے کی مشق سکھاتے تھے۔ چنانچہ ایک روز دونوں باغیچے میں بیٹھے تھے۔ اغلب نے کہا، جمیلہ میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اس زمانے کی بے نظیر حسینہ مجھے عطا کر دی۔

جمیلہ شرما گئی اس کی دلکش آنکھوں پر مڑگان کی چلن پڑ گئی۔ اغلب نے کہا۔ اچھا جی شرما رہی ہو۔ یاد ہے وہ شرارت جب ہم تمہارے گھر مہمان ہوئے تھے تو تم نے قاب میں میوے سامنے لا رکھے تھے اور بڑی دلداری کے ساتھ کہا تھا۔ کھائیے، میری امی جان نے بھی مجھ سے کھانے کو کہا تھا۔ تم چٹاخ سے بول اٹھی تھیں۔ کھا چکے، یہ تو شرما جائیں گے۔ ”آج کون شرما رہا ہے۔“

جمیلہ نے ایمان شکن حیا بار نظروں سے انہیں دیکھا۔ اس کے مسیحا صفت لبوں پر ہوش ربا تبسم کھل گیا۔ اس نے کہا، اس وقت تم شرما تے تھے اور اب؟ اغلب نے اس کے پھول سے رخساروں کو دیکھ کر کہا۔ تم شرما رہی ہو۔

جمیلہ نے انہیں دیکھا مسکرائی اور نظریں نیچی کر لیں۔ اغلب نے کہا تم سسلی کی حسین ساحرہ ہو۔ جمیلہ نے کہا ایسا نہ کہئے۔ میں نے سنا ہے اس جزیرے میں دلربا سر سے حسین ساحرہ گزری ہے۔ اس ملک کے قدیم باشندوں کا خیال ہے کہ امر ہے ہر سو برس کے بعد آگ میں غسل کر کے جوان اور خوبصورت ہو جاتی ہے۔ اغلب :- ”مگر وہ تم سے کم ہی خوبصورت ہوگی۔“

جمیلہ نے سامنے کی طرف دیکھا۔ سسلی کا ایک قدیم باشندہ جو نوجوان تھا۔ کچھ فاصلے پر کھڑا اسے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے اغلب سے کہا یہ کون شخص سامنے کھڑا ہے؟“ اغلب پر جمیلہ چھائی ہوئی تھی۔ وہ اس بت طناز کو دیکھ رہے تھے۔ بھول گئے تھے کہ وہ کہاں ہیں۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے ایک نوجوان قدیمی سسلی کے باشندوں کے لباس میں کھڑا ہوا نظر آیا۔ انہیں اس کی یہ جسارت بڑی ناگوار گزری انہوں نے غضب ناک نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ وہاں

نظر بھر کر نہیں دیکھا جاتا تھا۔ دو تین روز قیام کرنے کے بعد ایک دن عائشہ صفیہ کے گھر اچانک پہنچ گئیں۔ تھوڑی دیر پہلے جمیلہ نے غسل کر کے لباس بدلا تھا اور کنیزوں نے اس کا سنگھار کر دیا تھا۔ عائشہ اس مست شباب کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ ان کی نظروں میں تو شوخ و شریر اور باتونی جمیلہ بسی ہوئی تھی۔ مگر اب بہار کی نوشگفتہ کلی اور سنجیدہ متین اور شرمیلی ہو گئی تھی۔ پہلے وہ بھاگی پھرتی تھی مگر اب بڑی نزاکت سے قدم اٹھاتی تھی۔ ادا و ناز سے کمر کئی کئی بل کھاتی تھی۔ شباب نے اسے دشمن ایمان بنا دیا تھا۔

جمیلہ پہلے تو شرمائی پھر سلام کیا۔ اور وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا عائشہ سمجھ گئیں۔ انہوں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ واہ واہ ہم تو تجھے وہی شوخ اور شریر جمیلہ سمجھ رہے تھے۔ جو بغیر شرارت کے رہتی ہی نہ تھی۔ تم تو ماشاء اللہ حسن و جمال کا پیکر ہو گئی ہو۔ جمیلہ کی دلفریب آنکھیں شرم سے جھک گئیں اسی وقت صفیہ آگئی۔ وہ عائشہ سے بغلیگر ہو گئی۔ جمیلہ کو موقع مل گیا وہ کھسک گئی۔ یہ دونوں باتیں کرتی ہوئی صوفہ پر جا بیٹھیں۔ مدت کے بعد ملی تھیں بڑی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ کھانا کھایا کھانے کے وقت جمیلہ آگئی تھی۔ عائشہ نے کہا، بہن صفیہ جمیلہ کو تو ایک لمحہ کو بھی الگ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔“

”صفیہ نے مسکرا کر کہا۔ وہ تو تمہاری ہی ہے۔“

جمیلہ کھانا کھا کر پھر بھاگ گئی۔ عائشہ نے شادی کی تاریخ مقرر کرنے کو کہا۔ انہوں نے ہاجرہ اور صفیہ سے مشورہ کر کے شادی کی تاریخ مقرر کر دی۔ دن گزرتے دیر نہیں لگتی۔ تاریخ آگئی اور جمیلہ کی شادی ہو گئی۔ خاتون اتنا بیان کر کے خاموش ہو گئیں۔

(۴۵)

خاتون نے افسر سے کہا۔ اب بہت تھوڑا حال بیان کرنا باقی رہ گیا ہے۔ افسر نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ ابھی بہت سا حال باقی رہ گیا ہے۔ ابھی تو یہی نہیں معلوم ہوا کہ تم کون ہو۔ کب سے اور کس لئے یہاں مقیم ہو۔ میرے آنے کی کیوں منتظر تھیں۔ خاتون نے کہا، یہ سب کچھ بیان کر دوں گی۔

سے لپکا۔ اغلب اس کے پیچھے جھپٹے۔ مگر وہ باغ سے باہر نکل کر غائب ہو گیا۔ انہوں نے ہر چند اسے تلاش کیا مگر نہ ملا۔ وہ واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے جمیلہ سے کہا۔ نہ معلوم کہاں غائب ہو گیا وہ۔

جمیلہ :- ”جانے دو۔“

اغلب :- اس کی آنکھوں سے شیطیت ظاہر ہوتی تھی۔ مل جاتا تو اچھا ہی تھا۔ جمیلہ :- ”وہ گورنمنٹ اسلامیہ کی حفاظت میں ہے۔“

اغلب :- میرا خیال ایسا نہیں ہے۔ وہ کہیں دور سے آیا ہے۔ جمیلہ :- اب گھر چلو۔

اغلب :- ہاں چلنا چاہئے۔ اور دونوں وہاں سے چلے۔ ایک روز جمیلہ نقاب ڈالے پائیں باغ میں جارہی تھی۔ جو نئی دروازے کے اندر داخل ہوئی اسے وہی نوجوان نظر آیا۔ جو ایک روز باغیچہ میں ملا تھا۔ سسلی کا قدیم باشندہ اس نے کہا۔ ٹھہرو روز۔

جمیلہ بڑی متعجب ہوئی۔ یہ اس کا بچپن کا نام تھا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا، تم شاید اس لئے حیران ہو رہی ہو کہ میں نے تمہارا بچپن کا عیسائی نام لے لیا۔ میں نے تمہارے متعلق سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ تم فنی کی بیٹی ہو، غدار فنی کی۔ جو مسلمانوں کو یہاں چڑھا لایا تھا۔ لیکن یہ عیسائیوں کا خیال ہے وہ بھی سب کا نہیں۔ بعض کا سسلی کے قدیم باشندے اور عیسائیوں کی اکثریت گورنمنٹ اسلامیہ کو رحمت خداوندی سمجھتی ہے۔

جمیلہ نے کہا جو لوگ خدا کو نہیں جانتے نہ مانتے ہیں وہ اس کے قاتل کیسے ہو گئے۔

نوجوان :- ”کیا ہم خدا کو نہیں مانتے۔ مشتری بنوں کو خدا مانتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو چھوڑو۔ وقت کم ہے، مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ تمہارا نام روز ہی ٹھیک تھا۔ گلاب کا پھول تم گلاب کے پھول سے بھی زیادہ حسین ہو۔ افسوس یہ ہے کہ تمہاری شادی ہو گئی ایک شاہزادے سے، مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔ مگر میری محبت نفس پرستی کی محبت نہیں ہے۔ میں تمہیں چاہتا ہوں دل و جان سے۔ میں تمہیں بہن بنانا چاہتا ہوں۔ بولو میری بہن بننا منظور کرتی ہو۔“

جمیلہ :- ضرور، بہن بننا تو اچھا ہے، تمہارا نام کیا ہے۔ مجھے اپنے بھائی کا نام معلوم

ہونا چاہئے۔

نوجوان :- میرا نام الارک ہے۔ میں عیسائی ہو گیا ہوں۔ اور میں نے شادی کر لی ہے۔ لوسیانا ہر کلیس کی بہن سے۔ شاید تم نے ہر کلیس کا نام سنا ہو؟ جمیلہ نے کہا، سنا ہے، ان کی قبر پر کئی مرتبہ اپنی امی کے ساتھ جا چکی ہوں۔

الارک :- مجھے تمہارے متعلق سب باتیں لوسیانا نے ہی بتائی تھیں وہ بیمار ہوئی اور چند ہی روز ہوئے کہ مر گئی ہے۔ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ میرا مقصد تمہاری مدد کرنا ہے۔ جب تک رہوں گا تمہاری مدد کروں گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سرقوسہ کے گورنر نے کئی آدمیوں کو امیر ابوالنہر کے قتل پر مامور کیا ہے۔ ممکن ہے اغلب کو بھی قتل کر ڈالیں۔ میں تمہیں آگاہ کرنے آیا ہوں۔ تم ابوالنہر اور اغلب دونوں کو ہوشیار کر دینا۔

جمیلہ ہول گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ الارک نے کہا تم گھبرا گئیں میری بہن کو گھبرانا نہیں چاہئے اور جب تک اس کا بڑا بھائی جو باپ کے برابر ہے زندہ ہے اس وقت تک ہرگز نہیں گھبرانا چاہئے دیکھو اغلب آرہے ہیں۔ میں جارہا ہوں وہ مجھے دیکھ کر مشکوک ہو جائیں گے۔ جب تم انہیں سب کچھ سمجھا دو گی تب میں ان سے ملوں گا۔ وہ چلا فوراً ہی اغلب آگئے۔ انہوں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ رشک کا تیران کے سینہ کے پار ہو گیا۔ مگر انہوں نے ضبط کیا انہیں جمیلہ پر پورا پورا اطمینان تھا۔ انہوں نے جمیلہ سے پوچھا۔ ”کون تھا وہ جمیلہ۔“

جمیلہ نے مسکرا کر کہا۔ وہی تھے جو اس روز ہمیں اور تمہیں باغ میں ملے تھے۔ اغلب :- ”کیا کہتا تھا؟“

جمیلہ :- ”اگر سب باتیں بتاؤں گی تو شاید تمہیں ناگوار گزرے اس لئے اغلب نے قطع کلام کر کے کہا۔ سب باتیں بتاؤ۔“ جمیلہ :- ”کہتے تھے مجھے تم سے محبت ہے۔ بے پناہ محبت ہے، تم گلاب کے پھول سے زیادہ حسین ہو.....“

جمیلہ اغلب کو دیکھ رہی تھی مسکرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ اغلب کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے کہا بد معاش۔

جمیلہ :- یہ تم نے کیا کہہ دیا تم نے ساری بات تو سنی ہی نہیں۔ اسی لئے میں سب باتیں سنانا نہ چاہتی تھی۔

اغلب :- ”سناؤ۔“

جمیلہ :- انہوں نے مجھے بہن بنا لیا ہے۔

اغلب نے حیرت سے کہا۔ ”بہن بنا لیا ہے۔“

جمیلہ نے شوخی سے کہا۔ ”جی ہاں“

اغلب :- ”جب تک مجھ سے بڑی غلطی ہوئی میں نے برا کیا کہ اسے برا کہا۔ اسی لئے اسلام جلد کسی سے بدظن ہو جانے کی ممانعت کرتا ہے۔ میں نے بڑا گناہ کیا۔ خدا معاف کرے، یہ حق العباد ہے۔ میں اس سے مل کر معافی مانگوں گا۔ جمیلہ نے کہا وہ میرے بڑے بھائی ہو گئے ہیں۔ کہتے تھے اغلب اور ابوالفر کے قتل پر سرقوسہ کے گورنر نے کچھ آدمی متعین کئے ہیں۔ انہیں ہوشیار کر دیتا۔ میں یہ سن کر ہول گئی وہ کہنے لگے۔ میری بہن کو گھبراننا نہیں چاہئے۔ جب تک تمہارا بڑا بھائی جو باپ کے برابر ہے زندہ ہے ہرگز نہ گھبراؤ۔

اغلب :- شریف آدمی میں نے فضول ہی انہیں برا کہہ کر ایک عظیم گناہ کیا میں ان سے معافی چاہوں گا..... انہیں ڈھونڈوں گا۔

جمیلہ :- اب وہ نہ ملیں گے شاید کسی روز خود ہی تمہارے پاس آئیں۔

اغلب :- میں دیکھوں تو شاید مل جائیں۔ انہوں نے انہیں تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے۔ آخر لوٹ آئے اور جمیلہ کے ساتھ مکان پر آگئے۔

(۴۶)

خاتون نے کہنا شروع کیا۔

اب اصل داستان شروع ہونے والی ہے۔ وہ داستان جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور جس نے مجھے بے چین کر رکھا ہے مگر ایک بات بتاؤ پہلے تم۔

افسر :- ”کیا۔۔۔۔۔؟“

خاتون :- ”تم کون ہو، تمہارا نام کیا ہے۔ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟“

افسر :- ”کیا یہ بتانا ضروری ہے؟“

خاتون :- ”ہاں تاکہ میں سمجھ لوں۔ جس کا مجھے انتظار تھا جس کی مجھے بشارت دی گئی ہے، وہ تم ہی ہو۔“

افسر :- ”مگر ابھی میں اس بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔“

خاتون :- ”کیوں۔؟“

افسر :- ”چند مصلحتیں ہیں۔“

خاتون :- ”میں وعدہ کرتی ہوں کہ کسی پر یہ باتیں ظاہر نہ کروں گی۔“

۔ اچھا تو سنو۔“ افسر نے نہایت آہستگی سے خاتون کے کان میں کچھ کہنا شروع کیا۔ ”وہ بڑے غور سے سنتی جاتیں تھیں۔ ان کے لبوں پر تبسم کھلتا جاتا تھا۔ آنکھوں میں چمک آتی جاتی تھی۔ جب افسر کہہ چکے تو انہوں نے کہا، خدا کا شکر ہے جن کی مجھے بشارت دی گئی تھی۔ جن کی میں منتظر تھی وہ آگئے، اب میں بہت جلد اس داستان کو ختم کر دوں گی۔

انہوں نے کہا، اغلب نے یہ واقعہ ابوالفر سے بھی کہ دیا۔ اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہوشیار رہیں اور خود بھی احتیاط کرتے اور ہوشیار رہنے لگے۔ ایک دن وہ صفیہ کے ہاں شام کے وقت آئے۔ جمیلہ وہیں تھی وہ باتیں کرتے رہے۔ دن چھپے انہوں نے جانا چاہا، مگر صفیہ نے روک لیا اور کہا کھانا کھا کر جانا۔ وہ خود بھی جانا نہ چاہتے تھے۔ جمیلہ کے پاس سے جانے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھ کر آئے۔ جمیلہ نماز پڑھ چکی تھی۔ صفیہ پڑھ رہی تھی۔ وہ سیدھے جمیلہ کے پاس چلے گئے۔ جمیلہ نے کہا۔

”تم تو جا رہے تھے۔“ اغلب نے مسکرا کر کہا۔ ”تم جانے بھی دو۔“

جمیلہ نے تبسم کے پھول بکھیرتے ہوئے کہا۔ میں نے روکا تھا۔“

اغلب :- تم..... تم تو ایسی ظالم ہو کہ توبہ ہی بھلی۔ دیکھنے میں کیسی معصوم جیسے بالکل مظلوم ہو اور درپردہ بڑی ظالم، قاتل ایسے ایسے ظلم کرتی ہو کہ خدا کی پناہ! ناکردہ گناہوں کی سزا دیتی ہو۔ ہمارا بھی اللہ ہے دم بخود ہیں۔ صرف یہ کہہ کر رہ جاتے ہیں۔

او ظالم مظلوم نما عہد میں تیرے

ناکردہ گناہوں کی سزا یاد رہیگی

جمیلہ :- ”خوب، برا کہنے کا یہ نیا طریقہ نکالا ہے۔ کہنے برا کہنے اور جی کھول کر کہنے۔“

اغلب :- ”مشکل تو یہی ہے کہ برا کہنے کی بھی جرات نہیں۔ لرزتے ہیں، کانپتے ہیں۔ جمیلہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔ اتنا کچھ تو لرزتے اور کانپتے کہا گیا ہے اگر ڈر نہ ہوتا تو خدا جانے

کیا کیا کہتے۔

اغلب کچھ کہنا چاہتے تھے کہ صفیہ آگئی۔ اس نے کہا کھانا تیار ہے اغلب نے کہا بھوک تو ہے نہیں۔ لیکن منگوا لیجئے۔ صفیہ چلی گئی۔ جمیلہ نے کہا بغیر بھوک کے کھانا نہیں کھانا چاہئے۔

اغلب :- ”تمہارا تو کھانا بھی نہ دو۔ خدا امی جان (صفیہ) کو جیتا رکھے ان کی بدولت مل جاتا ہے۔“

جمیلہ :- ”اور یہ دو دو آدمیوں کا کھانا شاید میں کھا جاتی

اغلب :- ”تمہاری صورت میں یہی تو صفت ہے کہ دیکھا اور بھوک لگی۔“

جمیلہ :- ”ایک شیرپال لو اس کی صورت دیکھتے ہی بھوک بھاگ جایا کر گئی۔“

اغلب نے شریر جمیلہ کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔ انہوں نے کہا ”شیرپالنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خوبی بھی تم میں موجود ہے۔ ہنس کر باتیں کرو تو بھوک لگنے لگے۔ بگڑ جاؤ تو

چھ دن بھی بھوک نہ لگے۔

جمیلہ :- ”مگر میں نے تو کبھی نہیں دیکھا کہ تم نے چھ دن تک کھانا نہ کھایا ہو۔“

اغلب :- ”تم بگڑی ہی کب ہو۔“ صفیہ آگئی کینز کھانا لے آئیں سب نے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر باتیں کرنے لگے۔ عشاء کا وقت ہو گیا اور اغلب مسجد

میں نماز پڑھنے چلے گئے اور جمیلہ و صفیہ نے گھر میں نماز پڑھی۔ اغلب نماز پڑھ کر آئے۔ انہوں نے صفیہ سے اجازت لی۔ اور چلے رات اندھیری تھی۔ اس وقت ان

کے ساتھ کوئی غلام یا سپاہی نہ تھا۔ تنہا ہی آئے تھے اور تنہا ہی چلے۔ وہ ان کے والد ابوالضر زیاد کے پاس ہی دارالامارت کے ایک حصہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ جگہ

یہاں سے کافی فاصلہ پر تھی۔ اغلب اطمینان سے چلے جا رہے تھے ایک مقام ایسا آیا جہاں پر آبادی کم تھی۔ ایک بڑے میدان کے بیچ میں سے راستہ جاتا تھا۔ اور راستے

کے دونوں کناروں پر لمبے درختوں کی قطاریں تھیں۔ اغلب چلے جا رہے تھے کہ انہیں

قریب ہی کھٹکا معلوم ہوا۔ فوراً ان کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر ہو گیا۔ ہر مسلمان ہر وقت

تلوار اور خنجر اپنے پاس رکھتا تھا۔ انہوں نے گھوم کر دیکھا۔ دو آدمی تلواریں سونٹے

ہوئے ان کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ اغلب وہیں رک گئے انہوں نے جلدی

سے تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ جب وہ قریب آئے تو

انہوں نے انہیں پہچانا۔ وہ عیسائی تھے۔ انہیں فوراً یاد آ گیا کہ جمیلہ کے منہ بولے

بھائی الارک نے جن لوگوں کے متعلق کہا تھا یہ وہی ہیں۔ انہیں بڑا جوش اور غصہ آیا۔ آنے والوں نے آتے ہی ایک ساتھ ان پر حملہ کیا۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے ایک ٹھنکی دی اور پینترا بد لکر دوسرے کے تلوار ماری اس کا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ وہ تھلا کر گرا اور دوسرے عیسائی نے جلدی سے وار کیا۔ اغلب نے تلوار پر روکا۔ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ انہوں نے ٹوٹا ہوا حصہ دشمن کے کھینچ مارا وہ پہلو سے بچا گیا۔ مگر اس نے جلد ہی سنبھل کر وار کیا۔ اغلب نے خنجر نکالا۔ مگر تلوار اور خنجر کا مقابلہ کیا۔ پھر بھی وہ پینترا بدل کر بیچ گئے۔ عیسائی دوسرا وار کرنے ہی والا تھا کہ آواز آئی خبردار۔ ساتھ ہی کوئی دوڑ کر آیا۔ وہ قدیم باشندوں جیسا لباس پہنے تھا۔

عیسائی نے کہا۔ ”آؤ اس کا خاتمہ کر دو۔“ اس نے آتے ہی عیسائی پر وار کیا۔ اور اس کا سراڑا دیا۔ اغلب اسے دیکھتے رہے۔ اس نے کہا۔ بد بخت بدکار، منع کر دیا تھا اور پھر بھی حملہ آور ہوئے۔

اغلب نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے کہا، شکریہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ میری زندگی میں یہ بدکار تمہیں اور امیر کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہ کھکر وہ چلنے لگا۔ اغلب کے ذہن میں فوراً ”آگیا کہ وہ الارک ہیں۔ انہوں نے کہا ذرا ٹھہریئے۔“

وہ رک گئے۔ اغلب نے کہا، کیا تمہارا نام الارک ہے۔؟

انہوں نے کہا شاید تمہیں روز نے سب کچھ بتا دیا ہے۔

اغلب :- جی ہاں! انہیں روز نہ کہنے جمیلہ کہئے۔

الارک :- سنا ہے روز گلاب کے پھول کو کہتے ہیں۔ معلوم نہیں جمیلہ کسے کہتے ہیں.....؟

اغلب نے کہا۔ اس بات کو رہنے دو مجھے افسوس ہے کہ باوجودیکہ تم نے مکاروں کے مکر سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر پھر میں احمق بن گیا۔

الارک :- خدا کو یہی منظور تھا۔ اتفاق سے مجھے ان کے مشورہ کی اطلاع ہو گئی اور میں ان کے پیچھے لگ گیا۔ مگر افسوس ہے میں ذرا دیر میں پہنچا۔

اغلب :- ”نہیں تم عین وقت پر آئے میری تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ اگر تم نہ آ جاتے تو خدا جانے کیا ہوتا۔ تم میرے محسن ہو۔ میرے ساتھ آؤ۔

الارک :- ”ایسا نہ کہئے۔ میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ یہ

صلہ دیا جائے۔

دوسرے ہی روز یہ خبر صفیہ اور جمیلہ کو بھی ہو گئی۔ ان دونوں نے بھی خدا کا شکر ادا کیا اور الارک کے حق میں دعا کی۔ صفیہ نے جمیلہ سے کہا۔ بیٹی خدا نے تیرا سہاگ باقی رکھا۔ الارک نے بروقت مدد کر کے اپنی بہن کے سرتاج کو بچالیا۔ اگر وہ تجھ سے پھر ملیں تو مجھ سے انہیں ضرور ملانا۔ میں ان کا شکریہ ادا کروں گی۔ جمیلہ الارک کی بہت زیادہ مشکور ہوئی تھی۔ وہ خود بھی چاہتی تھی کہ الارک اس سے ملے اور وہ اپنی احسان مندی کا اظہار کرے۔

صفیہ اور جمیلہ دونوں اغلب کے یہاں گئیں۔ صفیہ نے عائشہ کو مبارکباد دی اور اغلب کو خوب پیار کیا۔

عائشہ نے مسکرا کر کہا۔ جمیلہ کے بھائی الارک نے اغلب کی بروقت مدد کی۔ میرے دل میں ان کی بڑی عزت ہو گئی ہے۔

صفیہ :- ”الارک نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن ان کی تہیہ اور ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ خدا کا احسان ہے کہ اس نے اپنا فضل کیا۔ غلطی مجھ سے بھی ہوئی کہ میں نے انہیں رات کے وقت تنہا آنے دیا۔

عائشہ :- ”میں یا تم مشیت کو کیسے روک سکتے ہیں۔ خدا کو جو منظور ہوتا اس کے ویسے ہی اسباب ہو جاتے ہیں اور وہ ہو کر رہتا ہے۔“

اغلب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ جمیلہ کا دل ان سے باتیں کرنے اور انہیں کچھ ہدایتیں کرنے کو چاہتا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھی ادھر ادھر عائشہ صفیہ کی نظروں سے بچتی اغلب کے کمرہ میں داخل ہوئی۔ اغلب کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے کمرہ میں چاند گھس آیا ہو۔ انہوں نے اس کا استقبال کیا۔

جمیلہ نے کہا یہ تم نے کیا غلطی کی تھی۔ تنہا کیوں آئے.....؟

اغلب نے نادم ہو کر کہا۔ غلطی ہونی تھی ہو گئی۔ اب احتیاط رکھوں گا۔

جمیلہ :- نہیں تمہیں اپنی بہادری پر بڑا ناز ہے۔

اغلب :- میں نے کبھی اپنی دلیری پر غرور نہیں کیا۔ صرف یہ سمجھ لو کہ میں ایک مجاہد ہوں۔

جمیلہ سے تینکھی چٹون سے دیکھ کر کہا۔ بڑے مجاہد آخر تم نے احتیاط کیوں نہیں کی۔ کیا سمجھتے تھے۔

مناسب نہیں ہے کہ آپ مجھے لے چلیں۔ اس بات کو شہرت بھی نہ دیتے کہ میں آگیا تھا۔ اور وہ چلے گئے اغلب نے بھی انہیں نہیں روکا۔ دوسرا عیسائی جس کا ہاتھ کٹا تھا بیہوش پڑا تھا۔ اغلب نے چلنے کا قصد کیا ہی تھا کہ دو مسلمان سامنے سے آگئے۔ دونوں سپاہی تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ بے ہوش عیسائی کو قاضی کے حضور میں لیجائیں تاکہ وہ اس کا بیان لے سکیں۔ اور خود وہاں سے گھر چلے گئے۔

سپاہیوں نے اسے اٹھایا اور قاضی کے پاس لے گئے انہوں نے عیسائی کو ہوش میں لانے کی تدبیر کی وہ ہوش میں آگیا۔ اس نے بتایا کہ سرقوسہ کے گورنر نے پچیس آدمی شہزادہ اغلب اور امیر ابوالنہر کے قتل پر مامور کئے ہیں۔ اس سے ان کے نام پوچھے گئے۔ مگر اس نے نہیں بتائے آخر اسے قتل کی سزا دی گئی۔

(۴۷)

اب طبرمین میں اس بات کی شہرت ہو گئی کہ عیسائیوں نے پچیس ایسے اوباش عیسائی بھیجے ہیں جو اغلب اور ابوالنہر کو قتل کرنے کی فکر میں ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں جوش پھیل گیا اور وہ عیسائیوں سے کبیدہ خاطر ہو گئے۔ ابوالنہر نے یہ اعلان کرا دیا کہ جو عیسائی طبرمین کے رہنے والے ہیں۔ وہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں ہیں۔ وہ جزیہ دیتے ہیں ان کی حفاظت ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ان پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے نہ ہی ان سے قطع تعلق کیا جائے۔ البتہ جو عیسائی باہر سے آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے حاکم سے کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے۔ وہ ہماری ذمہ داری میں نہیں ہیں انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ مگر ان پر کوئی سختی نہ کی جائے۔ اسی اعلان میں عیسائیوں سے بھی یہ کہا گیا کہ وہ ایسے عیسائیوں کا سراغ لگا دیں جو بد ارادہ سے سرقوسہ یا کسی اور مقام سے طبرمین میں آئے ہیں۔ ایسے عیسائیوں کو جو ان لوگوں کا سراغ لگا کر اطلاع دیں گے انہیں انعام دیا جائے گا اور جو لوگ انہیں پناہ دیں گے اپنے یہاں ٹھہرائیں گے۔ یا ان کی کسی قسم کی مدد کریں گے وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کریں گے تو انہیں سزا دی جائے گی۔

عائشہ نے اغلب کے بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور الارک کے لئے دعا خیر کی۔ ابوالنہر نے اغلب سے کہا کہ وہ الارک کو تلاش کریں تاکہ انہیں ان کی مہربانی کا

اغلب :- کہہ نہیں رہا کہ غلطی ہو گئی۔ رہ گئی بہادری وہ تمہارے سامنے آتے ہی گرد ہو جاتی ہے۔

جمیلہ :- ”غصہ تو بہت ہی آرہا ہے۔“

اغلب نے کچھ خوشامد کچھ شرارت کے لہجہ میں کہا۔ ایسا غضب نہ کرنا۔ بس تمہارا غصہ ہی برا ہے۔

جمیلہ :- ”تم کسی سے ڈرتے تھوڑا ہی ہو۔“

اغلب :- ”تم سے بہت ڈرتا ہوں۔ دیکھ لو بدن میں تھر تھری پڑی ہوئی ہے۔“

جمیلہ :- ”بس باتیں بنالو۔“

اغلب :- ”اچھا غصہ تھوک دو۔“

جمیلہ :- ”جی تو یہ چاہتا ہے کہ.....“

اغلب نے قطع کلام کر کے کہا۔ نہیں نہیں۔ اگر تم نے اپنے جی کا کہا کیا تو میری کسمپختی آجائے گی۔

اغلب نے کچھ اس انداز سے یہ فقرے کہے کہ جمیلہ کو ہنسی آگئی۔ اغلب خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا خدا کا شکر ہے تمہیں ہنسی آگئی۔

رسیدہ بود بلائے دے بخیر گزشت

جمیلہ :- ”اچھا آئندہ کے لئے کیا کہتے ہو۔“

اغلب :- ”پوری پوری احتیاط رکھوں گا۔ تم تو غضب جلال کی ایسی دیوی بن گئی تھیں کہ میری روح تک تھرا گئی تھی۔ آجاؤ اب تو بیٹھ جاؤ۔ جمیلہ بڑے انداز اور بڑی ادا کے ساتھ بیٹھی حقیقت میں اسے غصہ آگیا تھا اور غصہ کے عالم میں وہ ایسی بھلی اور پیاری معلوم ہو رہی تھی کہ بے اختیار پیار کرنے کو جی چاہتا تھا۔ اغلب نے یہ بات اسے بتائی تھی۔ وہ مسکرائے لگی اور یہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

اس روز سے اغلب نے بڑی احتیاط شروع کر دی۔ ابوالضر بھی احتیاط کرنے لگے۔ ایک روز ابوالضر اور اغلب پریڈ سے واپس آرہے تھے کہ اغلب نے الارک کو دیکھا وہ انہیں دیکھ کر جلدی جلدی قدم اٹھانے اور دوسری طرف نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے.....

اغلب نے آواز دی۔ الارک ٹھہرو۔

انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔ اغلب نے ان کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔

اور پھر پکارا۔ ”الارک۔“

اب مجبوراً الارک کو ٹھہرنا پڑا۔ انہوں نے اغلب کو سلام کیا۔ اغلب ان کے پاس پہنچ کر گھوڑے سے اترے اور بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کر کے بولے ”میرے محسن۔“

الارک :- ”ایسا نہ کہئے۔ میں آپ کا خادم ہوں۔“

اتنے میں ابوالضر بھی وہاں آگئے وہ بھی گھوڑے سے اتر پڑے۔ انہوں نے بڑے تپاک سے مصافحہ کر کے کہا۔ تم ہمارے خاندان کے محسن ہو۔

الارک :- ”ایسا نہ کہئے۔ آپ بادشاہ کے نائب ہیں۔ میں آپکی رعایا، محسن نہیں، خادم ہوں۔“

ابوالضر :- ”تم ہمارے عزیز ہو۔ لیکن ہم سے نفرت کیوں کرتے ہو۔“

الارک :- ”توبہ کیجئے میں اور نفرت کروں۔“

ابوالضر :- ”پھر ہم سے بچتے کیوں ہو۔“

الارک :- ”اس لئے کہ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں کوئی احسان جتان چاہتا ہوں۔“

اور پھر ابوالضر انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اور انہیں

طیرمین کا کوئوال مقرر کر دیا۔ الارک اس عمدہ سے بہت خوش ہوئے۔ اغلب نے جمیلہ سے کہا۔ تمہارے بھائی اور میرے محسن آئے ہیں۔

جمیلہ :- ”میں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔“

اغلب :- ”ضرور کرو۔“

صفیہ اور عائشہ پردہ میں چلی گئیں۔ جمیلہ چہرہ پر نقاب ڈال کر بیٹھ گئی۔ اغلب الارک کو لائے اور وہاں سے چلے گئے۔ جمیلہ نے کہا، میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔“

الارک نے مسکرا کر کہا۔ جس زبان سے تم نے مجھے بھائی بنایا ہے۔ پھر ہنس کر

بولے۔ مگر بہن بھی کہیں بھائی کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

جمیلہ :- ”تم نے مجھ پر اور نائب السلطنت کے خاندان پر بڑا احسان کیا ہے۔“

الارک :- اس کا صلہ پالیا۔ آج نائب السلطنت نے مجھے طیرمین کا کوٹوال مقرر کر دیا ہے۔

جمیلہ :- مگر جو احسان تم نے کیا ہے اس کے مقابلے میں یہ کوئی صلہ نہیں ہے۔
الارک :- ”ہن تمہارا دل خوش ہو گیا“ مجھے صلہ مل گیا۔“

جمیلہ نے کچھ پیش کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا میں تمہارا بڑا بھائی ہوں اور باپ ہوں تمہیں دے سکتا ہوں تم سے لے نہیں سکتا۔

کچھ دیر اور بیٹھ کر وہ چلے گئے۔ انہوں نے اسی روز کوٹوالی کا چارج لے لیا۔ تمام مسلمان ان کے مشکور تھے۔ ان کے طرز عمل سے چند ہی روز میں سسلی کے قدیم باشندے اور عیسائی اور مسلمان سب خوش ہو گئے انہوں نے پندرہ ہی روز میں دس وہ عیسائی گرفتار کر لئے جو اغلب اور ابوالفر کے قتل پر مامور ہو کر آئے تھے۔ اس سے ان کی اور شہرت ہو گئی اور مسلمانوں میں وہ اور بھی ہر دل عزیز ہو گئے۔

ابوالفر کچھ بے فکر ہو گئے۔ کبھی کبھی وہ تنہا بھی کہیں آنے جانے لگے الارک نے انہیں تنبیہ کی وہ سمجھے خطرہ ٹل گیا۔ ایک روز وہ پریڈ سے آرہے تھے کئی سپاہی ساتھ تھے۔ ایک پریشان حال عیسائی انہیں ملا اور ایک درخواست انہیں پیش کی۔ وہ درخواست پڑھنے لگے۔ اور عیسائی نے جلدی سے خنجر نکال کر بڑی پھرتی سے ان کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ انہوں نے آہ کی۔ مسلمانوں نے اس عیسائی کے ٹکڑے اڑا دیے۔ اور زخمی ابوالفر کو گھر لے کر روانہ ہوئے۔ لیکن وہ راستہ ہی میں شہید ہو گئے۔ گھر لاش پہونچی۔ ان کے مرنے کی خبر سنتے ہی عائشہ بے ہوش ہو گئیں اور تمام گھر میں کھرام مچ گیا۔ جب شہر والوں کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو سب کو بڑا صدمہ ہوا۔ فوراً ”تمام بازار اور کاروبار بند ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو عیسائیوں پر بڑا جوش آیا۔ لیکن زیادہ علماء نے مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کیا۔ اور ناخوشگوار واقعہ کوئی پیش نہ آیا۔“

(۴۸)

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔

ابوالفر بڑے ہر دل عزیز تھے۔ ان کی موت کا صدمہ سب ہی کو ہوا۔ جب ان کی شہادت کی خبر قیروان پہونچی تو وہاں بھی کھرام مچ گیا امیر قیروان نے حکم دے دیا کہ تمام

جزیرہ سسلی پر فوراً قبضہ کر لیا جائے۔ ابوالفر کے بھائی ابن عبداللہ کو کچھ فوج دے کر سسلی روانہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ ایسے سائنسدان بھیجے جو آنکھیر مادہ سے کام لینا جانتے تھے جن کی عقل و فہم کا تمام افریقہ میں شہرہ تھا۔ یہ سب لوگ عرب تھے ان میں اعلیٰ درجہ کے نجومی بھی تھے گھڑی ساز بھی تھے بحری سرنگیں بنانے والے بھی تھے ہم بنانے والے بھی تھے جو فصیل میں دراڑیں کھولتے چلے جائیں ان لوگوں نے بغداد میں جا کر تعلیم حاصل کی اور جو کچھ سیکھ کر آئے تھے اس سے کچھ زیادہ ہی بنا لیتے تھے۔ امیر قیروان نے ان کی تنخواہیں مقرر کر دی تھیں وہ رات دن ایجادات میں مصروف رہتے تھے۔

ابن عبداللہ فوج لے کر روانہ ہوئے یہ لشکر جہازوں میں سوار ہو کر گیا اس لشکر کے ہر سپاہی کے دل میں بڑا جوش تھا انہیں اس بات پر غصہ تھا کہ ابوالفر کو عیسائیوں نے دغا بازی سے شہید کر دیا تھا۔

یہ فوج بھی مزارا کے بندرگاہ پر اتری۔ وہاں سے ابن عبداللہ سیدھے ہلمو گئے۔ کیونکہ انہیں ایک تو گورنری کا چارج لینا تھا دوسرے اپنی بھانج اور بھتیجے کو تسلی دینا تھی۔ عائشہ جمیلہ اغلب کے ساتھ ہلمو آ گئی تھیں اور صفیہ طیرمین ہی میں رہ گئی تھی۔

لیکن ابوالفر سے عائشہ کو ایسی محبت تھی کہ باوجود ضبط و صبر کرنے کے گھلتی چلی گئیں اور آخر اپنے شوہر کی وفات کے چند ہی مہینے بعد خود بھی داغ مضارفت دے گئیں ان کی موت کا اغلب اور جمیلہ دونوں ہی کو بڑا صدمہ ہوا یہ صدمہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ ہوا کہ مرتے مرتے عائشہ کی یہ خواہش رہی کہ وہ اغلب کی اولاد کو کھلائے حالانکہ جمیلہ کو امید تھی اور بچہ پیدا ہونے کے دن قریب تھے ابن عبداللہ نے ہلمو پہونچ کر اغلب کو تسلی دی انہوں نے انہیں یعنی اغلب کو بیٹا بنا لیا ان کی کنیت ابو اغلب ہو گئی۔ انہوں نے کوشش کی کہ اغلب اور جمیلہ کا غم دور ہو جائے اور وہ خوش رہیں وہ جمیلہ کو اس لئے بھی خوش رکھنا چاہتے تھے کہ اس کے غم کا اثر بچہ پر نہ ہو انہوں نے اغلب سے کہا میں اپنے بھائی اور تمہارے باپ کا انتقام لینے کے لئے آیا ہوں تم میرے ساتھ چلو۔“

اغلب تیار ہو گئے انہوں نے ایک چھوٹا سا بیڑا جہازوں کا تیار کیا اور کئی جہازوں میں زیر آب چلنے والی سرنگ لگائی یہ ایک موٹا تار تھا جس کے اندر کیمیاوی مادہ بھرا

ہوا تھا اور جس میں اپنے جہاز سے آگ لگا دی جاتی تھی وہ اس زمانہ کا تار (۱) پیڈو بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک کوئی چیز تھی اس بیڑے میں مجاہدین اسلام روانہ ہوئے ابن عبد اللہ یعنی ابو اغلب اور اغلب بھی چلے پانچ جہازوں پر اغلب کو افسر مقرر کیا گیا ایک جہاز ان میں ایسا بھی تھا جس میں زیر آب سرنگ لگی ہوئی تھی۔ یہ بیڑا کوریون کی طرف روانہ ہوا۔

کوریون پلوسو سے اکیس میل کے فاصلے پر لب ساحل واقع تھا سرقوسہ کے گورنر کو اس لشکر کشی کی اطلاع ہو گئی تھی اس نے سو جہازوں میں آٹھ ہزار لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور مسلمان کل تیس چھوٹے جہازوں میں تھے اور لشکر چار ہزار کے قریب تھا دونوں جہازوں کا مقابلہ کوریون کے قریب ہو گیا سب سے آگے شاہزادہ اغلب کے جہاز تھے۔ عیسائی جہازوں کو دیکھتے ہی ان کا جوش بیجان میں آ گیا۔ انہوں نے اپنے جہازوں کو بڑھا دیا۔

عیسائیوں کے پندرہ جہازوں نے شاہزادہ اغلب کے پانچ جہازوں پر چیل کی طرح جھپٹا مارا۔ اغلب کے جہازوں نے لنگر ڈال دیئے اور دشمنوں کے آنے کا انتظار کرنے لگے عیسائی جہاز دوڑے چلے آ رہے تھے۔ جس جہاز میں زیر آب سرنگیں تھیں اس میں دو سائنسدان بیٹھے تھے دونوں نے دو تار پانی میں ڈالے اور چرنی کے ذریعہ سے ان تاروں کو سمندر میں تیزی سے دوڑا دیا۔ عیسائیوں کے بڑے دو جہاز نہایت تیزی سے آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسلامی چھوٹے جہازوں کو غرق کر دیں گے سائنسدان تیزی سے چرخیاں گھماتے رہے انہوں نے اندازہ لگا کر تار کو آگ دکھائی۔ آگ پندرہ منٹ میں عیسائیوں کے ایک جہاز میں ہولناک دھماکا ہوا ا دھماکے کے ساتھ ہی جہاز کا پیندا اڑ گیا سینکڑوں عیسائی سمندر میں جا پڑے جہاز میں پانی بھر گیا وہ چکر کر ڈوبنے لگا دوسرے جہازوں کے عیسائیوں کو اس قدر حیرت ہوئی کہ وہ دم بخود رہ گئے دوسرا جہاز جو ڈوبنے والے جہاز سے کچھ فاصلے پر آ رہا تھا ڈگر لگایا اور پھر اس میں بھی دھماکا ہوا اور اس کا بھی پیندا پھٹ گیا اس کے بھی عیسائی سمندر میں غرق ہو گئے اور وہ جہاز بھی چکر کھانے اور ڈوبنے لگا ان دونوں ڈوبنے والے جہازوں نے ایسا گرداب

تاریخ اخبار اندلس جلد سوم صفحہ ۲۵ پر اس نئی قسم کے تار پیڈو کا نام "تار ایونانیہ" لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اس عجیب قسم کے تار کا نام کوئی نہیں رکھا گیا تھا۔ عیسائی اسے "تار ایونانیہ" کہتے تھے اور عرب زیر آب سرنگ کہتے تھے اس سے دشمن کے جہازوں کے پیندے پھٹ جاتے تھے زمانہ حال میں اسے تار پیڈو کا یاد آ رہا ہے۔

پیدا کیا کہ ایک تیسرے عیسائی جہاز کو بھی کھینچ لیا اور وہ بھی چکر کھا کر ڈوبنے لگا۔

عیسائیوں نے شور مچایا جادو گروں نے جادو شروع کر دیا جہاز پیچھے ہٹاؤ اور واپس چلو۔

عربوں نے یہ تار پیڈو مار کر جہازوں کے پیندے اڑانے کی نئی تجویز ایجاد کی تھی۔ عیسائیوں نے اسے مسلمانوں کا جادو بتایا انہوں نے اپنے جہاز روک لئے ان پر کچھ ایسی ہیبت چھا گئی کہ وہ واپس بھاگ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنے ان سپاہیوں اور ملاحوں کو بچانے کی کوشش نہیں کی جو مدوٹنے کی امید میں تیر رہے تھے اگر وہ چھوٹی کشتیاں چھوڑ دیتے تو بہت سے فوجی اور ملاح بچائے جاسکتے تھے مگر انہیں تو خود اپنی فکر پڑ گئی اور وہ بھاگ نکلے مسلمانوں نے اپنے جہاز ان کے تعاقب میں دوڑائے عیسائی کوریون کی بندرگاہ سے بھی آگے نکل گئے اسلامی جہاز بندرگاہ پر پہنچے۔ مسلمان ساحل پر اترنے لگے کچھ عیسائی فوجیں ساحل پر موجود تھیں انہوں نے حیرت سے اپنے جہازوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ ان کے جہاز بڑوں کے ساتھ کیوں بھاگے جا رہے ہیں ان کی حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ مسلمانوں نے ساحل پر اتر کر ان پر حملہ کر دیا اور اس سختی سے حملہ کیا کہ صفوں پر صفیں الٹ دیں لاشوں پر لاشیں ڈال دیں عیسائیوں نے بھی پورے جوش سے ان کا مقابلہ کیا لیکن وہ مسلمانوں کو نہ روک سکے ان کی بھاری تعداد چشم زدن میں ماری گئی کئی افسر کام آئے مسلمان دس بارہ شہید ہوئے وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں مار ڈالا یا گرفتار کر لیا اور دوڑتے ہوئے کوریون کے اندر داخل ہو گئے عیسائیوں نے امان امان چلانا شروع کر دیا مسلمانوں نے تلواریں روک لیں انہیں قتل نہیں کیا مگر سب کو گرفتار کر لیا سرکاری خزانے اور دولت مندوں کی دولت پر قبضہ کر لیا پھر ڈھائی سو آدمیوں کو کوریون پر چھوڑا اور دوسرے روز پلانٹائی کی طرف بڑھے وہ بندرگاہ سے نکل کر تھوڑی ہی دور بڑھے تھے کہ عیسائیوں کا وہی بیڑہ مل گیا جو اپنے تین جہاز غرق کرا کر بھاگا تھا اب اسلامی جہاز اس کی طرف بڑھے اور وہ بھی مقابلے کے لئے تیار ہو گیا آج ابو اغلب کے جہاز آگے تھے اور وہ جہاز جن میں زیر آب سرنگ لگی ہوئی تھیں پیش پیش تھے ان جہازوں سے سرنگیں پھینکی گئیں دونوں جہازوں میں سے دو دو سرنگیں چلیں۔

پھر تھوڑی ہی دیر میں زور کے دھماکے ہوئے دو جہازوں کے پیندے اڑ گئے اور سپاہی پانی میں غوطے کھانے لگے ملاحوں نے چھوٹی کشتیاں کھینچ کر نکال کر سمندر میں

سربلی :- ”جب تو میں ضرور سنوں گی۔“
افسر :- ”شروع کیجئے۔“

خاتون :- ”مگر انہیں (سربلی کو) اشارہ کر کے ادھوری داستان میں کہا لطف آئے گا۔“
سربلی :- ”مجھے راز تو معلوم ہو جائے گا۔“
خاتون :- ”ہاں راز تو ضرور معلوم ہو جائے گا اور راز ہی کیا مجھ غمزہ کی غمناک داستان ہے وہ سن لو گی۔“

سربلی :- ”وہی داستان سہی۔ اور خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔

جب پلاٹھی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو ابو اغلب یعنی ابن عبد اللہ نے ہلمو سے کچھ اور فوج طلب کی ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ تمام جزیرہ پر قبضہ کر لیں انہیں امیر قیروان نے اسی ہدایت سے بھیجا تھا اور امدادی فوجیں آنے سے پہلے مسلمان شہر ماری نیو کی طرف بڑھے۔ یہ شہر بھی سمندر کے کنارے پر واقع تھا عیسائی بیڑے نے جب اسلامی جہازوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو وہ خلیج سینیا کی طرف ٹل گیا اور مسلمانوں نے ماری نیو پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس عرصہ میں ہلمو سے فوج آگئی اس فوج کے ساتھ الارک بھی آئے انہوں نے اغلب سے بتایا کہ جیلہ نے انہیں بھیجا ہے اغلب کو ان کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔

اب امیر ابو اغلب نے مینا پر لشکر کشی کی انہوں نے وہ جہاز جو ان کے ساتھ آئے تھے اور وہ جہاز جن میں امدادی فوج آئی تھی اغلب کی سرکردگی میں مینا کی طرف روانہ کئے اور چلتے وقت اغلب سے کہا۔ ”میں یہ مہم تمہاری قوت تمہارے تحمل اور تمہارے استقلال و بہادری کے امتحان کے لئے روانہ کی جا رہی ہے بیجا جوش نہ کرنا سپاہیوں کے آرام کا خیال رکھنا زیادہ خونریزی نہ کرنا دشمن امان طلب کرے تو فوراً امان دینا۔ اس کا خیال رکھنا کہ تم قیروان کے شاہی خاندان سے ہو۔ جاؤ خدا تمہاری مدد کرے۔“

الارک سے انہوں نے کہا تم سنجیدہ ہو اس ملک کے حالات سے واقف ہو شاہزادہ اغلب کی صحیح رہنمائی و حفاظت کرنا۔“

اور یہ لشکر روانہ ہوا چونکہ اس کا رخ مینا کی طرف تھا اس لئے عیسائی دنیا میں تہلکہ مچ گیا سرقوسہ اور وہاں سے قسطنطنیہ تک یہ خبر پہنچا دی گئی اور مدد طلب کی گئی مینا نہایت مضبوط شہر تھا اس کا بندرگاہ چار میل میں تھا ایک ہزار سے زیادہ جہاز ایک وقت میں بندرگاہ میں آ سکتے تھے خلیج مینا جزیرہ سسلی کو اٹلی سے علیحدہ

پہنچیں لیکن جہازوں نے ایسا بھنور کر لیا کہ تمام کشتیاں کھینچ کر ان کے پاس پہنچ گئیں اور جہازوں کے ساتھ ہی ڈوب گئیں عیسائیوں نے اپنے جہاز پیچھے ہٹائے لیکن پھر فوراً ہی دو جہاز اور پھٹ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی غرق ہو گئے عیسائیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں وہ بقیہ جہازوں کو لے کر تیزی سے بھاگے پلاٹھی کے عیسائی فہیل پر کھڑے جنگ کا تماشہ دیکھ رہے تھے وہ بھی ہول گئے اور اپنے بیڑے کے بھاگتے ہی انہوں نے بھی قلعہ پر سفید جھنڈا لہرا دیا ابو اغلب نے اغلب کو ایک ہزار مسلمانوں کے قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا اغلب نے جاتے ہی قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

(۵۹)

خاتون کچھ سوچنے لگیں۔ افسر نے کہا۔ کیا سوچنے لگی ہو تم۔“

وہ کچھ چونک پڑیں انہوں نے کہا کیا سوچ رہی ہوں....؟ کیا بتاؤں۔“
افسر :- ”کوئی بات یاد آگئی ہے۔“

خاتون :- ”یاد سب کچھ ہے اگر یاد نہ ہوتا تو یہ داستان کیسے بیان کرتی۔“
افسر :- ”تم اس وقت کچھ افسردہ خاطر ہو گئی ہو۔“

خاتون :- ”کبھی کبھی میری یہ کیفیت ہو جاتی ہے شاید اب خدا رحم کرے اور میں پھر خوشی کے وہ دن دیکھوں جس کی مجھے تمنا ہے۔“

افسر :- ”خدا ایسا ہی کرے میں تمہیں خوش کرنے کے لئے اور تمہاری خوشی واپس دلانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔“

خاتون کا چہرہ چمک اٹھا۔ انہوں نے کہا یقین ہے میں اپنی خوشی پالو گی تم سے یہی توقع ہے وعدہ کرتی ہوں کہ اب میں افسردہ خاطر نہ ہوں گی۔“

افسر :- ”اچھا تو شروع کرو باقی داستان اس وقت سربلی وہاں آگئی اس نے افسر کو دیکھ کر کہا اچھا تم یہاں بیٹھے ہو۔ میرا اور فے نس کا تو یہ خیال تھا کہ تم خاتون کے ساتھ غار میں چلے گئے ہو۔“

افسر :- ”ہم غار میں نہیں گئے منظر خوشنما معلوم ہوا ہمیں بیٹھ گئے۔ آؤ بیٹھو اور سنو خاتون ایک داستان بیان کر رہی ہیں۔“ پھر سربلی خاتون کے قریب بیٹھ گئی اور کہا کیا انہوں نے خاتون تم سے اپنا راز بیان کر دیا۔“

افسر :- ”ابھی نہیں کیا۔“

:- ”جو داستان میں بیان کر رہی ہوں میرا راز بھی اسی میں ہے۔“

غور کر رہا تھا کہ مجھے مسلمان ہو جانا چاہئے۔ آج وہ وقت آ گیا ہے مجھے مسلمان کر لیجئے۔ اغلب اور تمام مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی نیز جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تھا تو تمام مسلمان بہت زیادہ خوش ہوتے تھے چنانچہ الارک کو مسلمان کر لیا گیا۔

اغلب وہاں سے لشکر کو جہازوں میں سوار کر کے مینا پہنچے مینا کا عظیم بندر گاہ عیسائی جہازوں سے بھرا پڑا تھا لیکن ان تمام جہازوں کے ملاحوں و بحری افسروں اور سپاہیوں کو یہ بات معلوم تھی کہ مسلمانوں کے پاس کوئی ایسی جادو کی چیز ہے جس سے وہ عیسائیوں کے جہازوں کی پیندیاں پھاڑ دیتے ہیں اور وہ جہاز ڈوب جاتا ہے اس لئے سب لوگ خوف زدہ تھے۔

اسلامی جہاز عیسائی جہازوں سے کچھ فاصلہ پر لنگر انداز ہو گئے عین مغرب کے وقت یہ لوگ وہاں پہنچے تھے فوراً ہر جہاز میں مغرب کی اذان ہوئی اور مسلمانوں نے ہر جہاز میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی مسلمان پہاڑوں پر ہوتے یا بیابانوں میں یا دریاؤں میں ہوتے یا سمندر میں نماز ضرور پڑھتے تھے عشا کی نماز کے بعد الارک پانچ سو مسلمانوں کو لے کر خشکی پر اترے اور قلعہ میسینا کی پشت پر پہنچ کر صبح کا انتظار کرنے لگے۔

جب صبح ہوئی اور آفتاب نے افق مشرق سے سر نکالا تو عیسائی جہازوں کے لوگوں نے اور قلعہ مسینا کی فوجوں نے اسلامی جہازوں کی طرف دیکھنا شروع کیا ان کا خیال تھا کہ مسلمان صبح ہوتے ہی جہازوں سے حملہ کریں گے۔

ابھی عیسائی سمندر کی طرف دیکھ ہی رہے تھے کہ الارک جن کا اسلامی نام سعود رکھا گیا تھا کمندوں کے ذریعہ سے قلعہ کی پشت (۱) پر چڑھ گئے اور انہوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر حملہ کر دیا عیسائی گھبرا گئے وہ مقابلہ ہی نہ کر سکے۔

الارک نے جلدی سے قلعہ کے اوپر سے بیزنطینی جھنڈا اتار کر اسلامی جھنڈا لہرایا مسلمانوں نے دیکھ لیا جہازوں میں جو مسلمان تھے انہوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اذھر قلعہ کے عیسائیوں نے شور کیا عیسائی جہاز والوں نے پلٹ کر دیکھا انہیں قلعہ پر اسلامی جھنڈا لہراتا نظر آیا ان کے دل سینوں میں ڈوب گئے وہ لنگر اٹھا کر دوسری طرف سے اپنے جہاز نکال لے گئے اس طرح ایک عظیم الشان بندرگاہ مہینار پر بلا ایک قطرہ خون کا بہائے مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا یہ فتح عظیم الشان فتح تھی اس فتح سے اسلامی قوت بڑھ گئی اور عیسائیوں کا زور ٹوٹ گیا۔“

پر بلا ایک قطرہ خون کا بہائے مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا یہ فتح عظیم الشان فتح تھی اس فتح سے اسلامی قوت بڑھ گئی اور عیسائیوں کا زور ٹوٹ گیا۔“

از تاریخ اخبار اندلس جلد دوم صفحہ ۳

ہیں ان کے پیچھے سوار ہیں دیکھتے ہی دیکھتے بندرگاہ سے شریک جلوس پھیل گیا شہر سے بے شمار لوگ استقبال کے لئے باہر چلے گئے اللہ اکبر اور اغلب زندہ باد کے نعروں سے زمین و آسمان گونج رہے تھے اب جیلہ اتر آئی کئی دھماکے بڑے نور کے ہوئے اسے بتایا گیا کہ پٹانے چھوڑے گئے ہیں اور جلوس شہر میں داخل ہو گیا ہے وہ چاہتی تھی کہ جلوس جلدی ختم ہو جائے اور اغلب سیدھے اس کے پاس چلے آئیں وہ انہیں اس چھٹی کی گڑیا کو دیکھنا چاہتی تھی جو دن بدن نکھرتی اور حسین ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ جلوس دارالامارت میں پہنچ گیا ہے اور چچا نے وہاں بھیجے کا نہایت شاندار استقبال کیا ہے بھرے مجمع میں انہیں اپنے سینہ سے لگا کر اپنی محبت اور شفقت کا اظہار کیا ہے اسے معلوم ہوا کہ اغلب چچا کو قیدیوں کی تعداد شمار کرا رہے ہیں اور مال غنیمت پیش کر رہے ہیں اس نے کہا یہ بھی کوئی ضروری کام تھا یہ نہ سمجھا کوئی انتظار کر رہا ہے پہلے یہاں چلے آتے پھر جا کر قیدی اور مال غنیمت سنبھالوا دیتے۔۔۔۔۔ مگر یہ مرد ہوتے ہی سنگ دل اور بیوفا ہیں۔“

وہ رک گئی اس کے دل نے کہا۔ وہ سنگ دل نہیں ہیں بے وفا بھی نہیں ہیں اچھا ہی کیا انہوں نے جو سیدھے یہاں نہ آئے چچا یہ سمجھتے کہ دلہن کی دید کا کس قدر اشتیاق تھا مجھے چچا جان کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا۔۔۔۔۔ بہت اچھا کیا انہوں نے سب کاموں سے نہٹ کر اطمینان سے آویں گے اس روز اس نے اپنی بہترین پوشاک پہنی تھی سچ سچ حور معلوم ہو رہی تھی عذرا کو بھی اچھے کپڑے پہنائے تھے وہ اب پانچ مہینے کی ہو گئی تھی ماں کو خوش دیکھ کر ہنس رہی تھی جیسے وہ بھی خوش ہو رہی ہو جیلہ نے اس سے دل بہلانے کے لئے باتیں شروع کیں۔ بتاؤ عذرا! کون آرہے ہیں آج میں اس قدر مسرور کیوں ہوں۔ تم اس قدر خوش کیوں ہو؟ بے بات ہنس رہی ہو۔ آج تو مکان کے در و دیوار بھی مسکرا رہے ہیں بتاؤ کون آرہے ہیں؟“

اسی وقت کنیزیں دوڑتی ہوئی آئیں اور خبر لائیں۔ ”شاہزادے آرہے ہیں۔“ جیلہ کارواں رواں خوش ہو گیا جوش مسرت سے چہرہ ارغوانی ہو گیا آنکھوں میں چمک آگئی وہ ان کے استقبال کے لئے چلی مگر وہ ابھی گئے اور جیلہ کو دیکھتے کچھ مسرور ہو گئے انہوں نے کہا سسلی کی حسین ساحرہ سلام!“

جیلہ نے شوخی سے کہا ”خوش رہو۔ اور جلدی سے عذرا کو ان کی طرف بڑھا کر کہا۔ ”لو اپنی چٹھلی کو سنبھالو۔“

اغلب نے عذرا کو نہیں دیکھا تھا اب جو اس پر نظر گئی تو خوش ہو گئے اور انہوں

خاتون نے کہا۔ اغلب کی فتح یابی کی خبریں ہلہ میں آرہی تھیں۔ ان کے چچا باغ باغ ہو رہے تھے جیلہ بھی خوش تھی بہت ہی خوش۔۔۔۔۔ ابو اغلب اکثر جیلہ کے پاس آتے اور کہتے اغلب نام پیدا کر رہا ہے اسلام کی خدمت کر رہا ہے بڑا دلیر اور با حوصلہ نوجوان ہے خدا اس کی مدد کرے اور اسے اپنی حفاظت میں رکھے جیلہ بھی پھولی نہیں سکتی تھی جب مہینا کی فتح یابی کی خبر آئی تو ابو اغلب نے سجدہ شکر ادا کیا اور اغلب کو لکھا کہ مہینا کا معقول انتظام کر کے واپس چلے آؤ جیلہ کو بھی انہوں نے بتا دیا۔۔۔۔۔ وہ اور بھی خوش ہوئی۔ اس عرصہ میں جیلہ کے لڑکی پیدا ہوئی لڑکی بالکل اپنی ماں پر گئی تھی وہی حسین آنکھیں خوبصورت چہرہ موزوں ناک چھوٹا سادہ بن اسے دیکھتے ہی اس پر پیار آتا تھا انگلت ایسی تھی جیسے گلاب کے پھولوں کے عرق میں میدا سمو کر گڑیا بنا دیا ہو سفید اور اس پر ہلکا گلابی پن غالب ابو اغلب کے سامنے جب نام رکھنے کے لئے پیش کی گئی تو انہوں نے بے اختیار اسے اپنے سینہ سے لگا لیا کہنے لگے واہ واہ خدا نے جنت سے حور کی بچی بھیج دی۔ اس کا نام عذرا ٹھیک رہے گا۔ اور اس کا نام عذرا رکھ دیا گیا ابو اغلب نے بڑی خیرات کی تمام مسجدوں میں کھانا بھجوا دیا اور ہر مسجد کے امام سے درخواست کی کہ عذرا کی درازی عمر اور خوش اقبالی کی دعائیں مانگیں کئی روز تک پانچوں وقت ہر مسجد میں دعائیں مانگی گئیں۔ جیلہ کو خیال تھا کہ شاید بیٹی پیدا ہونے سے ابو اغلب کچھ خوش نہ ہوں مگر جب اس نے سنا کہ انہوں نے بڑی خیرات کی ہے اور اس کی درازی عمر اور خوش اقبالی کی دعائیں منگوائی ہیں تو وہ ان کی بہت شکر گزار ہوئی ابو اغلب نے جیلہ اور عذرا دونوں کی خدمت میں بے شمار کنیزیں مقرر کر دیں نیز کھانے پینے کی مقوی اور زود ہضم چیزیں جیلہ کو دی جانے لگیں جیلہ اور بھی نکھر گئی پہلے سے زیادہ حسین نظر آنے لگی اب وہ عورت بن گئی تھی پیکر حسن و جمال عورت۔۔۔۔۔ جیلہ اغلب کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی آخر اس نے سنا کہ ان کے جہاز ساحل پر آنے لگے اس کی خوشی کی حد نہ رہی اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ چچا نے ان کے استقبال کا انتظام کیا ہے وہ قصر شاہی میں تھی یہ قصر اس قدر اونچا تھا کہ اس کی چھت سے بندرگاہ نظر آ رہا تھا شوق دید میں جیلہ چھت پر چڑھ گئی اس نے دیکھا کہ جلوس بندرگاہ سے ہی مرتب کر لیا گیا ہے سب سے آگے پیدل

تو اس نے کہا نہیں بچی کو مجھ سے الگ رکھو کہیں میری بیماری کا اثر اس پر نہ ہو جائے میں اسے دور ہی سے دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتی ہوں اگر خدا نے رحم کیا اور میں اچھی ہو گئی تو خوب لوں گی اور خوب پیار کروں گی خوب کھلاؤں گی۔“

لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی جوں جوں علاج ہوتا رہا اس کی طبیعت اور بگڑتی رہی آخر وہ وقت آپہنچا جس کا علاج انسان کے پاس نہیں ہے اور موت نے آ دیا اور صفیہ ایک روز اچانک مر گئی اور دل کی حرکت بند ہو گئی جمیلہ اور اغلب دونوں کو سخت صدمہ ہوا۔

(۵۱)

خاتون نے بیان کرنا شروع کیا۔ اگرچہ جمیلہ کو اپنی ماں کے مرنے کا بڑا ہی صدمہ ہوا لیکن رفتہ رفتہ یہ صدمہ کم ہونے لگا دنیا کی دلفریبیاں اسے اپنی طرف لہانے لگیں عذرا نے اس کا غم دور کرنے میں بڑی مدد دی اس کی عمر ایک سال کے قریب ہو گئی تھی۔ جب جمیلہ صفیہ کو یاد کر کے رونے لگتی تو عذرا بھی رونے لگتی اور ایسے روتی کہ جمیلہ اپنا رونا بھول کر اسے چپ کرانے میں لگ جاتی۔ اس نے یہ سمجھ لیا کہ عذرا اسے روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگتی ہے۔ اس لئے اس نے رونا بند کر دیا مگر کبھی کبھی جب غم کا غلبہ ہوتا تو وہ پریشان و غمزہ ہو جاتی۔ عذرا اسے دیکھ کر پہلے ہنستی اور اسے ہنسانے کی کوشش کرتی۔ جب وہ نہ ہنستی تو وہ خود بھی رونے کے لئے ہونٹ نکال دیتی۔ مجبوراً ”جمیلہ کو بہ جبر مسکراتا پڑتا۔ اس طرح وہ رفتہ رفتہ غم بھولنے اور عذرا کو خوش رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

عذرا کی دیکھ بھال کے لئے کئی کنیزیں تھیں۔ کئی لڑکے اور لڑکیاں اسے کھلانے کے لئے تھیں۔ سیر کرانے کے لئے کئی غلام تھے۔ اسے دن میں دو مرتبہ نہلایا جاتا اور تین مرتبہ اس کے کپڑے بدلے جاتے۔ وہ پھول تھی، پھولوں سے بھی زیادہ احتیاط سے ہاتھوں چھاؤں میں رکھی جاتی تھی۔

جمیلہ اور اغلب دونوں اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ اگر ذرا بھی اس کا کان گرم ہو جاتا تو دونوں ہول جاتے دادودش شروع ہو جاتی۔ اور جب تک اسے آرام نہ ہو جاتا دونوں فکر مند اور پریشان رہتے۔

نے جلدی سے عذرا کو لے کر سینہ سے لگایا بھیچا اور پھر اس کا منہ چوم کر کہا ہمارا چاند..... حسین گڑیا..... خدا کا شکر ہے۔

جمیلہ اور بھی خوش ہو گئی۔ اغلب بیٹھ کر عذرا کو پیار کرنے لگے جمیلہ چاہتی تھی کہ اغلب اس سے بھی مخاطب ہوں اس سے باتیں کریں مگر وہ تو اس پانچ مہینہ کی بچی کو کھلا رہے تھے وہ ہنس رہی تھی اور وہ خوش ہو رہے تھے۔

اغلب کے آنے سے نہ صرف جمیلہ کو نہ صرف ابو اغلب کو بلکہ تمام مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی جمیلہ کے دن عید اور راتیں شب برات ہو رہی تھیں کہ خوشی کو گھن لگنا شروع ہوا طیرمین سے خبر آئی کہ زیاد نے وفات پائی جمیلہ اور اغلب دونوں کو ان کی وفات کا بڑا رنج ہوا۔۔۔۔۔ جمیلہ کو اپنی ماں یاد آئی اس نے اغلب سے کہا کہ امی جان کو دیکھے عرصہ ہو گیا اس سے ملنے کو جی چاہتا ہے اغلب نے کہا میں خود تم سے یہی کہنے والا تھا چچا جان سے اجازت لوں گا۔“

مگر انہیں اجازت لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی ابو اغلب نے انہیں زیاد کی جگہ طیرمین کا گورنر مقرر کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جلد ہی وہاں جا کر چارج لے لیں وہ تیاری کرنے لگے جمیلہ اور اغلب دونوں نے صفیہ کے لئے بے شمار تحائف لئے اور جن چیزوں سے صفیہ کو انیسیت تھی یا جن چیزوں کو وہ زیادہ پسند کرتی تھی وہ سب چیزیں بڑی افراط سے لے لی گئیں۔“

بڑے آدمیوں کو تیاری میں کچھ دیر نہیں لگتی وہ بھی تیار ہو گئے چچا نے بھتیجے کو اس طرح رخصت کیا جیسے وہ اپنے بیٹے کو رخصت کر رہے ہوں۔“

یہ لوگ چلے اور جلد ہی طیرمین پہنچ گئے جمیلہ کو اپنی ماں کے پاس پہنچنے کی جلدی تھی تاکہ وہ اسے عذرا کو دکھائے وہ سیدھے صفیہ ہی کے مکان پر پہنچے وہاں دیکھا تو صفیہ بیمار تھی ایک مہینہ سے بھی زیادہ سے بخار آ رہا تھا اور صاحب فراش ہو گئی تھی اغلب اور جمیلہ کی ساری خوشی اسے بیمار دیکھ کر جاتی رہی تھی اور صفیہ ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو گئی تھی اور جب اس نے عذرا کو دیکھا تو اس قدر خوش ہوئی کہ اس کے چہرے پر رونق آ گئی مگر فوراً ہی اداس ہو گئی اس نے کہا۔ اللہ! مجھے اس بچی کے تماشے دیکھنے کی مہلت دو۔“

یہ سن کر جمیلہ کا دل دہل گیا اغلب کو بھی رنج ہوا انہوں نے دوسرے دن روز سے شر کے طیسوں کا علاج شروع کیا صفیہ نے بھی مرض پر غالب آنے کی کوشش کی

عذرا:- دیکھوں گی پسند ہوں گی تو لے بھی لوں گی۔

وہ مینا اور طوطے کی طرح وہ باتیں یاد کر لیتی تھی۔ جمیلہ جو دوسروں سے کیا کرتی تھی۔ سوداگر عورتوں سے وہ ویسی ہی باتیں کرتی تھی۔ عورت بہت خوش ہوئی۔ اس نے کہا۔ تمہیں ضرور پسند آجائیں گی سب چیزیں۔

اس نے چابیوں کا گچھا نکالا اور سامان نکال کر سجانے لگی۔ ایک چھوٹی سی خوبصورت اونٹنی شال اس نے عذرا کے سامنے ڈال دی اور ایک جوڑی چھوٹے بندوں کی جس میں بڑے بڑے بچے موتی لٹک رہے تھے۔ عذرا کی طرف بڑھایا۔ اور کہا یہ بندوں کی جوڑی پسند ہے تمہیں۔ عذرا نے جمیلہ کی طرف دیکھا، جمیلہ نے کہا تمہیں پسند ہے؟

عذرا:- تمہیں پسند ہیں؟ جمیلہ نے مسکرا کر کہا۔ ہاں اچھے ہیں۔ عذرا نے سوداگرہ سے کہا۔ اچھے ہیں۔ سوداگرہ خاتون نے کہا۔ اچھا تو رکھ لیجئے۔ جمیلہ نے عذرا سے کہا۔ دام پوچھو بیٹی اس کے۔

سوداگرہ:- ”یہ تمہاری نذر ہیں اور یہ شال بھی۔

”عذرا:- ”امی! شال اچھی ہے۔

جمیلہ:- ”اچھی ہے۔“ جمیلہ نے کئی چیزیں اس سے خریدیں۔ ان کی قیمت ادا کی نیز بندوں اور شال کی قیمت۔ جمیلہ نے ادا کرنی چاہی مگر اس نے نہیں لی۔ وہ چلی گئی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ وہ آئی۔ محض عذرا کو دیکھنے اس کی باتیں سننے اور اسے کھلانے جب وہ آتی اس کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ضرور لاتی ایک روز اس نے جمیلہ سے کہا۔ مجھے عذرا سے بہت محبت ہو گئی ہے۔ اسے دیکھے بغیر چین نہیں پڑتی۔ ذرا اسے دیکھنے ہی کیلئے آتی ہوں۔ اسے مجھے دیدو۔ جمیلہ مسکراتی رہی۔ اس نے عذرا سے پوچھا جاؤ گی تم ان کے ساتھ۔ عذرا نے کہا ہاں جی اور سوداگرہ اسے سیر کرا کے واپس لے آئی اسی دن قاصد ابوالغلب کا خط لے کر آیا۔ اغلب نے لکھا تھا کہ فوراً ”ہلمو جا کر حالات کا جائزہ لو۔ خط پڑھ کر جمیلہ کو کہنے لگا کہ میں ہلمو جا رہا ہوں یا تو میں بہت جلد واپس آجاؤں گا۔ یا تمہیں اپنے پاس ہی بلا لوں گا۔

اور جمیلہ عذرا کو لے کر منہ دھونے چلی گئی۔ دوسرے روز جب اغلب رخصت ہونے لگے تو جمیلہ کے دل کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ چیخ چیخ کر روئے نہ معلوم کیوں وہ اس وقت ان سے جدا ہونا نہ چاہتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ انہیں روک

اغلب نے طیرمین کی حکومت کا چارج لے لیا تھا۔ اگرچہ وہ نوجوان تھے اور حکومت کے کاموں سے ناواقف بھی تھے انہیں اپنے باپ اور چچا کے پاس رہ کر امور حکومت سیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مگر جس سنجیدگی اور حسن تدبیر سے انہوں نے حکومت شروع کی اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ناواقف ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ جانتے ہیں۔ انہوں نے حکومت کے ہر شعبہ پر نظر رکھنی اور دیکھ بھال کرنی شروع کر دی۔ خود بھی عدالت کرنے لگے۔ حق و انصاف سے فیصلے دیتے مسلم اور غیر مسلم سب ان کے فیصلوں سے خوش تھے۔

جمیلہ کے پاس اکثر مسلم خواتین عرب اور بربر کی دو شیرائیں اور غیر مسلم عورتیں اور لڑکیاں آتی رہتی تھیں۔ بعض ملنے کے لئے آتیں۔ بعض کسی کام سے جو ایک بار مل لیتی بار بار اس سے ملنے آتی۔ وہ بڑی خلیق اور خوش مزاج تھی۔

الارک اگرچہ ہلمو کے کوٹوال تھے۔ مگر وہ کئی مرتبہ جمیلہ اغلب عذرا کو دیکھنے آچکے تھے۔ انہیں بھی عذرا سے کچھ ایسی انسیت ہو گئی کہ انہوں نے ہلمو کی کوٹوالی سے استعفا دیدیا۔ اور طیرمین میں ہی آکر رہنے لگے۔ اغلب نے اپنے چچا ابوالغلب سے منظوری لے کر انہیں طیرمین کا کوٹوال مقرر کر دیا۔

طیرمین میں ایک سال قسریانہ سے عیسائی سوداگروں کا ایک قافلہ آیا اس قافلے میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی قافلہ کا سردار ایک معزز عیسائی تھا۔ اس کی بیوی بھی تھی وہ جوان اور خوبصورت تھی۔ ایک روز وہ کچھ سامان لیکر جمیلہ کو دکھانے آئی۔ جمیلہ اکثر سوداگروں سے مال خریدا کرتی تھی۔ وہ عورت اچھی اچھی چیزیں لائی تھی۔ اس وقت کینز عذرا کو بنا سنوار کر لائیں۔ اب عذرا کی عمر پانچ سال کے قریب ہو گئی تھی۔ وہ میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگی تھی۔ ہر وقت جمیلہ کے دم کے ساتھ رہتی تھی۔ عیسائی سوداگر عورت نے اسے دیکھا اور دیکھتی رہ گئیں۔ اپنا مال تجارت بھی دکھانا بھول گئی۔ جمیلہ ماں تھی وہ پیار کی نظریں خوب سمجھ لیتی تھی۔ سمجھ گئی کہ عذرا سے اس عورت کو بھی ماں جیسی محبت ہو گئی ہے۔ اس نے عورت سے کہا۔ دکھاؤ نا تم اپنا مال۔ اس عورت کے ساتھ کئی کینز آئی تھیں۔ انہوں نے سامان کے صندوق لالا کر رکھ دیئے تھے۔ عورت ہوشیار تھی۔ اس نے کہا مجھے تو اس بی بی نے اپنی طرف مائل کر لیا ہے۔ بڑی اچھی بیٹی ہے۔ عذرا نے پوچھا تم کیا لائی ہو.....؟

عورت نے کہا۔ بڑی اچھی اچھی چیزیں لائی ہوں۔ دیکھو گی۔

لے یا خود ان کے ساتھ چلے۔ مگر دونوں باتوں کا موقع نہیں رہا تھا۔ نہ ہی انہیں روک سکتی تھی اور نہ ان کے ساتھ جاسکتی تھی۔ مگر اس کے چہرے سے اس کے قلبی صدمے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اغلب نے کہا، تمہیں اس عارضی جدائی کا صدمہ ہے عم نہ کرو۔ میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔
 جمیلہ :- ”انشاء اللہ تو کہہ لیجئے۔“
 اغلب :- ”انشاء اللہ!“ پھر انہوں نے عذرا کو پیار کیا اور چلے گئے۔ جمیلہ اس روز بڑی غمگین اور پریشان رہی۔

(۵۲)

سوداگرہ عورت برابر آتی جاتی تھی۔ اسے عذرا سے ایسی محبت ہو گئی تھی کہ سارا سارا دن جمیلہ کے پاس ہی گزار دیتی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ عذرا سیر کی بہت شوقین ہے۔ کئی کئی غلام اسے شہلانے اور سیر کرانے کے لئے لیجاتے ہیں۔ اور کئی مرتبہ وہ ان کے ساتھ عذرا کو سیر کرانے لیجا بھی چکی تھی۔ عام طور پر عذرا کے ساتھ مسلم غلام جاتے تھے لیکن کبھی کبھی عیسائی بھی چلے جاتے تھے۔
 سوداگرہ کا ارادہ طیرمین میں سے جلد جانے کا تھا۔ مگر اسے کئی مہینے ہو گئے تھے اور وہ وہیں مقیم تھی۔ حالانکہ اس کا تمام سامان سوداگری فروخت ہو چکا تھا۔ اس نے خود جمیلہ سے یہ بات کہی تھی کہ عذرا کی محبت کی زنجیر اس کے پیروں میں ایسی پڑی ہے کہ اسے جانے نہیں دیتی۔ جمیلہ نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کہاں کی رہنے والی ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ قسریانہ کے نواح کی رہنے والی ہے۔

الارک (سود) اکثر جمیلہ کے پاس آتے رہتے تھے۔ جمیلہ ان سے پردہ کرتی تھی۔ کبھی چہرہ پر نقاب ڈال کر ان کے پاس آ جاتی اور کبھی پردہ کے پیچھے سے باتیں کر لیتی۔ ایک روز جب الارک آئے تو عیسائی عورت وہیں تھی اور عذرا سے باتیں کر رہی تھی۔ جمیلہ نقاب ڈالے الارک سے فاصلہ پر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ الارک نے عیسائی عورت سے کہا۔ تمہارا تو جانے کا ارادہ تھا۔

سوداگرہ :- جی ہاں! اس بچی کی محبت نہیں جانے دیتی۔
 الارک :- تم نے کئی عیسائیوں کو کس لئے بلایا ہے؟

سوداگرہ :- نے چونک کر الارک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟
 الارک :- تم جانتی ہو کہ میں شہر کا کوتوال ہوں۔ کوئی بات مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ سوداگرہ نے کچھ مطمئن ہو کر کہا۔ ٹھیک ہے۔ میں نے کچھ تھوڑا سا مال اور منگایا ہے۔

الارک :- مال سوداگری کا نہیں ہے۔
 سوداگرہ کے چہرہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ مگر فوراً اس نے چہرہ کی رنگت بحال کر کے کہا کہ میں نے عذرا کو تحفے دینے کے لئے کچھ چیزیں منگائی ہیں۔
 الارک :- لیکن جو عیسائی آئے ہیں ان کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ کچھ اچھے آدمی نہیں ہیں۔ ان کی شہرت خراب ہے۔

سوداگرہ :- مگر وہ میرے پرانے ملازم ہے۔ اور ان سے مجھے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔

الارک :- پھر بھی تمہیں انہیں زیادہ عرصہ تک روکنا نہیں چاہئے۔
 سوداگرہ :- نہ روکوں گی۔ انہیں جلد ہی چلتا کروں گی۔

جمیلہ یہ تمام باتیں سن رہی تھی۔ یہ اسے اچھا نہ معلوم ہوا کہ الارک اس کے سامنے سوداگرہ کو تنبیہ کریں۔ اس نے کہا یہ خاتون بہت نیک ہیں۔ آپ ان کی طرف سے مشکوک کیوں ہو رہے ہیں۔

الارک :- میری یہ مجال نہیں ہے کہ اپنی بہن کی سہیلی سے مشکوک ہوں۔ مگر میں کوتوال ہوں اور مجھے تمام حالات پر نظر رکھنی پڑتی ہیں۔ جو عیسائی ان کا سامان لے کر آئے ہیں۔ وہ جرائم پیشہ ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے کئی جعل ساز ہیں۔ اور کئی بڑے فریبی اور مکار ہیں۔ اور انہیں ان جرموں میں عیسائی حکومت نے سزا بھی دی تھی۔ سوداگرہ نے کہا میں نے ان کی ایسی کوئی بات نہیں سنی۔ پھر بھی اگر آپ کو اعتراض ہے تو میں انہیں یہاں رہنے نہ دوں گی۔ بہت جلد رخصت کروں گی۔

الارک :- معاف کرنا۔ میں نے تمہارے ملازموں کے متعلق اپنی ان معلومات کا اظہار کر دیا۔ جو مجھے خاص طریقے پر معلوم ہوئی ہیں۔

سوداگرہ :- مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بلکہ میں مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے ان کے برے فعلوں سے آگاہ کر دیا۔

اب الارک نے جمیلہ سے کہا۔ اغلب کا خط آیا ہے۔ ملاحظہ ہو، وہ ابھی نہیں

قریب ہو گئی تھی وہ اب اور بھی پیاری پیاری باتیں کرنے لگی تھی اور جوں جوں بڑی ہوتی جاتی تھی۔ دیکھنے والوں کو اس پر اور بھی پیار آتا تھا عیسائی سوداگرہ عورت کو گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ ایک روز شام کے وقت حسب معمول ایک غلام عذرا کو لیکر شہر کے قریب والے باغ میں گیا اسے واپسی میں دیر ہو گئی۔ وہ عذرا کو لیکر چلا۔ باغ میں کئی مالی تھے۔ ان میں سے ایک مالی اس لئے ساتھ ہو لیا کہ عذرا اور غلام کو شہر کے دروازہ تک پہنچا آئے جب وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جس کے دونوں طرف باغ تھے اور درختوں کے سایہ کی وجہ سے وہاں کچھ اندھیرا سا تھا۔ کہ دفعتاً کئی سیاہ پوشوں نے غلام اور مالی دونوں پر اچانک حملہ کر دیا اس سے قبل کہ وہ تلواریں نکالیں دونوں زخمی ہو کر گر پڑے۔ ایک سیاہ پوش نے جلدی سے عذرا کو اٹھایا اس کا منہ بند کیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔ دوسرے سیاہ پوش اس کے ساتھ ہوئے۔ غلام اور مالی دونوں بے ہوش ہو گئے۔

جیلہ عذرا کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ جب مغرب کی اذان ہو گئی اور وہ نہ آئی تب اس کا دل نہ معلوم طور پر غم و فکر سے بیٹھنے لگا۔ اس نے مغرب کی نماز پڑھی اور کئی غلاموں کو عذرا اور غلام کو لانے کے لئے بھیجا۔ عشاء سے پہلے وہ مالی اور غلام کو زخموں سے چور بے ہوشی کے عالم میں اٹھا کر لائے۔ عذرا نہیں آئی۔ جیلہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اسے غش آگیا۔ اور خاتون د لگیر ہو کر خاموش ہو گئیں۔

(۵۳)

نوجوان افسر پر ان کی داستان کا برا اثر پڑا تھا۔ انہوں نے کہا عجیب حالات بیان کر رہی ہو تم۔ خاتون نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ میری داستان ختم ہونے کے قریب آگئی ہے۔ واقعی یہ داستان عجیب ہے اور دکھ دینے والی بھی ہے۔ وہ افق کی طرف دیکھنے لگیں۔ افسر نے کہا۔ مگر ابھی تو یہ داستان بالکل نامکمل ہے۔ خاتون نے کہا میں جانتی ہوں مگر اسے مکمل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ شاید تمہاری کوششوں سے اس کی کڑیاں مل جائیں۔ افسر نے اور میں ضرور کوشش کروں گا۔ لیکن جو حال باقی رہ گیا ہے اسے تو سنا دیجئے۔

آ رہے ہیں۔ امیر عباس نائب السلطنت منتخب ہوئے ہیں۔ انہوں نے انہیں روک لیا ہے۔ جیلہ کو اس خبر سے قلبی اذیت پہنچی۔ اس لئے اس وقت خط پڑھنا مناسب نہ سمجھا۔ عیسائی سوداگرہ چلی گئی۔ اب الارک نے جیلہ سے کہا۔ یہ عورت تمہاری سہیلی بن گئی میں اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر کروں تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر میرے دل میں اس کی طرف سے عجیب عجیب قسم کے شبہات اور خدشے گزرتے رہتے ہیں۔ یہ عذرا کو بری طرح چاہتی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ یہ تمہارے کوئی برائی نہ کرے۔ عذرا کو اس کے ساتھ کہیں نہ بھیجا کرو۔

جیلہ ہول سی گئی۔ عذرا اس کی بھی جان تھی۔ اس نے کہا تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ عذرا کو مجھ سے چھین لے گی....؟

الارک نے۔ ”مجھے اندیشہ ہے۔ جو لوگ اس کا سامان لیکر آئے ہیں۔ عجب ہیں کہ وہ اسی کام کے لئے بلائے گئے ہوں۔ اس لئے مناسب سمجھو تو احتیاط کرو۔ جیلہ نے۔ ”ضرور احتیاط کروں گی۔“

الارک چلے گئے۔ جیلہ نے خط کھول کر پڑھا۔ اس خط میں اغلب نے اپنے نہ آنے کی مجبوری کے ساتھ ساتھ جیلہ کے متعلق بہت کچھ لکھا تھا وہ اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوئی آخر میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ بہت جلد آنے کی کوشش کریں گے۔

اب سوداگرہ کم آنے لگی تھی۔ اس کے وہ آدمی جو اس کا سامان لیکر آئے تھے۔ کہیں چلے گئے تھے۔ جیلہ کو اس سوداگرہ سے کچھ انسیت سی ہو گئی تھی وہ چاہتی تھی کہ وہ پہلے کی طرح آتی جاتی رہے مگر الارک کی وجہ سے کہہ نہ سکتی تھی۔ ایک روز جب سوداگرہ آئی تو کچھ ملول تھی۔ جیلہ نے ملال کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔ اس کا ایک بھائی ہے وہ بیمار ہو گیا ہے وہ اگلے روز اپنے وطن چلی جائے گی۔

جیلہ کو بھی افسوس ہوا۔ اس نے پوچھا کیا وہ پھر آئے گی؟

اس نے کہا وہ آنے کی کوشش کرے گی۔ بغیر عذرا کو دیکھے وہ جی نہیں سکتی اس لئے آئے گی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کا شوہر سرقوسہ اور قسطنطنیہ گیا تھا معلوم ہوا ہے کہ وہ مینیا ہو کر اپنے وطن پہنچ گیا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ آئے دوسرے روز جیلہ نے سنا کہ وہ عورت چلی گئی اس کے چلے جانے کی خبر سن کر اسے کچھ خوشی سی ہوئی۔ مگر فوراً ہی اس کی جدائی کا خیال کر کے ملال بھی ہوا۔ ادھر اغلب کو گئے ہوئے چھ مہینے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ عذرا کی عمر چھ سال کے

سرپی نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ میں بھی باقی داستان سننے کے لئے بے چین ہوں۔
خاتون :- اور میں سنانے کے لئے بے چین ہوں۔

سرپی :- مظلوم جمیلہ کا کیا ہوا.....؟

خاتون :- وہ برباد ہو گئی۔ اب اس کی بربادی کی داستان ہی باقی ہے۔

معلوم نہیں جمیلہ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جس کی پاداش میں اسے صبر آزما تکلیفیں دنیا بھر کی اذیتیں برداشت کرنا پڑیں۔

افسر :- خدا امتحان لیتا ہے اپنے نیک بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ اچھا پھر کیا ہوا؟
..... اور خاتون نے کہنا شروع کیا۔

غلام اور مالی کی فوراً مرہم پٹی کی گئی۔ جمیلہ کی بے ہوشی کی الارک کو اطلاع دی گئی۔ وہ دوڑے ہوئے آئے۔ دیکھا جمیلہ بالکل بے ہوش ہے۔ فوراً طبیب بلائے گئے۔ انہوں نے دوا دوش کی۔ صبح جمیلہ کو ہوش آیا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ الارک ساری رات اس کے پاس بیٹھے رہے۔ نیز طبیب بھی موجود رہے تھے۔ جب اسے ہوش آنے لگا تھا تو طبیوں نے الارک سے کہدیا تھا کہ صدمہ سے ان کے دل و دماغ دونوں بہت زیادہ کمزور ہو گئے ہیں۔ اگر اور کوئی صدمہ پہنچ گیا تو ان کی جان کی خیر نہیں۔ ہوش آنے پر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جن سے ان کی طبیعت کو سکون اور فرحت حاصل ہو۔

الارک نے انہیں کوئی مفرح چیز پلائی۔ وہ بے مدعا چھت کی طرف دیکھتی رہی اسے ہوش تو آگیا تھا۔ مگر حواس درست نہیں ہوئے تھے۔ سوچنے اور سمجھنے کی قوت واپس نہیں آئی تھی۔ یہ حالت بھی خطرہ سے خالی نہیں تھی۔ خوف تھا کہ کہیں دماغ نہ الٹ جائے۔ طبیوں نے کئی دوائیں اور استعمال کیں۔ رفتہ رفتہ اس کے حواس درست ہونے لگے اور دوپہر تک اس کی تمام قوتیں عود کر آئیں۔ اس نے الارک سے پوچھا مجھے کیا ہو گیا تھا؟

الارک نے کہا تمہیں غشی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ جمیلہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا اف میں نے کوئی ہولناک خواب دیکھا ہے۔ الارک نے ٹالنے کے لئے کہا۔ خواب کا خیال نہیں کیا کرتے۔ تم آرام کرو۔

جمیلہ :- نہیں خواب سنو۔ میں نے دیکھا غلام عذرا کو سیر کرانے کے لئے لے گیا اور

اسے کسی نے زخمی کر دیا اور میری بچی عذرا کو اٹھا کر لے گیا۔ توبہ کیا خوفناک خواب تھا۔ الارک نے کہا بہن طبیب کہتے ہیں کہ تم اپنے دماغ پر زور مت دو آرام کرو۔ خواب کو بھول جاؤ۔

جمیلہ :- میری بچی کہاں ہے؟ عذرا..... میں اسے پیار کر لوں۔ پھر سو جاؤ گی۔ الارک :- وہ تمہارے پاس بیٹھی رہی تھی ابھی سوئی ہے۔ اسے سونے دو تم بھی سو جاؤ۔ ایک بوڑھے طبیب نے کہا۔ محترمہ، سو جاؤ، سونے سے تمہاری طبیعت بھی ہلکی ہو جائے گی۔ الارک نے اسے خوش کرنے کے لئے پر لطف قصے سنائے اور وہ سو گئی۔ کنیزیں اور طبیب اس کی دیکھ بھال کے لئے رہ گئے۔ الارک نے رات ہی کو کئی سپاہی سیاہ پوشوں کے تعاقب میں دوڑا دیئے تھے انہیں یہ یقین تھا۔ کہ دوپہر تک وہ لوگ عذرا کو ان سے چھین کر لے آویں گے۔ اسی لئے انہوں نے جمیلہ کی تسلی کے لئے یہ کہہ دیا تھا کہ عذرا سو گئی ہے۔

لیکن دوپہر ہو گیا اور وہ لوگ واپس نہیں آئے۔ اب الارک کو فکر ہوا انہوں نے سو سوار مختلف راستوں پر ہر طرف دوڑا دیئے۔ شہر میں جاسوس چھوڑ دیئے اور کچھ جاسوس ملحقہ دیہاتوں اور قصبوں و شہروں میں بھیج دیئے۔ یہ اعلان کرا دیا کہ جو عذرا کو لائے یا اس کی خبر دے اسے ایک ہزار دینار انعام میں دیئے جاویں گے۔ غرض وہ جو کچھ کر سکتے تھے انہوں نے کیا۔

شام کے وقت جمیلہ جاگ گئی۔ اب تازہ دم ہو گئی تھی۔ اسے ہلکی غذا کھانے کو دی گئی۔ اس کے جسم میں توانائی آئی۔ اس نے پھر عذرا کو یاد کیا۔ الارک مہمہ، تھے۔ انہوں نے بہانہ کر دیا کہ کئی غلام اسے سیر کرانے کے لئے گئے ہیں۔ جمیلہ کو معلوم تھا کہ عذرا اس وقت روزانہ سیر کرتی ہے اس لئے اسے یقین آگیا اس نے اٹھنا چاہا۔ مگر اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ اٹھانہ گیا۔ طبیب بھی موجود تھے انہوں نے کہا ابھی آپ اٹھنے کی کوشش نہ کریں۔ جمیلہ نے کہا۔ یہ آخر مجھے ہو کیا گیا۔ مجھ سے اٹھا کیوں نہیں جاتا.....؟ ایک طبیب نے کہا۔ تمہارے دماغ کو سخت اذیت پہنچی ہے چونکہ دماغ تمام جسم کا سردار ہے اس لئے کمزوری لاحق ہو گئی۔ دماغ میں قوت آتے ہی سارے جسم میں قوت آجائے گی۔

جمیلہ :- یہ بات نہیں ہے۔ عذرا کو دیکھتے ہی میں اٹھ بیٹھوں گی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔ مجھے اس حال میں چھوڑ کر سیر کرنے چلی کیسے گئی.....؟

گیا۔ اسے رونے دو۔ الارک نے اسے رونے سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ دیر تک روتی رہی۔ الارک کے بھی آنسو نکل آئے۔ انہوں نے کہا بہن صبر کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ضرور عذرا کو ڈھونڈ نکالوں گا۔

انہوں نے اسے تسلی دی چونکہ رونے سے دل کا غبار نکل گیا تھا اس لئے وہ کچھ رات گئے خاموش ہو گئی۔ الارک کے اصرار پر اس نے کچھ کھایا بھی اور سو بھی گئی۔ الارک اور طبیب دوسرے کمرے میں سوئے۔ کنیز اس کی نگرانی کرتی رہیں صبح کو وہ بیدار ہوئی الارک صبح کی نماز پڑھ کر جب آرہے تھے تو ایک عیسائی ان سے ملا۔ اس نے کہا، جو لڑکی گم ہوئی ہے مجھے معلوم ہے وہ کہاں ہے۔ میرے ساتھ چلو۔ الارک خوش ہو گئے وہ دوڑے ہوئے جمیلہ کے پاس آئے۔ اس نے اٹھکر وضو کر کے نماز پڑھ لی تھی۔ الارک نے اسے یہ خوشخبری سنا کر کہا میں عیسائی کے ساتھ جا رہا ہوں۔ تم میرے واپس آنے کا انتظار کرنا۔

اب جمیلہ نے ان کے ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ مجبور ہو کر الارک اسے ساتھ لیکر پچاس سواروں کے ساتھ عیسائی مخبر کے ہمراہ چلے۔

(۵۴)

خاتون نے کہا، کاش جمیلہ الارک کے ساتھ چلنے پر اصرار نہ کرتی اور طیرمین ہی میں رہتی اور اغلب کے آنے اور الارک کے عذرا کو لانے کا انتظار کرتی تو وہ برباد نہ ہوتی۔ اس کی دنیا تاراج نہ ہو جاتی۔ لیکن عذرا کی محبت نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے نہ دیا۔ وہ چلی الارک کے ساتھ تھی۔ اور پچاس سوار بھی ہمراہ تھے۔ اس وقت الارک اور جمیلہ دونوں کی عقلوں پر ایسے پردے پڑے کہ انہوں نے مخبر سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے کس نے بھیجا ہے عذرا کہاں ہے۔ اس نے کب اسے دیکھا تھا اور وہ کہاں لے جا رہا ہے؟.....

چنانچہ اس روز تمام دن چلتے رہے۔ شام کے وقت ایک بستی میں قیام کیا دوسرے روز پھر روانہ ہوئے غرض اسی طرح کئی روز پہاڑوں میں چلتے رہے ایک روز ایک غار کے کنارے جا کر مقیم ہوئے۔ یہاں الارک نے مخبر سے پوچھا وہ انہیں کہاں لے جا رہا ہے.....؟ مخبر نے جواب دیا جہاں وہ لڑکی ہے۔

الارک :- ”وہ لڑکی کہاں ہے؟“

الارک کا دل بھر آیا۔ مگر انہوں نے ضبط کیا اور کہا، وہ نہیں جاتی تھی مگر میں نے اصرار کر کے بھیج دیا۔ انشاء اللہ ابھی آجائے گی۔

جمیلہ :- کچھ غلاموں کو بھیج دو۔ وہ اسے جلدی لے کر آجائیں۔

بہت اچھا۔ الارک نے کہا اور وہاں سے باہر آئے۔ جو سوار انہوں نے بھیجے تھے ان میں سے کئی واپس آگئے تھے اور انہوں نے اپنی دوڑ دھوپ اور کوششوں کی روداد سنا کر ناکام واپس آنے کا اظہار کیا۔ الارک کو بڑا صدمہ ہوا۔ انہیں سینے میں اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ اب تک تو وہ جھوٹی تسلیوں سے جمیلہ کو بہلاتے رہے تھے۔ لیکن اب کیا کریں گے کیسے اسے سمجھائیں گے انہیں خوف تھا وہ عذرا کی گمشدگی کی خبر سن کر کہیں دیوانی نہ ہو جائے یا مرنے جائے۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے صبح ہی ایک قاصد ہلرمو روانہ کر دیا تھا۔ اغلب کو عذرا کے غائب ہو جانے کی اطلاع دیکر جلد آنے کے لئے خط لکھ دیا تھا۔ اس خط میں جمیلہ کی حالت بھی لکھ دی تھی اور قاصد کو ہدایت کی تھی کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ہلرمو پہنچ جائے۔

وہ دن چھپے تک وہیں بیٹھے رہے۔ جب مغرب کی اذان ہوئی تو مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر واپس آئے ان کا دل جمیلہ کے پاس جانے کو نہ چاہتا تھا لیکن ڈرتے تھے کہ اس پر غم کا غلبہ نہ ہو جائے۔ اس لئے آہستہ آہستہ مکان میں داخل ہوئے انہوں نے دیکھا کہ جمیلہ نے اشاروں سے نماز ادا کر کے دعا مانگی ہے اس وقت وہ اپنے ہاتھوں کو جو دعا کے لئے اٹھائے تھے چھوڑ رہی تھی۔ جمیلہ نے ان کی طرف دیکھا اس نے کہا۔ ”تم میری عذرا کو نہیں لائے۔“

الارک سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ خاموش کرسی پر بیٹھ گئے۔ جمیلہ نے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”کہاں ہے میری بچی؟ تم بولتے کیوں نہیں۔“ الارک اب سنبھلے لیکن کوئی بات ان کے ذہن میں نہیں آئی۔ بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گیا وہ ملی نہیں۔

جمیلہ نے تعجب سے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ملی نہیں کہاں گئی۔

الارک :- بہن تمہارا خواب صحیح تھا۔ حوصلہ کرو تم مسلمان ہو، اسلام نے صبر کی تلقین کی ہے، غم سے بدحواس نہ ہو جانا، عذرا کو کوئی لے گیا ہے اور غلام کو زخمی کر گیا۔ جمیلہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ طیسوں نے الارک کو اشارہ کر کے بتایا کہ یہ اچھا ہوا جوش غم کا بند ٹوٹ

مخبر:- وہ مقام قریب ہی ہے۔

الارک:- لیکن یہ کیا بات ہے کہ جس روز لڑکی گم ہوئی ہے تم اس کے تیسرے روز ہم سے ملے اور اب ہمیں چلے ہوئے کئی روز ہو گئے ہیں اور اب تک وہ جگہ نہیں آئی تم نے اس لڑکی کو کہاں دیکھا تھا۔

مخبر:- میں نے اسی بستی میں دیکھا تھا۔ جو اول روز ہمارے راستہ میں آئی تھی۔ مگر وہ لوگ وہاں نہیں ٹھہرے تھے میں جانتا ہوں وہ کہاں گئے ہیں۔

دوسرے روز پھر اس کے ساتھ سب چلے۔ پندرہ روز کے بعد وہ ایسی جگہ لے کر پہنچا۔ جہاں گڑگڑاہٹ کی آوازیں زیادہ آتی رہتی تھیں اور بعض وقت زمین اور پتھر لرزنے لگتے تھے۔ جیلہ نے الارک سے پوچھا۔ ہم کہاں آگئے ہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے..... الارک نے سمجھایا کہ اس وقت ہم اس پہاڑ پر آگئے ہیں جو کوہ آتش فشاں سے ملا ہوا ہے۔

جیلہ:- یہاں تو بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔

الارک:- ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

مخبر اس پہاڑ پر ان سب کو چھوڑ کر پتہ لگانے کے لئے گیا۔ وہ ایک روز غائب رہا۔ دوسرے روز اس نے آکر بتایا کہ لڑکی موجود ہے لیکن اگر سپاہی ساتھ چلے تو خوف ہے کہ وہ ڈر کر اسے چھپا نہ دیں۔ یا مار نہ ڈالیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ چار پانچ سپاہی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ الارک چار سپاہیوں کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ جیلہ تمام دن انتظار کرتی رہی۔ مگر وہ نہیں آئے۔ دوسرے روز کچھ دن چڑھے خبر آیا اس نے بتایا کہ لڑکی کے ملنے کی امید ہے الارک نے جیلہ کو بلایا ہے اور لوگوں کو یہیں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے۔ جیلہ بغیر سوچے سمجھے مخبر کے ساتھ ہو گئی۔ وہ اسے ساتھ لیکر ایک پر فضا مقام پر پہنچا۔ وہاں کئی خیمے نصب تھے۔ مخبر ایک خیمے کے اندر جیلہ کو لے گیا اور اسے بٹھا کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک گرانڈیل عیسائی خیمہ کے اندر داخل ہوا جیلہ سمجھ رہی تھی الارک آویں گے مگر وہ نہیں آئے۔ جیلہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔ عیسائی نے اطمینان سے بیٹھ کر کہا تم حیران ہو رہی ہو تم نہیں جانتی ہو تمہیں میں نے دیکھتے ہی اپنا سب کچھ تم پر ٹار کر دیا تھا۔ تم ایک روز اپنے باغ میں ٹہل رہی تھیں میں نے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ دیر تک دیکھتا رہا۔ جب تم چلی گئیں تو میں نے معلوم کیا مجھے پتہ چلا تم اغلب کی بیوی ہو۔ میرے حوصلے پست

و گئے میں نے تمہیں بھولنے کی کوشش کی مگر نہ بھول سکا۔ کئی مرتبہ تمہاری زیارت کرنے گیا۔ کئی مرتبہ دور سے اور ایک مرتبہ پاس سے تمہیں دیکھا اور بھی دیوانہ ہو گیا۔ اور میں اکثر طیرمین میں جانے لگا۔ آخری مرتبہ جب گیا تو اعلان سنا کہ تمہاری لڑکی غائب ہو گئی ہے۔ میرے دماغ میں فوراً "ایک تجویز آئی اور میں نے اس پر عمل کیا۔ ایک شخص کو کافی معاوضہ دیکر الارک کے پاس بھیجا۔ میں نے تمہارے متعلق سب ہی حالات معلوم کر لئے تھے۔ کچھ تمہارے غلاموں سے اور کچھ دوسرے لوگوں سے وہ شخص بڑا چالاک ہے اس نے لڑکی کا پتہ بتانے کا اقرار کیا۔ الارک اور تم چلے آئے کل وہ الارک (۱) کو ایک دوسرے مقام پر چھوڑ آیا اور آج تمہیں یہاں پہنچا دیا۔ سنو مجھے معلوم ہے کہ تمہارا نام روز تھا۔ تم گلاب کے پھول سے زیادہ حسین ہو۔ میرا نام اپولو ہے۔ میں سرقوسہ کے علاقہ کا بڑا جاگیردار ہوں۔ تمہیں لے کر قسطنطنیہ چلا جاؤں گا اور شاہزادیوں کی طرح تمہیں رکھوں گا۔

اپولو کے جا رہا تھا۔ اور جیلہ بت بنی بیٹھی سن رہی تھی۔ وہ دھوکا کھا گئی تھی عیسائی کے پنجہ میں گرفتار ہو گئی تھی۔ اس کی عصمت خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ اس نے اسلامی ماحول میں پرورش پائی تھی۔ عصمت اور آبرو کی قیمت سمجھتی تھی اس نے طے کر لیا کہ جان دیدے گی مگر عصمت پر دعب نہ آنے دے گی۔

اپولو نے کہا۔ میں اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری بیٹی کو بھی تلاش کر کے تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔ تمہیں ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔

جیلہ سوچنے لگی کہ عذرا کی محبت میں اندھی ہو کر وہ عیسائی کے پنجہ میں آ پھنسی اور اب اور اندھی ہو کر عصمت کی قربانی کی نوبت نہ آنے دیگی۔ اس نے کہا، تم نہیں جانتے میں مسلمان ہوں اور مسلمان عورتیں اپنی عزت و عصمت کو جان سے زیادہ سمجھتی ہیں۔ اچھا یہ ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو۔ الارک نے مجھ سے محبت کی لیکن وہ بھائی بن گئے۔ تم بھی بھائی بن جاؤ۔ میں بہن بن کر تم سے بھی محبت کروں گی۔ لیکن اور کوئی خیال تمہارے دل میں ہے تو اسے نکال ڈالو۔ میں ہر گز بدکار نہ بنوں گی۔

اپولو نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میں الارک نہیں ہوں۔ تمہیں میری بات ماننی ہی پڑے گی۔ خوشی سے یا جبر سے۔

جیلہ خاموش ہو گئی۔ اپولو چلا گیا۔ اس نے اس کے لئے کھانا بھیجا۔ اس نے کھالیا۔ کیونکہ وہ سمجھ گئی کہ اگر کھانا نہیں کھایا تو قوت جسمانی جواب دیجائیگی۔ اور اس کے بعد الارک کا پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گئے مارے گئے یا کیا ہوئے۔

اپولو دوسرے روز وہاں سے چل پڑا۔ اور کئی دن تک وہ اور اس کے ساتھی چلتے رہے۔ جمیلہ کو معلوم نہ ہو سکا۔ کہ وہ کہاں لے جائی جا رہی ہے۔ اس نے اپولو سے ایک روز پوچھا بھی۔ اس نے کچھ نہیں بتایا اس کے بعد اس نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ جمیلہ نے ایک دن کوشش کر کے ایک خنجر حاصل کر لیا اور اسے اپنے کپڑوں میں چھپالیا۔ ایک رات کو جب وہ سو رہی تھی تو اپولو اس کے خیمہ میں گھس آیا۔ وہ جاگ گئی اور نہایت خاموشی سے سرک کر خیمے سے باہر نکل گئی۔ اندھیرے کی وجہ سے اپولو اسے نہ دیکھ سکا۔ جمیلہ خیمہ سے نکل کر کچھ دور تو جھکی جھکی دبے قدموں چلی۔ آخر جب خیموں سے فاصلہ پر پہنچ گئی تو بے تحاشا بھاگی۔ اور پتھروں و چٹانوں کو پھلانگتی گرتی پڑتی بڑھتی چلی گئی۔

چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ چاند افق سے جھانک رہا تھا۔ کچھ کچھ اجالا پھیل گیا تھا اور وہ درندہ اور گزندہ جانوروں کے خوف سے بے نیاز بھاگتی رہی۔ جب پسینہ میں شرابور اور تھک کر چور ہو گئی تو ایک اونچی چٹان پر بیٹھ گئی، بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور رفتہ رفتہ دن کی روشنی رات پر غالب آگئی اسے دور تک کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ اس نے دیکھا وہ پہاڑ کے بہت ہی بلند حصہ پر چڑھ گئی ہے دن میں وہ شاید ہر گز بھی اتنی اونچائی پر نہ چڑھ سکتی۔ مگر اسے خیمے نظر نہیں آرہے تھے۔ چونکہ وہ رات کو کم سوئی تھی اس لئے نیند کے جھوٹے آنے لگے وہ غار میں گھس گئی اور پتھروں پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ سو گئی۔ جب اٹھی اور غار سے باہر آئی تو دیکھا کہ دوپہر ہو گیا تھا۔ اب اسے بھوک معلوم ہوئی۔ وہاں کھانے کو کیا تھا۔ اس نے درختوں کے پتے چبائے اور وہاں سے چلی۔ اسے خوف تھا کہ کہیں اپولو نہ آجائے وہ دوسری طرف پہاڑ سے اترنے لگی۔ سنبھل سنبھل کر بڑی مشکل سے کئی چٹانیں نیچے اتری تھک گئی اور بیٹھ گئی۔ یہاں سے پہاڑی پھل نظر آئے اس نے وہ توڑ کر کھائے پانی کہیں نہیں ملا۔ وہ رات تک چلتی رہی اور رات اس نے پہاڑ پر تنہا گزار دی صبح پھر چلی۔

غرض اسے اس پہاڑ پر گھومتے ہوئے پندرہ دن ہو گئے اسے ایک پانی کا چشمہ ملا وہ اس کے کنارے کنارے تل پڑی۔ ایک روز ایک خانقاہ میں جا نکلی وہاں ایک بوڑھے پادری سے اس کی ملاقات ہوئی اس پادری نے اس کی بڑی خاطر کی۔ جمیلہ اس عرصہ

میں بہت کمزور اور دلی ہو گئی تھی اس نے پادری کو اپنی ساری داستان سنائی پادری کو بڑا رنج ہوا۔ اس نے اسے تسلی دی اور اپنی بیٹی بتالیا۔ اس نے بتایا کہ وہ طیرمین سے بہت دور آگئی ہے اور اس سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اسے طیرمین پہونچاویں گے۔

(۵۵)

خاتون نے کہا۔

وہ پادری بہت ہی نیک اور خدا رسیدہ تھے۔ ان کا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ اس خانقاہ میں نوجوان، جوان، ادھیڑ اور بوڑھی ہر عمر کی تھیں۔ نوجوان اور جوان تیس ادھیڑ عمر کی نونوں کو سسٹر (بہن) اور بوڑھی نونوں کو مدر (مال) کہتی تھیں اور ان کی بڑی عزت کرتی تھیں۔ اس خانقاہ میں جوان ادھیڑ اور بوڑھے پادری بھی تھے۔ لیکن وہ پادری جو جمیلہ کو لے گئے تھے۔ بشپ تھے سب ان کا حکم مانتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ جمیلہ سے بشپ کو بڑی محبت ہو گئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جمیلہ عیسائی ہو جائے۔ لیکن جب کبھی وہ جمیلہ سے مذہبی بحث یا گفتگو کرتے تو وہ انہیں زچ کر دیتی۔ اور یہ ثابت کر دیتی کہ توحید اسلام میں ہے۔ عیسائیت میں نہیں انہوں نے مذہبی تذکرہ کرنا ہی بند کر دیا تھا۔ تیس بھی اس سے محبت کرنے لگی تھیں۔ جمیلہ پانچوں وقت نماز وقت پر پڑھتی تھی۔ اسے عذرا کی یاد ہر وقت بے چین رکھتی تھی۔ اب اسے ایک اور خوف پیدا ہو گیا تھا وہ یہ کہ کہیں اغلب اس سے بدظن ہو کر کبیدہ خاطر نہ ہو جائیں۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح اس کے پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر طیرمین پہنچ جائے اس نے کئی مرتبہ بشپ سے ذکر کیا وہ کہہ دیتے کہ وہ اس انتظار میں ہیں کہ یا تو کوئی قافلہ یا معتبر شخص طیرمین یا اس کے قریب جانیوالا مل جائے تو اسے بھیج دیں۔

جمیلہ بھی انتظار کرنے لگی اور انتظار ہی انتظار میں ایک سال گزر گیا۔ اب جمیلہ ہر وقت مغموم اور پریشان رہنے لگی۔ بشپ اس کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے انہوں نے ایک دن اس سے کہا۔ بیٹی تم ہر وقت رنجیدہ رہنے لگی ہو اس رنج و غم کا تمہاری صحت پر اثر پڑ رہا ہے۔ اب تک نہ کوئی قافلہ ملا اور نہ کوئی معتبر شخص ملا۔ تم غم نہ کرو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔

وہ بن مانس ہی تھا۔ جعفر نے کہا۔ میں نے سنا تھا کہ اس علاقے میں بن مانس رہتے ہیں۔ اور جب میں نے قسریانہ کے علاقہ میں داخل ہو کر سائیکلوپ کے متعلق سنا تو میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی کہ وہ مردم خور آدمیوں یا بن مانس میں سے ممکن ہو تو کسی کو پکڑ لیں۔ چنانچہ آج یہ پکڑ لائے۔ یہ سائیکلوپ نہیں ہے نہ دیوتا ہے بلکہ بن مانس ہے۔ تمہارے بزرگ ان سے ڈرتے تھے اس لئے انہوں نے ان کے متعلق دوران فہم عجیب عجیب روایتیں گھڑ لیں۔ ایسی ہی سیریس دیوی 'دلربا سرے' پرس 'مشری' بنتون اور دوسرے دیویوں اور دیوتاؤں کا حال ہے۔ اب بن مانس بھی اس وقت وہاں آگیا تھا۔ وہ بھی سربہ بھی 'سیاح' بھی دیکھ رہے تھے۔ بڑی حیرت سے آج ان کی سمجھ میں آگیا کہ وہ بن مانس کو دیوتا سمجھتے رہے تھے۔ وہ خاموش تھے۔ مگر ابھی تک دل میں ڈلا رہے تھے۔ جعفر نے اسے زنجیروں میں جکڑ لیا تھا مگر وہ ایسا طاقتور تھا کہ جب زور کرتا تھا زنجیروں کی کڑیاں کھل جاتی تھیں۔ پھر اسے ریشم کے مضبوط رسوں میں باندھا گیا۔ جعفر نے جیلہ سے پوچھا کہ تمہارے کھانے پینے کا کیا انتظام تھا۔ جیلہ نے کہا۔ درویش کہیں سے کچی چاندی لے آتے تھے۔ میں بستی میں لے جا کر اسے فروخت کر کے سامان لے آتی تھی۔ ایک بستی یہاں سے ایک دن کی راہ پر پہاڑ کے درمیان میں ہے۔

پھر دوسرے روز یہ سب لوگ وہاں سے سیفالو کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ بن مانس ان کے ساتھ تھا۔ وہ کچی پکی چیزیں سب چٹ کر جاتا تھا۔ وہ بولتا بھی تھا۔ مگر اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بندھا رہنے سے وہ مضطرب رہنے لگا۔ جس بستی میں سے یہ لوگ گزرے اور وہاں کے لوگوں نے اس بن مانس کو دیکھا۔ انہیں بڑا تعجب ہوا۔ وہ سیفالو کے قریب ایک بڑی خانقاہ میں پہنچے وہاں ایک بوڑھے پادری نے کہا تم اس بن مانس (۱) کو چھوڑ دو۔ یہ زندہ نہیں رہے گا۔ بہت عرصہ ہوا۔ جب دو بن مانس ایسے ہی پکڑ کر سر قوسہ پہنچائے گئے تھے۔ انہیں قسطنطنیہ لے جانا چاہتے تھے مگر وہ مر گئے۔ ان کی لاشیں قسطنطنیہ پہنچائی گئیں تھیں۔

وہ بن مانس بھی کمزور ہو گیا تھا۔ حالانکہ اسے کھانے کو کافی دیا جاتا تھا۔ لیکن پینتا ہی نہیں تھا۔ آخر جعفر نے اسے چھوڑ دیا۔ اور وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ جعفر نے اس روز وہیں قیام کیا اور دوسرے روز سیفالو کی طرف روانہ ہوئے۔ سیفالو قریب ہی رہا۔ ہرگز سائیکلوپ کو ایک وحشی اور بن مانس لکھا ہے کہ یہ لوگ سمندر کے کنارہ جزیرہ (صقلیہ) سسلی کے شمالی حصے میں دیکھے جاتے تھے۔ اس نے ان کے عجیب و غریب قصے لکھے ہیں۔

لیا تھا۔ وہ سیفالو میں شام کے وقت پہنچے وہاں ایک اسلامی دستہ رہتا تھا۔ جعفر شر کے اندر نہیں گئے۔ انہوں نے اس خانقاہ کے قریب قیام کیا۔ جو عیسائیوں کا مانس تھا۔ اس میں بے شمار تیس اور پادری رہتے تھے۔ جعفر اس طرح سے وہاں ٹھہرے جیسے دن چھپنے کی وجہ سے انہوں نے قیام کر دیا ہو۔ انہوں نے سپاہیوں کو ہدایت کر دی کہ کوئی پادری یا بن مانس باہر نہ جانے پائے۔ سپاہی ان کی نگرانی کرنے لگے۔

پھر صبح کی نماز پڑھ کر پانچ سپاہیوں کو ساتھ لیکر جعفر خانقاہ کی طرف چلے۔ انہوں نے سیاح 'سربہ' بنے نس اور جیلہ کو ساتھ لے لیا۔ جیلہ اپنے چہرہ پر نقاب ڈالنے لگی تھی۔ جعفر نے خانقاہ کے دروازہ پر پہنچ کر وہاں کے بڑے پادری کو بلایا۔ وہ بھی بشپ کہلاتا تھا۔ اس نے جب جعفر اور اس کے ساتھ پانچ سپاہیوں کو دیکھا تو ڈر گیا۔ اس نے بڑے ادب سے جعفر کو سلام کیا اور ان سب کو اندر لے گیا۔ ایک کمرے میں جو نہایت شاندار اور آراستہ تھا بٹھایا۔

اب جعفر نے کہا۔ کہ تمہاری خانقاہ میں ایک لڑکی روزلیا نامی ہے اسے فوراً ہمارے سامنے پیش کرو۔

بشپ (۲) ڈر رہا تھا اس نے کہا 'ابھی حاضر کرتا ہوں۔

وہ گیا اور جلد ہی روزلیا کو اپنے ساتھ لے آیا۔ جعفر نے دیکھا 'یہ وہی حینہ تھی جو انہیں پہاڑ پر ملی تھی۔ جس کے ساتھ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اور جس نے بکرا زخمی ہونے پر کہا تھا۔ تم نے اس غریب بکرے کو تیر کا نشانہ بنایا ہے رحم کہیں کے۔ وہ اس شعلہ کو دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی۔ روزلیا نے اول انہیں شرمیلی نظروں سے دیکھا اور پھر سربہ کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھی اور ماں کہہ کر اس کی گود میں جا پڑی۔ سربہ نے اسے سینے سے لگالیا۔

جیلہ اس کو دیکھتی رہی وہ چھ برس کی تھی جب اس سے جدا ہوئی تھی اس کی نگاہوں میں وہی چٹیل لڑکی بسی ہوئی تھی۔ مگر اب وہ ایک مست شباب حینہ ہو گئی تھی۔ لیکن اس نے اسے پہچان لیا۔ اس کی محبت نے جوش مارا اور ایسی بے خود ہوئی کہ پردہ کا خیال نہیں کیا۔ نقاب الٹ دیا اور آواز دی عذرا!

روزلیا نے اس کی طرف دیکھا مگر پہچان نہ سکی۔ جیلہ نے کہا 'تم مجھے بھول گئیں عذرا۔ میں تمہیں نہیں بھولی۔ میں تمہاری امی ہوں..... امی یاد کرو۔

سٹی بی اسکاٹ صاحب نے اپنی تاریخ اخبار اندلس جلد دوم میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا رعب سسلی میں آیا تھا کہ

روزلیا اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جیلہ نے کہا نہیں پہچانا۔ یاد کرو، تم طبرمین میں رہتی تھیں باغوں میں سیر کرنے جاتی تھیں میری گود میں کھیلتی تھیں۔ ایک عیسائی سوداگرہ نے تمہیں ایک ادنیٰ شال اور بندے دیئے تھے یہ رہی وہ شال اور یہ رہے وہ بندے انہیں دیکھو، پہچانو اور مجھے بھی پہچانو! میں نے انہیں حفاظت سے رکھا ہے۔

روزلیا اس طرح آہستہ آہستہ اٹھنے لگی جیسے وہ بیدار ہو رہی ہے اس نے شال اور بندے دیکھے۔ اپنی آنکھیں بند کیں۔ کچھ سوچا، شاید اسے سب کچھ یاد آگیا۔ وہ اٹھ کر جیلہ سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا امی..... میری امی!“

جیلہ کے آنسو جاری ہو گئے۔ عذرا بھی رونے لگی اوروں کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے۔ اس طرح مدت کے پچھڑے ہوئے ملے۔

(۵۷)

عذرا کے ملنے سے جعفر، جیلہ، سرپی اور سیاح سبھی کو خوشی ہوئی وہ اسے لیکر چلے۔ بٹپ کو کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی۔ اسلامی فرد گاہ پر آگئے۔ سرپی نے کہا بیٹی۔ کسی نے تجھے پہاڑ پر جانے کے لئے کہا تھا.....؟“

اب ہم روزلیا کو عذرا ہی لکھیں گے۔ اس نے کہا، پجاری جی نے، وہ میرے پاس آئے انہوں نے کہا۔ تمہیں مارے بس کی بات یاد ہے۔ میں نے کہا یاد ہے۔ وہ بولے تم یہ مندر کے کپڑے اتار کر اپنے اچھے کپڑے پہن لو۔ اور سامنے والی پہاڑی پر چلی جاؤ۔ وہاں خوش قسمتی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ میں چلی گئی۔

سرپی:- پھر کیا ہوا.....؟“

عذرا:- وہاں مجھے ایک مہنت ملا۔ وہ مجھے ساتھ لیکر چلا۔ اس نے مجھ سے کہا پجاری تم سے محبت کرتے ہیں..... اس نے بہت بری بری باتیں کیں۔ مجھ پر دست درازی کرنے لگا۔ اتفاق سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی وہاں آگیا۔ اسے دیکھتے ہی وہ مہنت بھاگ کھڑا ہوا۔ اس سے غلطی ہوئی وہ ایک کھڈ میں گر گیا اور گرتے ہی مر گیا۔ اب میں واپس قصریانہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ ادھیڑ عمر کے آدمی نے مجھ سے میرے حالات پوچھے میں نے اس ڈر سے غلط حالات بتائے کہ کہیں پھر وہ مجھے قصریانہ نہ لے جائے۔ وہ مجھے ساتھ لیکر چلے۔ راستہ میں (جعفر کی طرف اشارہ کر کے) یہ ملے ہم

دونوں یعنی میں اور ادھیڑ عمر کا آدمی چلے۔ ہمیں عیسائیوں کا ایک قافلہ مل گیا۔ ہم دونوں اس قافلے کے ساتھ ہو گئے۔ ایک روز ایک راہب نے میرے ساتھی کو ایک غار میں دھکا دیدیا اور وہ مر گیا۔

فے نس:- مگر بیٹی بوڑھے سیاح نے تو کہا تھا تمہیں کئی آدمی پہاڑی پر ملے۔ انہوں نے تمہیں بے بس کر کے گھر ڈے پر لا دیا تھا۔ ایک کھوہ میں ٹھہرے وہاں ایک آدمی تمہارے پاس رہ گیا باقی کہیں چلے گئے۔ وہ تمہیں دھکا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ تم نے خود اس سے یہ حالات بیان کئے تھے۔

عذرا:- ”میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا۔ نہ ایسا ہوا تھا۔ معلوم نہیں انہوں نے کس مصلحت سے یہ باتیں کیں۔“

جیلہ:- ”بیٹی عذرا تم نے مجھے اچھی طرح پہچان لیا ہے۔“

عذرا:- ”جی ہاں۔ خواب کی طرح یاد ہیں۔ میں ٹھیک بیان نہیں کر سکتی۔“

جیلہ:- ”بیٹی تم مجھے پورے بارہ برس کے بعد ملی ہو وہ بھی ان (جعفر کی طرف اشارہ کر کے) نیک دل نوجوان کی بدولت

بیساختہ جعفر کی زبان سے نکلا۔ نیک دل نہیں بیرحم کہئے۔“

عذرا انہیں دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اس کا تبسم بجلیاں گرانے لگا۔ جیلہ نے کہا۔ ”یہ کیا معمہ ہے.....؟“ عذرا نے کہا مجھ سے سنئے۔ یہ مجھے ملے تھے انہوں نے ایک پہاڑی بکرے کو تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ میری زبان سے نکل گیا تھا بیرحم کہیں کے۔ جیلہ:- ”اچھا تو تم پہلے بھی مل چکے ہو۔“

عذرا:- ”میں نے پہلے بھی تو عرض کیا تھا کہ یہ ملے تھے۔“

جعفر:- ”اور مجھے فے نس نے بتایا تھا کہ میں نے دلربا سر سے کو دیکھا ہے۔“

عذرا:- لوگوں نے مجھے دلربا سر سے ہی سمجھا تھا۔ ایک چھوٹا سا قافلہ ملا۔ اور قافلے والے مجھے دلربا سر سے سمجھ کر ڈر گئے اور بھاگے چلے گئے۔

جعفر:- ”مجھے فے نس نے ایسی ایسی داستانیں سنائیں جو یقین نہیں آئیں۔ مثلاً یہ

کہ دلربا سر سے سو برس کے بعد آگ میں نہا کر نوجوان اور خوش جمال ہو جاتی ہے۔

سائیکلوپ دیوتا ہیں۔ حالانکہ میں نے انہیں دکھایا کہ جنہیں یہ لوگ سائیکلوپ کہتے ہیں

وہ بن مانس ہیں ایک بن مانس میں نے پکڑ لیا تھا۔ جسے لوگ دلربا سر سے سمجھے وہ عذرا

تھیں۔ دراصل لوگ اوہام پرست ہیں کسی چیز کو دیکھ کر عجیب عجیب روایتیں اس کے

متعلق گھڑ لیتے ہیں۔ اس ملک کی پرانی قومیں بڑی تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں۔
 نے فس :- میں نے بھی غور کیا تو مجھے تمہاری باتیں ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہیں واقعی
 ہمارے عقیدے کمزور مذہبی روایتوں پر مبنی ہوتے ہیں ان میں اصلیت و سچائی نہیں
 ہے یہی وجہ ہے کہ ہم ہر بات سے ڈرتے ہیں اور تم مسلمان کسی بات سے بھی نہیں
 ڈرتے۔ مگر تم جس خدا کو مانتے ہو اسے تم نے دیکھا تو ہے ہی نہیں۔

جعفر :- ”خدا کو کوئی آنکھ دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی وہ ایسا نور ہے جو آنکھوں کو خیرہ
 کر دیتا ہے۔ وہ لامحدود ہے۔ اسی وجہ سے ہر جگہ بڑی قدرت والا ہے آسمانوں اور
 زمین کا پیدا کرنے والا ہے تمام چیزوں کا خالق ہے وہی خدا ہے اور وہی عبادت کے
 لائق ہے۔“

فس :- تم سچ کہہ رہے ہو۔ میں اپنے باطل عقیدوں سے توبہ کرتا ہوں۔ مجھے
 آپ مسلمان کر دیجئے۔ جعفر نے اسے مسلمان کر لیا۔ سہی بھی مسلمان ہو گئی اور عذرا کو
 بھی کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا گیا۔ جعفر نے کہا۔ تم نے دیکھا کہ قربانی نہیں دی گئی اور
 زلزلے بند ہو گئے کیوں؟ اس لئے کہ کوہ آتش فشاں کا مادہ خارج ہو گیا۔ نہ اب
 گز گڑا ہٹ سننے میں آتی ہے۔ نہ زلزلے آتے ہیں۔

فس :- تم سچ کہہ رہے ہو۔
 ابھی اسی قدر باتیں ہوئی تھیں کہ سیفالو کے قلعہ سے ڈھائی سو سوار نکلے۔ وہ
 مسلمانوں کے اس قافلہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہو کر ٹھٹکے۔ اور پھر ان کی طرف بڑھ کر
 آئے۔ جعفر نے دیکھ لیا۔ وہ خود بھی ان کی طرف بڑھے۔ جب ان کے قریب پہنچے تو
 وہ لوگ جلدی جلدی گھوڑوں سے اترے اور انہوں نے نہایت ادب سے سلام کیا۔
 سہی، فس اور عذرا نے بڑی حیرت سے دیکھا۔ ان سواروں کے سردار نے کہا کہ
 خدا کا شکر ہے آپ آگئے آپکے بلانے کے لئے تو قاصد بھیجے گئے ہیں۔ جعفر نے کہا
 کیوں؟ ایسی کیانٹی بات ہو گئی ہے۔

سردار :- ”اعلیٰ حضرت امیر ابراہیم نے سرقوسہ پر لشکر کشی کا حکم دیدیا ہے۔“
 بحری اور بری فوجیں تیار کھڑی ہیں۔ یہ ہم آپ کی سرکردگی میں بھیجی جائے
 گی۔

صرف آپ کے آنے کا انتظار تھا۔

قیروان میں ابراہیم بن احمد تخت نشین ہوئے تھے۔ انہوں نے سرقوسہ فتح کرنے کا
 ارادہ کر لیا تھا۔

جعفر کو یہ سکر بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے کہا ہم بھی آگئے ہیں۔
 سردار :- تیار ہو جائیے۔ ہم آپ کے ساتھ ہی چلیں گے۔

جعفر نے واپس آکر کوچ کا حکم دے دیا۔ جلدی جلدی تیاری کی گئی اور سب
 روانہ ہوئے انہوں نے سفر تیزی سے جاری رکھا۔ تیسرے روز ہلمو کے سامنے
 جا پہنچے۔ اب ہلمو اور اس کے مضافات کی ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ ہلمو کے گرد
 میلوں تک باغ اور باغیچے لگے ہوئے تھے ہر باغ میں خوشنما عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔
 فوارے جاری تھے۔ سرس روایں تھیں یہ خطہ جنت کا ٹکڑا ہو گیا تھا۔ چونکہ دن چھپنے
 کے قریب تھا اور ابھی ہلمو چار میل دور تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی جگہ ایک باغ
 میں قیام کر دیا۔ باغ کے تمام ملازمین جعفر کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ انہوں
 نے انہیں کچھ احکام دیئے اور وہ چلے گئے جعفر تنہا ایک خوشنما فوارہ کے پاس بیٹھے
 تھے کہ عذرا حسن و جمال کی بارش کرتے ہوئے آئی۔ اس نے جعفر سے پوچھا۔ آپ
 کون ہیں؟

جعفر نے سنجیدگی سے کہا ”انسان!“

عذرا نے شوخی سے کہا۔ مجھے اس میں کچھ شک ہی ہے۔ انسانوں سے لوگ ڈرا
 نہیں کرتے۔ آپ سے ڈرتے ہیں۔

جعفر نے اس سسلی کی ساحرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ جیسے تم دلربا سرے سسلی کی
 مشہور جادوگر بن گئی تھیں اسی طرح مجھے بھی کچھ بنانا چاہتی ہو؟

عذرا :- ”آخر یہ سوار باغوں کے ملازم آپ کی اس قدر تعظیم کیوں کرتے ہیں؟“

جعفر :- ”یہ بات تو ان سے ہی پوچھو۔“

عذرا :- ”نہ بتاؤ۔ ہمیں معلوم ہو ہی جائے گی۔“

جعفر نے مسکرا کر کہا ساحرہ جو ٹھہریں۔“

وہ چلی گئی۔ دوسرے روز جعفر نے وہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ کہ

قصیانہ کے چند لوگ آئے اور انہوں نے کہا ہم پجاری کو لائے ہیں۔ بنانچہ انہوں نے

پجاری کو ان کے سامنے پیش کیا۔ جعفر نے فس اور عذرا سے مشورہ کیا۔ عذرا

نے کہا انہیں رہا کر دیجئے۔ جعفر نے انہیں رہا کر دیا۔ پجاری کو سب باتیں بتائی گئیں۔

وہ مسلمان ہو گئے سب کو ان کے مسلمان ہونے سے خوش آئی۔ اب یہ سب ہلمو

کی طرف روانہ ہوئے۔

جہاز بندرگاہ میں نہایت ترتیب سے لنگر انداز تھے۔ ان جہازوں نے سمندر اور شہر کے درمیان مضبوط دیوار سی قائم کر لی تھی۔ عیسائیوں نے مدافعت کا انتظام ایسا کر لیا تھا کہ سرقوسہ کی فتح ناممکن معلوم ہوتی تھی۔

مسلمانوں نے خشکی کی طرف سے شہر کا محاصرہ شروع کر دیا تھا۔ بحر روم میں جہاز اس طرح پھیلا دیئے تھے کہ عیسائیوں کو مزید کمک نہ پہنچ سکے۔ اور بندرگاہ میں جو عیسائیوں کے جہاز ہیں وہ بھی سمندر میں نہ آسکیں۔ اب دنیا بھر کی نگاہیں اس مہم کی طرف لگ گئی تھیں۔ یورپ کی فوجیں بھی کچھ آچکی تھیں۔ نیز سرقوسہ کے باہر بھی ایک مختصر شہر آباد تھا۔ لیکن مسلمانوں کے آنے کی خبر سنکر عیسائیوں نے یہ شہر خالی کر دیا تھا۔ اور اندرون قلعہ تمام دولت و سامان لے کر چلے گئے تھے۔ مسلمانوں نے اس خالی شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ جعفر نے سرقوسہ کے قریب پہونچکر تمام بحری اور بری فوج کا چارج لے لیا تھا۔ انہیں یہ معلوم ہوا تھا کہ قیروان سے کچھ امدادی فوجیں آئی ہیں۔ اور وہ اغلب کے ماتحت ہیرانہوں نے جمیلہ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ یہ دعا مانگی کہ وہ ابوالنضر کے بیٹے اور جمیلہ کے شوہر اغلب ہوں۔ یہ فوج جہازوں میں آئی تھی اور بحر روم میں تھی۔

جعفر نے حملہ کی تیاری شروع کی۔ انہوں نے ایک ہی وقت میں خشکی اور تری دونوں طرف یلغار کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ناریونانیہ نالیاں کھود کر سرنگ کے ذریعہ سے برجوں کے نیچے تک پہنچا دی گئی تھیں۔ ادھر سمندر میں بھیسکدی گئیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پھٹنے والی تار پیڈوں کی قسم کی سرنگیں خشکی اور تری دونوں میں یکساں کام دیتی تھیں اور عیسائی ان سے کانپتے (۱) تھے۔

لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ عیسائی پوری قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ انہیں قلعہ کے قریب نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ جعفر نے ایک روز سرقوسہ کے گورنر کے پاس پیغام بھیجا۔ اگر تم اطاعت کر لو تو سب کی جان بخشی کر دی جائیگی۔ عیسائی

۱۔ اخبار اندلس کی جلد دوم صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے کہ ناریونانیہ سمندر میں اور شہر کے حصوں میں بھیسکدی گئیں اور عیسائی کانپ رہے تھے اور ڈر رہے تھے کہ کہیں وہ پھٹ کر شہر کو جلا کر خاکستر نہ کر دیں اور جہازوں کو غرق نہ کر ڈالیں۔

ہلمو اب عیسائیوں کے زمانہ کا ہلمو نہیں رہا تھا۔ نہایت عالیشان شہر ہو گیا تھا۔ سڑکیں کشادہ ہو گئی تھیں بازار کشادہ ہو گئے تھے۔ بازار میں کئی پارک بنائے گئے تھے۔ مسلمانوں نے نہایت عمدہ محلات بنائے تھے۔ ہر محل میں پائیں باغ تھا۔ ہر باغ میں کئی کئی فوارے ہر وقت چلتے تھے باغوں میں قسم قسم کے میوے پھل خوش رنگ و خوشنما اور خوشبودار پھولوں کے درخت اور پودے لگائے تھے۔ ان پر چھوٹی چھوٹی نہروں کا جال پھیلا دیا تھا۔ غرض ہلمو کو ارم زار بنا دیا تھا۔ مسجد نہایت وسیع اور عالیشان بنائی تھی اس کی مینت کاری لاجواب تھی۔

ایک عالیشان محل میں جعفر پہونچے۔ جمیلہ، عذرا اور سرہی زانخانہ میں چلی گئیں اور نے نس و سیاح مروانہ میں رہ گئے۔ سپاہی اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ عذرا نے محل دیکھا بڑا ہی دلکش بنا تھا۔ تعجب ہوتا تھا کہ عربوں نے ایسی نفیس عمارتیں بنائی ہیں جن کی نظیر یورپ بھر میں نہیں مل سکتی۔ بے شمار کنیریں تھیں۔ عذرا نے کہا، جعفر ضرور کوئی بڑے آدمی ہیں۔

سرقوسہ پر حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ناریونانیہ (تار پیڈوں کا باوا آدم) مختلف جہازوں میں بڑی حفاظت و احتیاط سے رکھی گئی تھیں۔ نیز جہازی بیڑے روانہ ہوئے خشکی کی طرف سے فوجیں چلیں۔ جعفر اس تمام سپاہ کے سپہ سالار اعظم بنائے گئے۔ وہ بھی چلے۔ جمیلہ، عذرا، سرہی اور نے نس سب ان کے ساتھ ہو گئے اور بھی کئی قبیلوں کے لوگ اپنے اہل و عیال کے ساتھ لے کر چلے۔ عیسائیوں کو اس حملے کی اطلاع پہلے ہی ہو گئی تھی انہوں نے سرقوسہ کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کر لیا تھا۔ اس وقت قسطنطنیہ کا بادشاہ باسل تھا۔ نہایت بیدار مغز اور جفاکش تھا۔ اس نے سرقوسہ پر اپنی پوری قوت بھیسدی تھی۔ نہایت بہترین فوجیں اور اس زمانہ کے جنگجو اور تجربہ کار افسر آئے تھے۔ پانچ سو بڑے جہازوں میں یہ فوج بھر کر لائی گئی تھی۔ سرقوسہ کے گورنر نے بھی اس علاقہ کے بہادر اور سرفروش لوگوں کو فوج میں بھرتی کر لیا تھا۔ رسد اور سامان جنگ کافی تعداد میں جمع کر لیا تھا۔

اسلامی فوجیں خشکی اور سمندر کی طرف سے پہنچنی شروع ہوئیں۔ ان فوجوں کی تعداد مشکل سے بیس ہزار ہو سکتی۔ عیسائی فوجیں ساٹھ ہزار سے زیادہ تھیں۔ ان کے

حاکم نے اس کا سخت جواب دیا۔ جعفر نے بری اور بحری فوجی افسروں کے پاس پیغام بھیج دیا کہ اگلے روز پرزور حملہ کر کے شہر فتح کر لیا جائے۔

مسلمان تیار ہو گئے اور دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی سب سے پہلے اسلامی جہاز جوش میں آکر بڑھے ادھر خشکی میں فوجوں نے مدد شدی کی۔ عیسائی ہوشیار ہو گئے۔ بہت سے جہاز عیسائی جہازوں کے قریب پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے تیر برسوں سے شروع کئے جہاز بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ عیسائی جہازوں سے مل گئے مسلمان عیسائیوں کے جہاز میں کود گئے اور انہوں نے جہازوں کے سپاہیوں اور ملاحوں کو قتل کر کے سمندر میں پھینکنا شروع کر دیا۔ سمندر کانینگوں پانی سرخ ہونے لگا۔ عیسائی بڑی دلیری سے مقابلہ کر رہے تھے۔

اور جو مسلمان ان کی زد میں آجاتے تھے انہیں قتل بھی کر دیتے تھے۔ لیکن مسلمان ایسے پرزور حملے کر رہے تھے کہ ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔ اور وہ یا تو قتل ہو جاتے تھے یا سمندر میں کود کر ڈوب جاتے تھے۔ مسلمانوں نے کئی سو جہازوں پر قبضہ کر لیا تھا اور عیسائی جہازوں پر نار ایونائیہ پھینچیں اور وہ جہاز مع سپاہیوں اور ملاحوں کے غرق ہو گئے۔ اس سے عیسائیوں پر خوف چھا گیا اور وہ جہازوں کو چھوڑ چھوڑ کر بندر پر اترے اور بھاگ بھاگ کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے عیسائی جہازوں پر قبضہ کر لیا۔

ادھر خشکی کی طرف سے مسلمان دلیری سے بڑھ رہے تھے۔ اور اب جعفر نے بھی حملہ کر دیا تھا۔ مسلمان ڈھالوں کے سایہ میں بڑھ رہے تھے۔ عیسائی ان پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر رہے تھے اور اس قدر شور کر رہے تھے کہ زمین و آسمان گونج رہے تھے اور مسلمان اطمینان سے منہمقوں کو قلعہ کی طرف بڑھا رہے تھے۔

ابھی مسلمان قلعہ کے قریب نہ پہنچے تھے کہ کئی سرنگیں یعنی نار ایونائیہ پھینچیں اور ایک برج اور فصیل کا تھوڑا سا حصہ اڑ گیا۔ اس برج اور اس فصیل پر جتنے عیسائی تھے ان کے ٹکڑے اڑ گئے عیسائی سم گئے اور انہوں نے اور بھی سختی سے مدافعت شروع کی۔ شور پہلے سے بھی دوچند ہو گیا۔ مسلمان تیزی سے بڑھے جو حصہ منہدم ہو گیا تھا۔ اس پر چڑھ کر قلعہ میں داخل ہو گئے اور پھر دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کو اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو کاٹنا چھانٹنا شروع کر دیا اور نہایت گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور سردھڑکٹ کٹ کر گرنے لگے۔

عیسائی مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلمان ایک قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

بلکہ مارتے کاٹتے آگے بڑھ رہے تھے۔ قدم قدم پر خونریزی ہو رہی تھی عیسائیوں نے قلعہ کو بچانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ممکن تھا کہ وہ مسلمانوں کو دھکیل دیتے مگر اس وقت جعفر وہاں پہنچ گئے اور مسلمان انہیں دیکھتے ہی جم گئے اور شدت سے حملے کرنے لگے۔

آخر عیسائیوں کو شکست ہو گئی وہ پسپا ہوئے۔ مسلمانوں نے انہیں تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔ ان کی لاشوں سے قلعہ کا صحن بھر دیا اب عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیے مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا اس طرح یہ مشہور شہر ۵۲۳ھ میں فتح ہو گیا۔ جنگی قانون کے مطابق عورتیں بچے اور مرد سب کینز اور غلام بن گئے۔ اس شہر میں دولت کے انبار تھے۔ عیسائی دولت مندوں سے زیادہ پادریوں کے پاس سونے چاندی کے انبار تھے۔ سب مسلمانوں کو مال غنیمت میں ملے وہاں کے مال غنیمت کا اندازہ تقریباً "دس کروڑ روپے کا کیا گیا تھا اور ایک عرصہ کی ظالمانہ حکومت کے بعد عدل و انصاف کی حکومت آگئی اور سرقوسہ کے غلاموں میں آزادی کی فضا میں سانس لیا۔

جعفر نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ جزیہ دیں گے وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ انہیں ہر قسم کی مذہبی آزادی ہوگی۔ ان کے مقدمات انہی کے قوم کے لوگ فیصلہ کریں گے۔ صرف اپیل اسلامی عدالتوں میں ہو سکے گی۔ بیشمار عیسائی مردوں، عورتوں اور بچوں کے جزیے ادا ہو گئے اور وہ آزاد کر دیئے گئے۔ وہ سرقوسہ ہی میں رہنے لگے۔ لیکن پادری اور فوجی سپاہیوں کو آزاد نہیں کیا گیا۔ پادری صرف نام کے پادری تھے۔ وہ دولت مندوں سے زیادہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے ان سے عیسائی بھی ناخوش تھے۔

جعفر سرقوسہ کے اندر گورنر کے مکان میں مقیم ہو گئے تھے۔ جیلہ، عذرا اور سرہی سب ان کے پاس ہی تھے۔ ایک روز اغلب ان سے ملنے آئے۔ جعفر نے ان کا استقبال کیا، ان کی کارگزاری کا شکر ادا کیا دیر تک باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا کہ وہ ابوالضر کے بیٹے ہیں۔

انہوں نے پوچھا کیا جیلہ انہیں یاد ہے.....؟

انہوں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ یاد ہے، اور مرتے دم تک یاد رہے گی۔

جعفر:- کیا تمہارا خیال ہے اس نے بیوفائی کی۔

اغلب:- "نہیں وہ بے وفا نہیں تھی۔ میں سمجھتا ہوں اسے عذرا کی محبت نے مجھ سے جدا ہونے پر مجبور کیا۔"

جعفر: ”اگر وہ مل جائے تو کیا آپ اسے معاف کر دیں گے۔“
 اغلب نے کچھ عجیب اشتیاق بھری نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا۔
 ”مل جائے..... اگر مل جائے تو میرے دل کی فٹس دور ہو جائے۔ اگر تمہیں
 اٹھی کا پتہ معلوم ہو تو بتا دو۔ میں مشکور ہوں گا میں نے اسے مقدور بھر تلاش کیا۔ مگر
 وہ نہیں ملی۔“

جعفر: ”اچھا پہلے ان کے حالات سن لو۔“

اب جعفر نے اختصار کے ساتھ ان کے تمام حالات سنا دیے۔ اغلب کی زبان سے
 نکلا۔ معصوم جیلہ تم نے کس قدر تکلیفیں برداشت کیں۔
 اسی وقت جیلہ وہاں آگئیں۔ انہوں نے کہا۔ کنیز حاضر ہے۔
 اغلب انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جعفر وہاں سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ تاکہ
 دونوں مدت کے پچھڑے بے تکلفی سے مل سکیں۔ اغلب نے جیلہ کو اپنی آغوش میں
 لے لیا۔ جیلہ رونے لگی۔ اغلب نے انہیں تسلی دی اور کہا، تمہارے آنے سے میری
 زندگی میں پھر روشنی نظر آنے لگی ہے مجھے میرے عزیزوں نے مجبور کیا کہ میں عقد
 کر لوں مگر تمہاری یاد نے پیچھا نہ چھوڑا اور میں نے عقد نہ کیا خدا کا ہزار ہزار شکر و
 احسان ہے کہ تم مل گئیں جس کے لئے تم نے مجھے چھوڑا تھا کیا وہ مل گئی؟
 جیلہ: مل گئی۔ میں اسے لاتی ہوں۔

جیلہ گئی اور عذرا کو لے آئی۔ عذرا نے انہیں سلام کیا اور ابا جان کھڑے ان سے
 لپٹ گئی۔ انہوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔ یہ سب دیر تک بیٹھے
 باتیں کرتے رہے۔ جیلہ نے انہیں بتایا کہ جعفر نے سب کو ملایا ہے۔ عذرا کے دل
 میں جعفر کی عزت اور محبت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

کئی روز کے بعد مال غنیمت کا پانچواں حصہ پر غلاموں کی بھاری تعداد فتح کی
 خوشخبری کے ساتھ قیروان جلالتماب ابراہیم کی خدمت میں بھیجے گئے اور سرقوسہ کا
 انتظام کرنے کے بعد جعفر، اغلب، فے نس، سرب، جیلہ اور عذرا کے ساتھ ہلمو کی
 طرف روانہ ہوئے۔

(۵۹)

ہلمو میں جعفر کے استقبال کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئی تھیں۔ انہوں
 نے سرقوسہ فتح کیا تھا۔ اس سے ان کی جرات، دلیری، تدبیر و جنگجویی کی شہرت ہو گئی
 تھی۔ جعفر محمد بن خفاجہ کے بیٹے تھے۔ محمد بن خفاجہ ہلمو کے امیر نائب السلطنت

تھے۔ جب وہ فے نس کے ساتھ گئے تھے تو ان کی شخصیت کو اس لئے چھپایا گیا تھا کہ
 ان کے ساتھ بہت ہی کم مسلمان تھے۔ کہیں کوئی عیسائی یا سسلی کا قدیم باشندہ انہیں
 کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

قیروان کے بادشاہ امیر ابراہیم نے محمد بن خفاجہ کو لکھا تھا کہ وہ سرقوسہ اپنے بیٹے
 کو بھیجیں۔ اگر انہوں نے سرقوسہ فتح کر لیا تو انہیں تمام سسلی کا فرمانروا بنا دیا جائے
 گا۔ محمد بن خفاجہ بوڑھے ہو گئے تھے اور وہ سسلی کے فرمانروا نہیں رہنا چاہتے تھے۔
 بھرا اپنی باقی عمر اللہ کی یاد میں گزارنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے قیروان کے امیر
 ابراہیم کو لکھا تھا کہ وہ سسلی میں کسی اور کو اپنا نائب السلطنت مقرر کر دیں۔ ان کی
 اس تحریر پر امیر ابراہیم نے یہ حکم دیا تھا کہ جعفر کو سرقوسہ کی مہم پر بھیجو۔ اگر انہوں
 نے اسے فتح کر لیا تو وہی سسلی کے فرمانروا بنا دیئے جاویں گے۔

جب جعفر ہلمو میں داخل ہوئے تو ان کا استقبال نہایت شاندار کیا گیا۔ ہلمو کی
 سجاوٹ قابل دید تھی۔ سمر پوش مسلمانوں کا سیلاب استقبال کے لئے امنڈ آیا تھا۔
 ان کے ساتھ عیسائی قیدیوں کی بھاری تعداد تھی۔ لوگ ان قیدیوں کو دیکھ کر تعجب
 کرتے تھے۔ تمام ہلمو اللہ اکبر اور شہر دل مجاہد جعفر زندہ باد کے نعروں سے گونج رہا
 تھا۔ یہ جلوس قصر شاہی پر جا کر رکا۔ محمد بن خفاجہ نے اپنے بیٹے جعفر کو اپنے سینہ سے
 لگایا اور کہا۔ آج تم نے مجھے اور تمام مسلمانوں کو خوش کر دیا۔ جو فتح تم نے حاصل
 کی ہے۔ اس سے تمہارا نام تاریخوں میں جلی قلم سے لکھا جائے گا۔ تم نے جہاد میں
 سرفروشی کر کے اللہ کو خوش کیا۔ رسول اللہ صلعہ کو خوش کیا۔ امیر ابراہیم کو خوش
 کیا۔ تمام مسلمانوں کو خوش کیا اور سب سے بھاری بات یہ جنت میں اپنا گھر بنا
 لیا۔

جیلہ اور اغلب کو قصر کے قریب ایک اور محل رہنے کو دیدیا گیا۔ عذرا سرب
 بھی وہیں رہنے لگیں تھیں۔ سرب کا اسلامی نام زہرہ اور فے نس کا عبدالرحمان
 عذرا کبھی کبھی جیلہ کے ساتھ اور کبھی تنہا جعفر کے محل میں آجاتی تھی جعفر کی والدہ
 سلمہ موجود تھیں وہ بھی عذرا سے بڑی محبت کرنے لگی تھیں۔ ان کی بھی خواہش تھی
 کہ اس پری کو اپنے بیٹے کی دلہن بنا کر گھر لے آئیں۔ مگر اس لئے پیغام دیتے جھکتی
 تھیں کہ کہیں اغلب منظور نہ کریں۔

ایک روز عذرا جعفر کے قصر میں آئی اور سلمہ کو سلام کر کے اندر کمرہ میں جا

کی طرف دیکھا جیلہ نے کہا۔ عذرا پر جتنا اختیار مجھے تھا۔ اب اتنا ہی تمہیں ہے میں تو جانوں میں بھی چلوں۔ تم بھی چلو اور عذرا بھی چلے۔

سلمہ نے خوش ہو کر کہا چلو۔ انہوں نے بھی لباس بدلا۔ جیلہ اور عذرا پہلے ہی لباس بدل کر آئی تھیں۔ سلمہ نے اپنے ان دونوں کپڑوں میں عطر بہا دیا۔ نقاب چہروں پر ڈالی اور گھر سے باہر نکل۔ گاڑی میں سوار ہو کر چلیں۔ جعفر ساتھ تھے۔ پیاس سوار گاڑی کے پیچھے چلے۔

جب یہ لوگ بازار میں پہنچے تو انہوں نے عملوں کی قطاریں دیکھیں جن میں عرب عورتیں اور لڑکیاں بیٹھ کر آئی تھیں۔ اونٹوں کی لمبی قطاریں دیکھیں۔ بازار نہایت کشادہ تھے اور ان میں پتھروں کا صاف و شفاف فرش تھا۔ دوکانیں قرینے سے آراستہ تھیں اور ان دوکانوں پر عرب عبا ئیں پہنے اور عمامے باندھے بیٹھے خرید و فروخت کر رہے تھے۔ عرب مرد اور بچے اپنے مخصوص لباس میں چل پھر رہے تھے۔ نیز عیسائی و سسلی کے قدم باشندے بھی آ جا رہے تھے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اپنے قومی لباس پہنے تھے۔ اور یہ لباس ان پر اچھا معلوم ہوتا تھا۔ ان کی عورتیں بھی عربی خواتین اور دوشنراؤں کا سالباس پہنے تھیں۔ ان میں زیادہ تر بے نقاب تھیں اور کچھ نقاب ڈالے تھیں عورتوں پر بھی مغربی خواتین کا لباس پہنتا تھا۔ عربی خواتین اور دوشنرائیں ریشمی مٹلا لباس پہنے اور پھولدار نازک جوتے پاؤں میں ڈالے بڑی شان سے چل پھر رہی تھیں ان کے نقاب نہایت خوشنما تھے وہ جس طرف نکل جاتی تھیں عطر کی لپٹیں آتی تھیں۔

عذرا، جیلہ اور سلمہ بھی سواری سے اتر گئیں۔ جعفر ان کے ساتھ ہوئے سوار مسجد کی طرف چلے یہ سیر کرتے ایک پارک میں پہنچے یہ نہایت خوشنما باغیچہ تھا اس کے بیچ میں ایک نہر تھی اس نہر سے چھوٹی چھوٹی نالیاں نکالی گئیں تھیں جو باغیچہ کو سیراب کرتی تھیں نیز کئی خوشنما فوارے تھے جب ان کے حوضوں میں پانی اچھل کر گرتا تھا تو بڑا لطف آتا تھا۔

کچھ دیر باغیچہ میں ٹھہر کر وہ جامع مسجد میں گئے یہ مسجد نہایت عالیشان تھی اس کی صنعت و نزاکت دیکھنے کے قابل تھی۔ اس کی دیواریں مختلف پتھروں کی تھیں۔ یہ پتھر نہایت خوبصورت تھے۔ انہیں ایسے مسالے سے جوڑا گیا تھا جس سے جوڑ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سڑک میں قیمتی پتھروں کی پچی کاری تھی۔ نیز چھتوں میں مارچچ وضع کے ساتھ

بیٹھی۔ اتفاق سے جعفر آگئے۔ انہوں نے کہا۔ ”اوہو سسلی کی حسین ساہو بیٹھی ہیں۔“ عذرا نے اپنی موٹی موٹی حسین آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور کہا ”اچھا شیردل مجاہد آگئے۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ جعفر:- ”زہے قسمت فرمائیے کیا حکم ہے۔“

عذرا:- ”حکم یہ ہے کہ آج ہمیں بازار میں گھملاؤ اور جامع مسجد بھی دکھا لاؤ۔“ جعفر:- ”بہت اچھا۔ امی جان سے اجازت لے لو۔“

عذرا:- ”وہ بھی چلیں گی۔ ابھی آرہی ہیں۔“

تھوڑی دیر میں جیلہ بھی آگئیں۔ وہ سلمہ سے ملیں۔ سلمہ ان کی بڑی عزت کرتی تھیں۔ ان کا خیر مقدم کیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد کہا۔ ایک بات عرض کرنا چاہتی ہوں۔ مگر ہمت نہیں ہوتی۔

جیلہ:- ”شوق سے کہئے۔“

سلمہ:- ”کہیں تم خفا نہ ہو جاؤ۔“

جیلہ:- ”ابسا خیال نہ کرو۔“

سلمہ:- ”میں عذرا کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“

جیلہ نے مسکرا کر کہا۔ تم زبان۔ آج کہہ رہی ہو مگر تمہاری آنکھوں نے بہت پہلے کہہ دیا تھا۔ میں نے اغلب اس کی ذکر کر دیا تھا۔

سلمہ بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے کہا تو کیا میری درخواست منظور ہو گئی۔ جعفر کو آپ نے اپنی فرزند میں قبول کر لیا.....؟“

جیلہ:- ”جعفر بیٹا ہے۔“

سلمہ:- ”تو بہت بہت شکریہ!“

رفت عذرا وہاں آگئی۔ سلمہ اٹھ گئیں۔ اور انہوں نے موتیوں کی ایک مالا لا سہارا کی حسین گردن میں پہنا دی عذرا سمجھ گئی۔ شرم سے اس کا سر جھک گیا۔ سلمہ نے اس کی چاند سی پیشانی چوم لی۔

جیلہ برابر مسکرا رہی تھی۔ اب جعفر آگئے عذرا نے شرمیلی نظروں سے انہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ امی جان عذرا بازار اور مسجد دیکھنے جانا چاہتی ہیں۔

عذرا شرم سے اور سمٹ گئی۔ جعفر کو معلوم نہیں تھا کہ رسم ادا ہو گئی اور عذرا کیوں شرم و حیا کی گڑیا بن کر رہ گئی ہے۔ سلمہ نے طلب نظروں سے جیلہ

سائنس کے کمالات دکھائے۔ عمارتیں نہایت خوشنما اور عالیشان بنائیں۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے۔ جب کہ بقول عیسائی مورخوں کے یورپ میں جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور مسلمانوں نے کئی ایجادات اور صنعتیں قائم کیں ان کو اگر بیان کیا جائے تو کئی کتابیں تیار ہو جائیں۔

عذرا اور جعفر نہایت آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔

ہندی قلعہ کے بموجب تیل بوٹے اور پھول بنے ہوئے تھے اور جگہ جگہ انہیں مختلف رنگوں سے مزین کیا گیا تھا۔ کہیں کہیں خالص سونے کا کام بھی تھا۔ چاندی سونے کے گنگا جمنی فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ پردے ریشمی تھے اور صحن میں خوشبو سے مسجد منہک رہی تھی۔ کئی حوض تھے اور ان میں فوارے چل رہے تھے غرض مسجد کیا تھی جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس مسجد کے میناروں پر ایسی جدولیں بنی ہوئی تھیں جن سے سیاروں کی حرکات اور چاند و سورج کے گہن کے اوقات معلوم ہو جاتے تھے۔ دور دور سے سائنسدان اور سیاح ان میناروں کی جدولوں کو دیکھنے آتے تھے اور عربوں کی صناعی اور سائنسدانی پر حیران رہ جاتے تھے۔ ہلمو میں پانچ سو مسجدوں سے زیادہ بن گئی تھیں۔ اور سب نہایت عالیشان نہایت سبک نازک اور خوشنما تھیں۔

یہ سب لوگ سیر کر کے واپس گھر آگئے۔ اب عذرا نے جعفر کے محل میں آنا بند کر دیا تھا۔ کبھی کبھی جعفر ہی جیلہ کو سلام کرنے کے بہانے وہاں چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک روز جب وہ گئے تو جیلہ غسل کرنے گئی تھی۔ پھر عذرا غسل کر کے لباس بدل کر سنگھار کرا کر بیٹھی تھی اس روز اس نے بڑے قیمتی زیورات پہن رکھے تھے رشک حور معلوم ہو رہی تھی۔ جعفر اس پیکر ناز کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”آئیے!“

جعفر سنہیلے۔ انہوں نے کہا، خدا کی قسم اگر سسلی کے قدیم باشندے تمہیں دیکھ لیں تو دلربا سر سے سمجھ کر سجدہ کرنے لگیں۔

عذرا مسکرا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا تم اپنے ہوش و حواس درست کر لو۔ جعفر نے کہا، ہو چکے درست حسین ساحرہ کے سامنے ہوش و حواس درست ہو جائیں یہ ناممکن ہے۔

اسی وقت جیلہ آگئی۔ جعفر نے انہیں سلام کیا۔ عذرا وہاں سے کھسک گئی۔ وہ جیلہ سے باتیں کرنے لگے۔

چند روز کے بعد جعفر کا عذرا سے عقد ہو گیا۔ جس روز عقد ہوا اسی روز ان کے نام امیر ابراہیم کی بھیجی ہوئی سند حکومت آگئی۔ اور جزیرہ سسلی کے حکمران ہو گئے۔ اور عذرا ملکہ ہو گئی۔ ”مار سے بس“ کی پیشگوئی پوری ہو گئی تھی۔

مسلمانوں نے جزیرہ سسلی میں علم و ہنر کے دریا بہا دیئے اس کے چپہ چپہ پر باغات لگا دیئے۔ پانی کی نہریں ہر طرف نکلا دیں۔ نیز زراعت کو ترقی دی۔ اس زمانے کے